

حج و عمرہ جدید مسائل

مفتی ابوبکر جابر قاسمی
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

مرتبین

ادارہ دار الدعوة والارشاد، حیدرآباد، تلنگانہ



AL-HIRA®
Tours & Travels

Mobile : +91 98490 94928, 70320 44343

E-mail : alhira@alhiratour.com

Website : www.alhira-tour-and-travel.com

الحج
2015-1440 H

ناشر:

حج و عمرہ کے جدید مسائل

اس کتاب میں صرف وہ مسائل جمع کیے گئے جو عاشقانِ خدا کے ہجوم یا انتظامی ضروریات نے پیدا کیے ہیں، بطورِ خاص وہ مسائل جو اہل علم کے درمیان غیر معمول بحث و تحقیق کا موضوع رہے، جدید مسعی، توسیع شدہ جمرات، منی میں قصر و اتمام، جدہ کی میقاتی حیثیت، نفل حج یا رفاہی کام وغیرہ دیگر فقہی مذاہب کی آراء کو بھی اس طرح نقل کیا گیا کہ احترام و اعتدال باقی رہے، آج کل ہونے والی بعض عملی کوتاہیوں کی اصلاح بھی مدلل نقل کی گئی ہے، مناسک پر مروجہ کتابوں کا تکرار نہ کیا جاسکتا ہے۔

مفتی ابو بکر جابر قاسمی مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

دار الدعوة والارشاد حیدرآباد

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پہلا ایڈیشن: ۱۴۴۰ھ = ۲۰۱۹ء

نام کتاب : مسنون حج و عمرہ
ترتیب : مفتی ابو بکر جابر قاسمی، 09885052592
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی، 9989497969
صفحات : 276
گرافکس تزئین : مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، قبا گرافکس، حیدرآباد
فون: 8801198133، 09704172672
ناشر : دارالدعوہ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

ملنے کے پتے

- ✱ مدرسہ خیر المدارس، بوراینڈہ، حیدرآباد، فون: 23836868 - 040
- ✱ دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانگی، مغلیہ پورہ، حیدرآباد، فون: 66710230 - 040
- ✱ مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد

فہرست مضامین

۱۵	پہلی بات	❖
۱۷	اسرار و حکمتیں	❖
۱۷	توحید	❖
۱۷	اطاعت و فنائیت	❖
۱۷	عشق الہی میں ترقی	❖
۱۸	ایمان و یقین میں تازگی	❖
۱۸	ملتِ ابراہیمی سے وابستگی	❖
۱۹	عاشق کی تسلی	❖
۱۹	وحدتِ امت کا پیغام	❖
۱۹	دعوتِ دین کا اہتمام	❖
۲۰	حوصلہ بڑھائیں	❖
۲۰	علاقائی اثرات سے دین کی تطہیر	❖
۲۰	حیاء و پاکدامنی	❖
۲۱	پوری زندگی کا احرام	❖
۲۱	طلب علم کی فکر	❖
۲۱	انسانی مساوات کا اعلان	❖

۲۳	✽ حرم اور مسجد حرام
۲۳	✽ حدودِ حرم
۲۴	✽ حدود مسجد نبوی
۲۵	✽ حرم کا احترام
۲۵	✽ حرم کی نیکیاں
۲۶	✽ حرم کا ہر عمل افضل ہے یا فقط نماز؟
۲۹	✽ پورا حرم یا صرف مسجد حرام
۳۴	✽ حرم کا گناہ بھی زیادہ سنگین
۳۴	✽ برائی کے ارادہ پر بھی مواخذہ
۳۵	✽ یومِ عرفہ کس ملک کے اعتبار سے؟
۳۷	✽ مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا
۳۸	✽ حنفی کا حرم میں نماز وتر و دو سلام سے فقہ اکیڈمی کا فیصلہ
۳۸	✽ مکہ و مدینہ میں پرندوں کو دانہ ڈالنا
۳۹	✽ حرم میں چھوڑے جوتوں اور چپلوں کا حکم
۴۰	✽ حج کی استطاعت
۴۰	✽ استطاعت سے کیا مراد ہے؟
۴۰	✽ مشترکہ خاندان میں حج کی فرضیت؟
۴۱	✽ حج کا ویزا نہ ملنا مانع وجوبِ ادا ہے؟
۴۱	✽ فرض حج ساقط نہ ہوگا
۴۲	✽ عورت پر حج کب فرض ہے؟
۴۲	✽ حج کے لیے شوہر کی اجازت
۴۴	✽ محرم یا شوہر کا سفر خرچ

- ۴۴ ✱ محرم سے مراد
- ۴۶ ✱ عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا
- ۵۰ ✱ محرم کا لزوم عورت کے حق میں باعثِ رحمت
- ۵۱ ✱ مسئلہ کا سیاسی رخ
- ۵۲ ✱ حج بدل کے بعد محرم ملے تو دوبارہ حج فرض ہے
- ۵۲ ✱ خادمہ کا حج کفیل کے ساتھ
- ۵۳ ✱ عدت کی حالت میں حج کرنا
- ۵۴ ✱ دوران سفر اگر طلاق ہو جائے؟
- ۵۴ ✱ حج کے لیے زمین، گھر اور جائیداد فروخت کرنا
- ۵۷ ✱ حج کے لیے سامان تجارت (دکان) فروخت کرنا
- ۵۷ ✱ حاجتِ اصلیہ میں مال خرچ کرے یا حج کرے؟
- ۵۷ ✱ زیورات فروخت کر کے حج کرنا
- ۵۸ ✱ حج میں تاخیر کرنے کا گناہ
- ۵۸ ✱ والدین و بیوی کے علاج کے لیے تاخیر کرنا
- ۵۹ ✱ اولاد کی پرورش کے لیے تاخیر کرنا
- ۵۹ ✱ مرض کی وجہ سے حج میں تاخیر کرنا
- ۶۰ ✱ والدین کو حج کروانے میں تاخیر کرنا
- ۶۰ ✱ مکان خریدنے یا تعمیر کرنے کے لیے تاخیر کرنا
- ۶۱ ✱ خود کی شادی کے لیے حج میں تاخیر کرنا
- ۶۱ ✱ اولاد کی شادی کے لیے حج میں تاخیر کرنا
- ۶۲ ✱ بیوی کو ساتھ لیجانے کے لیے حج میں تاخیر کرنا
- ۶۲ ✱ نابینا شخص پر حج

- ۶۳ ❖ سببیٹی سے حج
- ۶۴ ❖ بینک سے لون لے کر حج کرنا
- ۶۵ ❖ مقروض کے حج کا حکم
- ۶۵ ❖ فکس ڈپازٹ کی رقم سے حج
- ۶۵ ❖ قانون کی خلاف ورزی کر کے حج کرنا
- ۶۶ ❖ ولدیت اور سکونت غلط لکھوا کر حج پر جانا
- ۶۶ ❖ میراث میں بہنوں کا حصہ نہ دے کر حج کرنا
- ۶۶ ❖ کیا حج کے لیے رشوت دے سکتے ہیں؟
- ۶۷ ❖ اجازت حج کو بیچنا
- ۶۷ ❖ مکی کا حج تمتع کرنا
- ۶۸ ❖ آفاقی تمتع کا ایک سے زائد عمرہ کرنا
- ۶۸ ❖ سعودی ملازم کا بلا اجازت حج
- ۶۹ ❖ حج بدل میں حج تمتع
- ۶۹ ❖ عمرہ کا ویزا لیکر حج کرنا
- ۶۹ ❖ خواجہ اجیری کی درگاہ کا چکر لگانے سے حج ساقط ہوتا
- ۷۰ ❖ سفر حج میں تجارت کرنا
- ۷۰ ❖ حج و زکوٰۃ کی فرضیت میں فرق
- ۷۱ ❖ حج کی فلم کا حکم
- ۷۱ ❖ اعمال حج میں ترتیب کا حکم
- ۷۴ ❖ نبی کریم ﷺ کی طرف سے حج برائے ایصال ثواب
- ۷۴ ❖ حج و عمرہ کے برابر ثواب والے اعمال
- ۷۸ ❖ پانچ سال میں ایک مرتبہ حج کرنا

۷۹	✽ ہر سال حج پر جانا
۸۰	✽ ضروری مسائل
۸۲	✽ احرام
۸۲	✽ فوجی اور ڈاکٹر کا احرام
۸۲	✽ عورت کا احرام اور پردہ
۸۷	✽ احرام کی حالت میں ستر کا حکم
۸۸	✽ بچہ کا احرام
۹۰	✽ مجنوں و دماغی معذور کا احرام
۹۰	✽ گونگے شخص کا احرام
۹۱	✽ بے ہوش کا احرام
۹۱	✽ تلبیہ زبان سے کہنا شرط ہے
۹۱	✽ احرام کی حالت میں چہرے پر ماسک باندھنا
۹۵	✽ حج کا برقع کیسا ہو؟
۹۵	✽ حالت احرام میں زیورات پہننا
۹۵	✽ عورت کا حالت احرام میں مہندی لگانا
۹۵	✽ احرام میں عورت کا دستانہ پہننا
۹۶	✽ حائضہ کے احرام اور عمرہ کا حکم
۱۰۰	✽ دریا زخم کی وجہ سے پٹی باندھنے کا حکم
۱۰۱	✽ حالت احرام میں نیکر پہننا
۱۰۱	✽ احرام میں سردی کی ٹوپی لگانا
۱۰۱	✽ احرام میں سلی ہوئی لنگی پہننا
۱۰۱	✽ احرام کے کپڑے کو پین لگانا

۱۰۲	✽	حالت احرام میں بالوں کا ٹوٹ جانا
۱۰۲	✽	احرام اور خوشبو کا حکم
۱۰۳	✽	احرام کی حالت میں خوش بودار مرہم لگانا
۱۰۳	✽	حالت احرام میں بدن پر خوشبو لگانا
۱۰۵	✽	حالت احرام میں تیل کا استعمال
۱۰۶	✽	حالت احرام میں سرمہ کا استعمال
۱۰۶	✽	خوشبودار غذا کھانے کا استعمال
۱۰۷	✽	خوشبودار مشروب کا استعمال
۱۰۷	✽	خوشبودار دوائی کا استعمال
۱۰۸	✽	صابن و شیمپو کا استعمال
۱۰۹	✽	بال نکالتے وقت صابن و شیمپو کا استعمال
۱۱۰	✽	حدود حرم کی پیمائش
۱۱۱	✽	حدود حرم اور حدود میقات کا جغرافیائی نقشہ
۱۱۲	✽	میقات
۱۱۲	✽	جو شخص دو میقات سے گزرے
۱۱۳	✽	میقات سے گزر کر پھر واپس آجائے
۱۱۵	✽	جدہ کی میقاتی حیثیت
۱۱۸	✽	جدہ حل میں ہے یا آفاق میں؟
۱۱۹	✽	جدہ جانے کے لیے احرام باندھنا
۱۱۹	✽	کاروباری حضرات کا بغیر احرام کے میقات سے گزرنا
۱۲۱	✽	عمرہ
۱۲۱	✽	عمرہ کی فضیلت

- ۱۲۲ ✱ عمرہ واجب ہے یا سنت؟
- ۱۲۲ ✱ رمضان المبارک میں عمرہ کی فضیلت
- ۱۲۷ ✱ عمرہ حج کا بدلہ ہرگز نہیں ہے
- ۱۲۸ ✱ کثرت عمرہ کا حکم
- ۱۲۸ ✱ ایک احرام سے دو عمرے کرنے کا حکم
- ۱۲۹ ✱ عمرہ کا وقت مباح اور وقت مکروہ
- ۱۳۱ ✱ عمرہ کی میقات
- ۱۳۱ ✱ دوسرے کے لیے عمرہ کرنا
- ۱۳۱ ✱ کیا ایک سفر میں زیادہ عمرہ کر سکتے ہیں؟
- ۱۳۶ ✱ آنحضرت ﷺ کا چار عمرہ کرنا تحدید شرعی نہیں ہے
- ۱۳۷ ✱ نفل حج و عمرہ افضل ہے یا صدقہ؟
- ۱۴۰ ✱ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا واقعہ
- ۱۴۱ ✱ حضرت ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ کا واقعہ
- ۱۴۳ ✱ کثرت عمرہ افضل ہے یا کثرت طواف؟
- ۱۴۴ ✱ اشہر حج میں کثرت عمرہ
- ۱۴۵ ✱ اشہر حج میں عمرہ کرنے سے حج کی فرضیت؟
- ۱۴۷ ✱ حج سے پہلے عمرہ کی ممانعت کی حیثیت
- ۱۴۸ ✱ عمرہ کے سفر سے واپسی پر طواف وداع کا حکم
- ۱۴۸ ✱ تنعیم سے عمرہ کی شرعی حیثیت
- ۱۴۹ ✱ مذاہب فقہاء
- ۱۵۱ ✱ دیگر علماء کی آراء
- ۱۶۰ ✱ کیا تنعیم سے عمرہ کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص ہے؟

- ۱۶۲ ❖ دورانِ عمرہ حیض آجائے تو تکمیلِ عمرہ کی شکل
- ۱۶۳ ❖ حیض روکنے کی دواء استعمال کی جاسکتی ہے؟
- ۱۶۵ ❖ طواف
- ۱۶۵ ❖ فجر و عصر کے بعد طواف کی دو رکعت کا حکم
- ۱۶۶ ❖ طواف زیارت و طوافِ عمرہ میں فرق
- ۱۶۷ ❖ دورانِ طواف وضو ٹوٹ جائے
- ۱۶۷ ❖ دورانِ طواف حیض آجائے تو کیا حکم ہے
- ۱۶۸ ❖ حالتِ حیض میں طوافِ زیارت کے احکام
- ۱۷۱ ❖ حالتِ استحاضہ میں طواف کے احکام
- ۱۷۱ ❖ مجبوری میں طواف و داءِ ساقط ہے
- ۱۷۲ ❖ چھوٹے ہوئے طوافِ زیارت یا طوافِ واء کے لیے احرام باندھنا
- ۱۷۳ ❖ مسعی
- ۱۷۳ ❖ جدید مسعی
- ۱۷۶ ❖ مسجد حرام کی توسیع کے بعد مسعی کا حکم
- ۱۷۶ ❖ کرسی پر سعی کرنا
- ۱۷۷ ❖ مِنیٰ
- ۱۷۷ ❖ مِنیٰ کی شب گزاری
- ۱۷۸ ❖ مِنیٰ مستقل ہے یا مکہ مکرمہ کے تابع؟
- ۱۸۳ ❖ نیامِنی (new mina)
- ۱۸۴ ❖ الخلافِ اشتر
- ۱۸۵ ❖ مِنیٰ میں نماز جمعہ
- ۱۸۷ ❖ مِنیٰ میدانِ دعوت ہے

- ۱۸۹ جبل رحمت کے مینار کی حیثیت ❀
- ۱۹۱ کیا اس پہاڑ پر مینار کی جگہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا تھا؟ ❀
- ۱۹۲ عرفات ❀
- ۱۹۲ ہوئی جہاز کے ذریعہ عرفہ سے گزرنا ❀
- ۱۹۲ عرفہ کے ہجوم کی وجہ سے غرہ اور عرفہ کا وقوف کرنا ❀
- ۱۹۳ عرفات میں قصر و اتمام ❀
- ۱۹۳ اہل خیمہ کیلئے عرفہ میں جمع بین الصلاتین ❀
- ۱۹۷ مزدلفہ ❀
- ۱۹۷ مزدلفہ میں قصر کریں یا اتمام ❀
- ۱۹۷ معذور و خواتین کے لیے ازدحام کی وجہ سے ترک وقوف ❀
- ۱۹۸ محض ہجوم عذر نہیں ہے ❀
- ۱۹۹ مزدلفہ میں عشاء سے قبل پہنچ جائیں تو کیا کریں؟ ❀
- ۲۰۰ رمی ❀
- ۲۰۰ رمی جمرات کی حقیقت ❀
- ۲۰۱ رمی کا وقتِ مسنون ❀
- ۲۰۱ رمی کا وقتِ جائز ❀
- ۲۰۱ رمی کا وقت مکروہ ❀
- ۲۰۲ رمی کے لیے مناسب وقت ❀
- ۲۰۴ معذور کے احکام ❀
- ۲۰۴ رمی میں معذور کون کہلاتا ہے؟ ❀
- ۲۰۵ معذور کا اپنی رمی کے لیے نمائندہ بنانا ضروری ہے ❀
- ۲۰۷ معذور کی طرف سے رمی کا افضل طریقہ ❀

- ۲۰۷ * ہجوم کی وجہ سے رمی میں دوسرے کو نمائندہ بنانا
- ۲۰۸ * تاخیر افضل ہے یا نیابت افضل؟
- ۲۰۹ * نیابت کی ایک شرط
- ۲۱۰ * رمی میں نیابت کب درست ہے؟
- ۲۱۰ * رمی سے عاجز ہونے کی دو صورتیں ہیں
- ۲۱۱ * رمی میں نیابت کا طریقہ
- ۲۱۲ * اوپری منزل سے رمی کرنا
- ۲۱۳ * رمی میں بے جا جلد بازی اور نقصانات
- ۲۱۶ * قربانی۔ دم۔ جنایت
- ۲۱۶ * قربانی کے احکام
- ۲۱۷ * قربانی خود کریں یا بینک کو دیں؟
- ۲۱۹ * شرکتہ الراجی کا حکم
- ۲۱۹ * حج کمیٹی کا جبراً قربانی کا پیسہ وصول کرنا
- ۲۲۰ * اجتماعی قربانی کا حکم
- ۲۲۱ * دم جنایت کا مصرف
- ۲۲۱ * دم جنایت اور قربانی کے گوشت کا فرق
- ۲۲۲ * حجاج کرام پر عید الاضحیٰ کی قربانی
- ۲۲۴ * قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا؟
- ۲۲۶ * قربانی پر قدرت نہ ہو تو کیا حکم ہے
- ۲۲۸ * قربانی کی قدرت نہ ہونے پر دس روزوں کی ترتیب
- ۲۲۹ * حلق
- ۲۲۹ * مصنوعی بال والے کے لیے حلق کا حکم

۲۲۹	گنجه پن یا کم والوں کے لیے حلق	✽
۲۳۰	عورت کے سر کے بال گر جائے تو قصر کا طریقہ	✽
۲۳۱	معدور کا قصر	✽
۲۳۲	حلق کرے بغیر گھر آجائے؟	✽
۲۳۳	متفرق و ضروری مسائل	✽
۲۳۳	امام مؤذن مدرس کی تنخواہ ایام حج میں	✽
۲۳۴	ہوائی جہاز میں وضو کیسے کریں؟	✽
۲۳۵	ہوائی جہاز میں تیمم کرنے کا حکم	✽
۲۳۷	ہوائی جہاز میں قبلہ	✽
۲۳۷	ہوائی جہاز نماز کا طریقہ	✽
۲۳۹	آب زمزم کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر؟	✽
۲۴۱	زمزم پینے کا طریقہ	✽
۲۴۳	حائضہ عورت بلا احرام حدود حرم میں چلی جائے	✽
۲۴۳	عورتیں اپنی ہوٹل میں نماز ادا کریں	✽
۲۴۴	عورتیں حرم میں کب جائیں؟	✽
۲۴۵	مسئلہ محاذات کے شرائط	✽
۲۴۶	حرم میں عورت کا مردوں کی صف میں شامل ہو جانا	✽
۲۴۸	نماز شروع ہونے کے بعد صف میں شامل ہوں تو؟	✽
۲۴۹	عورتوں کا مردوں کی بھیڑ میں گھسنا	✽
۲۴۹	نماز جنازہ میں ایک سلام پر اکتفاء	✽
۲۵۱	مسجد حرام کے باہر صفوں کے درمیان فاصلہ	✽
۲۵۲	حرم میں غائبانہ نماز جنازہ	✽

۲۵۵	✽	حرم میں عورت کا نماز جنازہ میں شرکت کرنا
۲۵۶	✽	حرم میں عصر کی نماز ایک مثل پر
۲۵۶	✽	حرمین میں تہجد باجماعت پڑھنا
۲۵۷	✽	ہجوم کے وقت اگلے نمازی کی پشت پر سجدہ
۲۵۸	✽	طواف کی نماز بغیر سترہ کے
۲۵۹	✽	نوذی الحجہ کو جمعہ کی نماز
۲۶۰	✽	کعبہ سے رخصت ہوتے وقت الٹے پیر نکلتا
۲۶۰	✽	روضہ پر حاضری سطحی اشکال کا جواب
۲۶۲	✽	فہرست مراجع



پہلی بات

یہ کتاب تمام کتابوں کا مکملہ اور ضمیمہ بنانے کے ارادہ سے لکھی گئی، قدیم مروجہ مسائل کا اعادہ نہیں کیا گیا، زیادہ سے زیادہ ان مسائل کو محقق مدلل کرنے کی کوشش کی گئی جو مسائل از دحام تمدنی و تعمیری ترقیات انتظامی ضروریات نے پیدا کیے ہیں دس بارہ سال پہلے لکھی گئی کتابوں کو پڑھ کر اگر آج کوئی حج کے لیے سفر کرتا ہے تو کئی مقامات پر اسے کافی تشنگی محسوس ہوگی تو یہ کام پچھلے کام کا تسلسل ہوتا ہے گویا پہلے کام کی بنیاد ہے اور منزلوں پر منزل لے بنائے جاتے ہیں۔

تنگ نظری کا مرض فرقہ واریت اور شدت پسندی کو ہوا دیتا ہے۔ اس لیے دیگر فقہی مذاہب سے بھی ایک عالم دین و معلم حجاج کو واقف ہونا ضروری ہے، خود ایک فقہی مذہب میں مختلف رائے رکھنے والی علمی و استنادی شخصیات و جامعات کے دلائل سے آگہی دوسرے فریق میں اعتدال و حسن ظن کی فضا ہموار کرتی ہے خاص طور پر وہ مسائل جن کے بارے میں علماء امت نے اجتماعی طور پر توسع اور رخصت والے پہلو کی اجازت دی ہے اُسے بیان کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ حاجی بے جا پریشانی اور الجھن میں نہ پڑ جائے، غیر مستند بات کو مستند سمجھنا، ادب و مستحب کو سنت یا فرض کا درجہ دینا، جمہور کے مقابلہ میں اپنی ذاتی رائے پر اصرار ایسی حرکتیں ہیں جو حج کی روح کے منافی ہیں، عبادت و اتحاد کے بجائے انتشار و شرارت کا ماحول بنتا ہے۔

مسنون طریقہ تو ایک ہی ہے، بدعات علاقے اور زمانے کی بدلتی رہتی ہیں،

منکرات و عملی کوتاہیاں بیان کرنا اس لیے ضروری ہے کہ حق و باطل، سنت و بدعت میں فاصل قائم رہے، امت مسلمہ کی صلاحیتیں ضائع نہ ہو، عام طور پر زندگی میں ایک ہی مرتبہ کیا جانے والا عمل دیکھا دیکھی کرنے کی نذر نہ ہو بلکہ بصیرت و علم کی بنیاد پر ہو، یہاں اس بات کا اظہار واجب محسوس ہو رہا ہے کہ اس کتاب کا خاصا کام میرے رفیق تصنیف مفتی احمد اللہ ثار قاسمی حفظہ اللہ نے کیا ہے، اور مفتی محمد منیر صاحب رحمہ اللہ و تخریج میں معادنت فرماتے رہے۔ فجزاہم اللہ أحسن الجزاء

ابوبکر جابر قاسمی

۲۸ شوال المکرم ۱۴۴۰ھ

۲ جولائی ۲۰۱۹ء

اسرار و حکمتیں

توحید

زمانہ جاہلیت کے تلبیہ میں تھا ”إِلَّا شَرِيكَاهُ وَلَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلِكُ“ کہ ”آپ کا ایک شریک ہے جس کے مالک کل بھی آپ ہیں“، رسول ﷺ نے اس کو تبدیل کیا اور ”لَا شَرِيكَ لَكَ“ کہ ”آپ کا کوئی شریک نہیں ہے“ تلبیہ پڑھنے والے کو چاہئے کہ کفریہ عقائد، شرکانہ رسومات سے توبہ کرے، تلبیہ پڑھتے ہوئے ان جراثیم کے نکالنے کی نیت کرے، آج کے بعد غیر اللہ کے لیے نہ طواف، نہ سجدہ، نہ ذرونیاز صرف اللہ کے لیے، عزت، اولاد، دولت، صحت وغیرہ کا سوال صرف اللہ سے کیا جائے گا۔

اطاعت و فنائیت

رسول اللہ ﷺ تلبیہ میں ایک لفظ وارد ہے ”لِيَكْ بِحُجَّةٍ حَقًّا تَعْبُدَا وَرِقًّا“ کہ میں غلامی و عبادت کے لیے حاضر ہوں، اعمال حج و عمرہ بندہ میں اطاعت کا مزاج بناتے ہیں، کوئی شخص عام دنوں میں عرفات میں ایک مہینہ رہ جائے، مزدلفہ، منیٰ میں چھ مہینہ رہ جائے حج نہیں ہوگا، جب جس وقت جس عمل کا حکم دیا گیا، پانچ دن میں اسی طرح عمل کرنا ہے۔

عشق الہی میں ترقی

دو چادریں جسم پر، کعبۃ اللہ کے چکر، منیٰ کی کنکریاں، مزدلفہ میں پڑے

رہنا، نہ خوشبو کا استعمال، نہ بالوں کا خیال، ایک ہی ترانہ گنگنا رہا ہے، یہ سب بتلاتا ہے کہ حاجی میں محبت الہی گرمانا مقصود ہے، بے عشق دل دین پر چلنے کا لطف بھی کیا پاسکتا ہے!

ایمان و یقین میں تازگی

زمین پانی پر بچھائی گئی ”وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا“ (۱) پانی میں ایک بلبلیہ یا چھاگ نکلا، پروردگارِ عالم نے اس سے سارے بر اعظم بنائے، متضاد خصوصیات والی زمین پیدا کر دی ہے۔

سرزمین مکہ میں زمزم کے علاوہ کوئی پانی کی فراوانی نہیں ہے، برسات بھی بہت کم، زراعت کا کوئی انتظام نہیں، لیکن دعاءِ ابراہیم:

”فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ“ (۲)

ساری دنیا کے پھل وہاں پہنچ جاتے ہیں۔

انسان اپنا گھر تعمیر کرنے کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرتا ہے جہاں اور انسان بھی بستے ہو، پانی اور انسانی ضروریات کی فراوانی ہو، پروردگارِ عالم نے اپنا گھر وادیِ غیر ذی ذرع میں بنایا، جب بندہ میرے گھر پر آئے تو صرف رب پر نظر رہے، سبب کے سارے بت اس کے دل نے نکل جائے، اور اس یقین میں تازگی آئے کہ پروردگارِ عالم سب کچھ کے بغیر سب کچھ کرتے ہیں۔

ملتِ ابراہیمی سے وابستگی

سعی، قربانی، رمی جمرات یہ اعمال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نقالی ہے، رسم عاشقی کی ادائیگی ہے، بت پرستی سے نفرت، خدا پرستی کے لیے وطن، خاندان بڑھاپے کی اولاد،

شہزادی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو قربان کرنے کے لیے تیار، ”وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى“ (۱) حاجی بھی اپنے اندر ایمان ابراہیمی کی کچھ جھلک پیدا کر دے۔
عاشق کی تسلی

انسان چاہتا ہے کہ اس کا محبوب اس کی آنکھوں سے اسے دکھائی دے، لیکن دنیا میں انسان ان آنکھوں سے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا، ”لَنْ تَرَانِي“ کا فرمان جاری ہو چکا ہے، اس عاشق زار کے لیے اپنے انوار کا مرکز کعبہ دے دیا چلو اس کی کچھ ڈھارس بند جائے، محبوب کے گھر کو دیکھ کر، اس کے چکر لگا کر، اس سے چمٹ کر بھی عاشق کافی سنبھل جاتا ہے۔

وحدت امت کا پیغام

رب کریم چاہتا تو محرم صفر میں رشتیا، ربیع الاول، ربیع الثانی میں امریکہ، کسی ماہ میں جاپان، کبھی ہندوستان کو بلاتا، لیکن مسلمانانِ عالم کو انہیں پانچ دنوں میں خاص تحدید شدہ مقامات پر ایک زبان کا تلبیہ، مخصوص احرام پہن کر، آنے کا حکم دیا، امتی بننا ہے فرقہ جماعت نہیں، ایک دوسرے سے اختلاط، احوال کی اطلاع، خوبیوں کے لین دین کا زبردست موقع فراہم کیا گیا، مہذب غیر مہذب، کالا گورا، عربی اور عجمی سب کو جھیلنا سنبھالنا اور سہنا سکھلایا گیا، میدانِ عرفات کا پیغام تو صاف طور پر اس کی دعوت دے رہا ہے، حج کے بعد بھی مسلکی شدت پسندی، گروہی عصبيت باقی رہی تو جان لینا چاہئے کہ حج کی حقیقت حاصل نہیں ہوئی، قومی، لونی، لسانی اور علاقائی تعصبات کا خاتمہ کرنا سب سے اہم سبق ہے۔

دعوتِ دین کا اہتمام

منی کے میدان میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ حج میں خوب دعوت دیا کرتے تھے، قبائل سے ملاقاتیں ہوتی، انصارِ مدینہ سے یہیں ملاقات ہوئی، آج بھی حجاج کرام

منی کے فارغ اوقات میں ایک دوسرے کو ایمان و عمل کی دعوت دیتے ہیں، تکمیلِ فرائض یعنی حج تو کیا جا رہا ہے، مگر نماز سے ناواقف، رشتے ٹوٹے ہوئے، کمائی حرام، اولاد بے دین، معاشرت، رسومات میں ڈوبی ہوئی، منی میں سنت شریعت پر چلنے کی دعوت دینا وہ سنت ہے جو شاید بھلائی جا چکی ہے۔

حوصلہ بڑھائیں

نبی کریم ﷺ نے ۲۱ سال کی قربانیوں، محنتوں کے بعد حج کیا، ستر ہزار انبیاء علیہ السلام مطاف میں مدفون ہیں، ساری زندگی دعوتِ دین میں کپھا کر آخری لمحات کعبۃ اللہ کے سائے میں گزارتے تھے، جہاں ہمارے رسول اللہ ﷺ کو مارا گیا، نکالا گیا، اوجھڑی ڈالی گئی، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فاقے جھیلے، ابوطالب کی گھاٹی میں آپہیں سسکیاں دو سال تک بھرتے رہے، جہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر تپتی ریت میں گرم پتھر رکھ دیا جاتا، حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے خون و چربی سے آگ کے شعلہ بجھتے، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی دردناک شہادت جس زمین نے دیکھا، وہاں جا کر ہمارے اندر بھی قربانی کا حوصلہ بڑھنا چاہیے، کم از کم پسینہ بہانے کا جذبہ تو پیدا ہو، بازاروں کی سیر سپاٹ، چیزوں کی خریداری میں کہیں اس اصل سرمایہ سے ہم محروم نہ رہ جائیں۔

علاقائی اثرات سے دین کی تطہیر

اس عظیم اجتماع کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے دین کی صفائی ستھرائی اور بے غبار شکل پوری امت کے سامنے آجائے، جغرافیائی، علاقائی اثرات کے نتیجے میں جو بدعات و خرافات اسلام میں داخل ہو گئیں، شریعتِ اسلامی کا خوب صورت چہرہ جو مخ ہو گیا اس کو نکھارنا، اس حج کا لازم ہے۔

حیاء و پاکدامنی

اس سرزمین میں کوئی بد بخت ہی گناہ کے ارادے سے جاتا ہے، ورنہ ایک مسلمان کی کیا کیفیت ہوتی اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہے جس کا کبھی سفرِ حرمین ہو چکا

ہے، پھر حالتِ احرام میں پردہ کرنا ہے، عام جگہوں میں سڑک پر چلنے کے لیے مرد و عورتوں میں فاصلہ رکھا گیا ”علیکن بحافات الطرق“ مسجد میں بھی ان کی صفیں الگ ہوا کرتی تھیں، لیکن طواف کے دوران مرد و عورت میں فاصلہ کم رہ جاتا ہے، ایک امتحان ہے کہ بندہ اور بندی مولیٰ کی محبت میں کعبہ کے عشق میں ڈوب کر طواف کرتے ہیں یا کسی لیلیٰ یا مجنوں میں اپنا دل الجھا دیتے ہیں۔

پوری زندگی کا احرام

خوشبو، عام بلبوسات کے طرز پر سلا ہوا کپڑا، وغیرہ کی پابندیاں ایام حج کے بعد ختم ہو جاتی ہیں، لیکن ”فَلَا زَفَتْ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ“ (۱) جھگڑا، غصہ، بدکلامی، کا پرہیز پوری زندگی کرنا ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ حاجی بننا آسان ہے، حاجی بن کر مرنا مشکل ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان اس حال میں مرے کہ حج کی تربیت و نورانیت بعد کی بے دینی کی وجہ سے ضائع نہ ہوئی ہو۔

طلب علم کی فکر

امام ابو یوسف رحمہ اللہ مرض الموت میں، عیادت کرنے والے سے پوچھا رمی سوار ہو کر کرنا بہتر یا پیدل، اس نے کہا: پیدل! فرمایا: غلط! اس نے کہا سوار ہو کر، فرمایا: غلط! پہلی اور دوسری رمی پیدل تیسری رمی سوار پر کرنا بہتر ہے، کیونکہ تیسری کے بعد دعائیں کرنا ہے، وہ شخص دہلیز کے باہر نکلا اور گھر کے اندر سے رونے کی آواز آرہی ہے ہے، یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا، محدثین و فقہاء کرام سفر حج اس لیے کرتے تھے کہ دنیا کہ مختلف علماء سے ملاقات ہو، اجازت حدیث لے سکیں، کتابیں نقل کر سکیں، مصنفین سے رابطہ ہو۔

انسانی مساوات کا اعلان

خطبہ حجۃ الوداع کے الفاظ ہیں ”الناس بنو آدم و آدم من تراب“ کالا،

گورا، ہونا مشرقی، مغربی بننا آدمی کے اختیار میں نہیں، مالدار، نادار ہونا خدائی تقسیم ہے، تقویٰ والا بننا ہمارے اختیار میں ہے، بڑائی اور برتری صرف تقویٰ کے بنیاد پر ملے گی، انسان ہونے میں تمام انسان برابر ہیں، سب آدم کی اولاد ہیں، دنیا اللہ کا کنبہ ہے ”الخلق عیال اللہ“ (۱) ساری انسانیت اس آواز کی کتنی پیاسی ہے۔



(۱) المعجم الأوسط، من اسمہ محمد، حدیث نمبر: ۵۵۴۱، ابویعلیٰ و ہزاز نے اس کو روایت کیا

ہے، اس میں یوسف بن عطیہ صفار ہیں جو متروک ہیں۔

حرم اور مسجد حرام

حدودِ حرم

چونکہ حرم محترم سے کئی مسائل جڑے ہوئے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے حدود متعین فرمادیے، حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حدود حرم کی نشاندہی کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت اسد خزاعی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان حدود کی تجدید فرمائی۔

بعض روایات میں ہے کہ ”خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب حجر اسود کو دیوارِ کعبہ میں نصب فرمایا تو اس پاس کا علاقہ اس کی چمک سے روشن ہو گیا، اس کی روشنی جہاں تک پھیلی اس حصہ کو حرم قرار دیدیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۱)
شمال میں مقام تنعیم (مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا) تک حرم ہے۔

مشرق میں جعرانہ کے قریب تک حرم ہے۔

شمال مشرق میں ”وادی خلتہ“ تک ہے۔

مغرب میں حدیبیہ (شمسی) تک ہے۔

اب سعودی حکومت نے حدود حرم کی ابتداء اور انتہا پر ستون بنادیے ہیں جن پر بدایۃ الحرم اور نہایۃ الحرم لکھا ہوا ہے مسجد حرام کو سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہاں کی عبادت کا اللہ رب العزت نے اجر کئی گنا بڑا دیا ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد کی نماز دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے:

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيهَا سِوَاهُ إِلَّا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری مسجد کی ایک نماز دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے:

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيهَا سِوَاهُ إِلَّا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةٍ
أَلْفِ صَلَاةٍ (۲)

حدود مسجد نبوی

مسجد نبوی جہاں تک وسیع ہوتی جائے سب مسجد نبوی میں داخل ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر یہ مسجد صنعاء تک بنادی جائے تب بھی یہ میری مسجد ہوگی (۳)، امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی کی توسیع کی تو فرمایا: اگر اس کو ”جبانہ“ تک بڑھا دیا جائے تب بھی یہ ساری مسجد نبوی ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود مسجد میں نماز ادا کرنے کی کوشش کی جائے چونکہ جو خشوع اور کیفیت مسجد میں ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے وہ خارج مسجد ادا کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

(۱) صحیح بخاری، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، حدیث نمبر: ۱۱۹۰

(۲) مستدرج، حدیث ۱۳۶۹۳، شعیب الانطوط نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے

(۳) ”لو بنی هذا المسجد إلى صنعاء كان مسجدي“ (تاریخ مكة المشرفة والمدينة

الشریفة: ۱/۲۸۰، دار الکتب العلمیة)

فائدہ: خواہ مسجد حرام ہو یا مسجد نبوی نماز کی فضیلت ہو صرف فرض نمازوں کے ساتھ حاض ہے نوافل وہاں بھی گھر پر ادا کرنا ہی افضل ہے۔ (۱)

حرم کا احترام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے جاتے تو دو خیمے لگاتے تھے، ایک حرم کے اندر دوسرا حرم کے باہر، حرم میں اگر اپنے اہل و عیال یا خدام و متعلقین میں کسی کو کسی بات پر تنبیہ کرنا ہو تو حرم سے باہر والے خیمہ میں جا کر سرزنش کرتے، لوگوں نے مصلحت دریافت کی تو فرمایا: ہم سے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ انسان جب ناراضگی کے وقت ”واللہ، بلی واللہ“ وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے یہ بھی الحاد فی الحرم میں داخل ہے۔

"عن عبد الله بن عمرو بن العاص كان يضرب فسطاطه

في الحل، ويجعل مصلاه في الحرم، فقليل له: لم تفعل ذلك؟

قال: لأن الأحداث في الحرم أشد منها في الحل" (۲)

حرم کی نیکیاں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرم کا ایک روزہ ثواب میں ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے اور ایک درہم کا صدقہ ایک لاکھ درہم صدقہ کرنے کا ثواب رکھتا ہے اور حرم کی ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے گھر میں نماز پڑھے اسے پچیس نمازوں کا، اور جو جامع مسجد میں نماز پڑھے اسے پانچ سو نمازوں کا، جو جامع مسجد اقصیٰ اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھے اسے

(۱) عظمت بیت اللہ: ۱۱۳

(۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد، عبد اللہ بن عمرو بن العاص: ۲/۲۰۲، دار الکتب

العلمیۃ بیروت

(۳) عظمت بیت اللہ: ۶۸

پچاس ہزار کا، اور جو مسجد حرام میں نماز پڑھے اسے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے:

صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِ الْقِبَائِلِ
بِخَمْسٍ وَعَشْرِينَ صَلَاةً، وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يَجْمَعُ
فِيهِ بِخَمْسٍ مِائَةِ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بِخَمْسِينَ
أَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ أَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاةُ
فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ (۱)

اس اعتبار سے حرم کی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

شیخ ابو بکر نقاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے حساب لگایا تو مسجد حرام کی ایک نماز عام نمازوں کے مقابلہ میں پچپن سال چھ مہینہ اور بیس دن کی نمازوں کے برابر ہے، تو مسجد حرام کی پانچ نمازوں کا ثواب دو سو ستتر سال سات مہینہ اور دس دن کی نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔

فائدہ: جس کا حاصل یہ ہوا کہ جو شخص سبحان اللہ کہے، اللہ اکبر کہے، الحمد للہ کہے، ایک بار درود پڑھے، ایک روپیہ صدقہ کرے، تہجد، اشراق، سنت، نفل، ایک عمرہ، ایک طواف کرے وغیرہ سب کا ثواب ایک لاکھ دس لاکھ کے برابر ہے۔ (۲)

حرم کا ہر عمل افضل ہے یا فقط نماز؟

حرم شریف کی نماز کا اجر زیادہ ہونے کی احادیث صحیحہ منقول ہیں، اور بعض روایات سے روزہ اور دیگر عبادات کا افضل ہونا بھی ثابت ہے، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے چونکہ جب عبادت کی افضلیت مقام کی برکت کی وجہ سے ہے تو اس مقام پر جو

(۱) سنن ابن ماجہ، باب ما جاء في الصلاة في المسجد، حدیث نمبر: ۱۳۱۳، علامہ بوصری نے کہا ہے: اس کی سند ضعیف ہے، چونکہ ابو خطاب دمشقی ضعیف ہیں، ان کے احوال معلوم نہیں، ابو عبد اللہ البہانی کے سلسلہ میں کا نام ہے۔

(۲) عظمت بیت اللہ: ۱۱۱

عبادت بھی کی جائے اس کا ثواب زیادہ ہونا چاہئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَذْرَكَ رَمَضَانَ بِمَكَّةَ، فَصَامَهُ، وَقَامَ مِنْهُ مَا تيسَّرَ لَهُ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ مِائَةَ أَلْفِ شَهْرِ رَمَضَانَ، فِيمَا سِوَاهَا، وَكَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ عِتْقَ رَقَبَةٍ، وَكُلِّ لَيْلَةٍ عِتْقَ رَقَبَةٍ، وَكُلِّ يَوْمٍ حِمْلَانَ فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَفِي كُلِّ يَوْمٍ حَسَنَةً، وَفِي كُلِّ لَيْلَةٍ حَسَنَةً" (۱)

”جس نے مکہ مکرمہ میں رمضان کا روزہ رکھا اور حسب سہولت رات میں قیام کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے مکہ سے باہر ایک لاکھ رمضان کے مہینوں کے روزوں سے افضل ہے، ہر دن ایک غلام آزاد کرنے کا اجر، ہر رات ایک غلام آزاد کرنے کا اجر، ہر دن اللہ کے راستے میں گھوڑے صدقہ کرنے کا اجر اور ہر دن اور ہر رات میں نیکی کرنے کا اجر ملے لکھا جائے گا۔“
اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

”وَجَاءَتْ أَحَادِيثُ تَدُلُّ عَلَى تَفْضِيلِ ثَوَابِ الصَّوْمِ وَغَيْرِهِ
مِنَ الْقُرْبَاتِ بِمَكَّةَ إِلَّا أَنَّهَا فِي الثَّبُوتِ لَيْسَتْ كَأَحَادِيثِ
الصَّلَاةِ فِيهَا“ (۲)

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ: پورے حرم شریف کا یہی حکم اور پورا حرم مسجد حرام ہے۔ ”فَإِنَّ الْحَرَمَ كُلَّهُ مَسْجِدٌ“ (۳)

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب صیام شہر رمضان بمکة، حدیث نمبر: ۳۱۱۷

(۲) الدر المختار مع الرد، مطلب فی طواف الزيارة: ۵۲۵/۲

(۳) مسند ابی داود الطیالسی، عبد اللہ بن الزبیر، حدیث نمبر: ۱۴۶۴

فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں اس بات کی وضاحت اور صراحت کی گئی ہے کہ حرم شریف میں ثواب کی زیادتی تمام طاعات سے متعلق ہے، یعنی حرم شریف میں کسی بھی قسم کی عبادات یا نیکی کا کام کیا جائے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے مثلاً حرم شریف میں زکوٰۃ ادا کی گئی تو ایک لاکھ کا ثواب ملے گا۔

بعض احادیث و آثار اور اقوال فقہاء میں اس کے دلائل موجود ہیں۔
 دوچند کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے ملاحظہ ہو۔
 مستدرک حاکم میں ہے:

مَرَضُ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرَضًا شَدِيدًا، فَدَعَا وَلَدَهُ فَجَمَعَهُمْ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ حَجَّ مِنْ مَكَّةَ مَاشِيًا حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى مَكَّةَ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ سَبْعَ مِائَةِ حَسَنَةٍ، كُلُّ حَسَنَةٍ مِثْلُ حَسَنَاتِ الْحَرَمِ قِيلَ: وَمَا حَسَنَاتِ الْحَرَمِ؟ قَالَ: بِكُلِّ حَسَنَةٍ مِائَةُ أَلْفِ حَسَنَةٍ (۱)

وعلی ہامشہ: قال: إسناده ضعيف - قال الذهبي: ليس بصحيح أخشى أن يكون كذبا، قال أبو حاتم في عيسى بن سورة: منكر الحديث -

شعب الایمان میں ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "الصَّلَاةُ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيهَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَالْجُمُعَةُ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ جُمُعَةٍ فِيهَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَشَهْرُ رَمَضَانَ فِي

(۱) المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر: ۱۷۹۲، حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، علامہ ذہبی نے کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيهِ سِوَاهُ إِلَّا

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" (۱)

الغرض حرم میں ہر عمل کا ثواب افضل ہے اور اس کا اجر دو گنا ہو جاتا ہے، اور ایک نیکی کا اجر ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے خواہ وہ نماز ہو یا کوئی اور عمل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور علامہ نووی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں کہیں بھی عبادت کی جاوے وہ افضل ہے لیکن ایسی جگہ عبادت کرنا جس سے ایمان و تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہو وہ افضل و بہتر ہے، جگہ کی اہمیت سے نیکی و گناہ فضیلت و سنگینی بھی بڑھ جاتی ہے:

”وَالصَّلَاةُ وَغَيْرُهَا مِنَ الْقُرْبِ بِمَكَّةَ أَفْضَلُ، وَالْمَجَاوِرَةُ

بِمَكَانٍ يَكْثُرُ فِيهِ إِيمَانُهُ وَتَقْوَاهُ أَفْضَلُ حَيْثُ كَانَ، وَتَضَاعَفَ

السَّئِيَةُ وَالْحَسَنَةُ بِمَكَانٍ أَوْ زَمَانٍ فَاضِلٍ“ (۲)

وقال الحسن البصري رحمہ اللہ: صوم يوم بمكة بمائة ألف وصدقة درهم

بمائة ألف، ومثله لا يقال إلا عن توقيف“ (۳)

پورا حرم یا صرف مسجد حرام؟

علمائے کرام کا اختلاف ہوا ہے اور اس سلسلہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، جن میں سے چند اقوال یہ ہیں:

پہلا قول: مسجد حرام سے مراد: خانہ کعبہ ہے، یعنی: خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی یہ فضیلت ہے۔ (۴) قاضی عز الدین بن جماعة نے فرمایا: یہ فہم سے بعید بات ہے۔ (۵)

(۱) شعب الإیمان للبيهقي، فضل الحج والعمرة، حديث نمبر: ۳۸۵۱

(۲) الاختيارات الفقهية لابن تيمية: ۱۱۳، بحوالہ البلد الحرام فضائل وأحكام: ۳۱

(۳) غنية الناسك: ۱۴۳

(۴) فتاویٰ شامی: ۵۴۷/۳، ذکر یاد یوبند

(۵) البحر العمیق: ۱۵۰

دوسرا قول: پورا حرم اور عرفہ مراد ہے، مگر یہ بھی ناقابل فہم بات ہے۔ (۱)

تیسرا قول: پورا حرم مسجد حرام ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے، علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جزم کیا ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرما کر اسے باقی رکھا ہے (۲) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علامہ بیری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح اشباہ میں فرمایا: ہمارے اصحاب حنفیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ یہ فضیلت پورے مکہ کو عام ہے؛ بلکہ پورے حرم کو شامل ہے جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۳) بعض علماء نے اسی بات کو رائج قرار دیا ہے کہ یہ فضیلت مسجد حرام کے علاوہ سارے حرم کو شامل ہے چنانچہ جلیل القدر تابعی عطاء بن ابی رباح کی جو اپنے دور کے مکہ مکرمہ کے مرجع الخلائق تھے جب آپ سے ربیع ابن صبیح نے پوچھا کہ یہ فضیلت مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے یا سارے حرم کو عام ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ فضیلت عام ہے اور سارا حرم مسجد ہے:

”یا أبا محمد هذا الفضل الذي يذكر في المسجد الحرام

وحده أو في الحرم كله؟ فقال عطاء: بل في الحرم كله فإن

الحرم كله مسجد“ (۴)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو رائج قرار دیا ہے، علماء عرب میں سے شیخ عبد العزیز بن باز کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (۵)

حضرت عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ شاگرد سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ مسجد حرام کی فضیلتیں مسجد حرام کی حدود کے ساتھ خاص ہیں یا مکہ مکرمہ کی تمام مساجد کا

(۱) مجامع المناسک: ۳۸۹

(۲) غنیۃ الناسک قدیم: ۷۶

(۳) شامی: ۴۳۲۲، ۳، ۵۴۷

(۴) مسند الطیالسی: ۱۲۶۴

(۵) زاد المعاد: ۳/۳۰۳، مجموع فتاویٰ بن باز: ۴/۱۳۰، مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: اوجز

المسالك: ۲۰۲، غنیۃ الناسک: ۷۶

یہی ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پورے حرم کا یہی ثواب ہے، کیونکہ پورا حرم مسجد حرام ہے ”بل فی الحرم کله، فان الحرم کله مسجد“ (۱)

اور عقلاً بھی یہی بات درست ہے چونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کعبہ کے چاروں طرف کھلا ہوا صحن تھا جس میں آپ ﷺ اور صحابہ نماز ادا فرماتے تھے بعد میں اس صحن کو عمارت کی شکل دی گئی اور حسب سہولت لوگوں کی آسانی کے لیے اس میں توسیع کی جاتی رہی، اس لیے کسی خاص حصہ کا مسجد حرام ہونا طے نہیں ہے پس سارا حرم مسجد حرام ہے، پس حدود حرم میں کہیں بھی نماز پڑھی جائے، یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

چوتھا قول: مسجد حرام کا وہ حصہ مراد ہے جو مسجد شرعی ہے، جس میں نماز باجماعت ہوتی ہے اور جنبی اور حائضہ وغیرہ کے لیے اس میں داخلہ شرعاً ممنوع ہے، اور مسجد بھر جانے کی صورت میں اسی کے حکم میں وہ حصہ بھی ہوگا جہاں تک لوگوں کی صفیں ہوں، امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع اور تہذیب میں اسی کو جزم کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے ”تحفة المحتاج“ میں اسی کو اختیار فرمایا اور صحیح قرار دیا، محب الدین طبری اور ابن جماعہ نے بھی اسی کو رائج قرار دیا ہے، اور کبیری میں ہے: یہی ہمارے اصحاب کا ظاہر مذہب ہے، ابن الہمام رحمہ اللہ اور شرح منیہ وغیرہ کی عبارات سے بھی یہی ماخوذ ہوتا ہے (۲) اور ”البحر العمیق“ میں ہے: اصحاب حنفیہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اس کے بعد دلیل پیش فرمائی (۳) اور مجامع المناسک میں ہے: ہمارے اصحاب حنفیہ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے اور بعض شوافع نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (۴)

(۱) مسند ابی داؤد طیالسی، عبد اللہ بن زبیر، حدیث نمبر: ۱۴۶۴

(۲) غنیۃ الناسک قدیم: ۷۶

(۳) البحر العمیق: ۱۴۹

(۴) مجامع المناسک: ۳۸۹

اس قول کی تائید میں چند دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں:

- ۱۔ محب الدین طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: حدیث میں مستثنیٰ منہ (مسجد نبوی) سے بالیقین مسجد الجماعۃ مراد ہے، پورا حرم مدنی مراد نہیں ہے، پس مستثنیٰ (مسجد حرام) میں بھی مسجد الجماعۃ ہی مراد ہوگی، پورا حد و حرم مراد نہ ہوگا۔ (۱)
- ۲۔ علماء نے فرمایا کہ یہ فضیلت فرائض کے ساتھ خاص ہے، نوافل کے لیے یہ فضیلت نہیں ہے، نوافل کا گھر ہی میں پڑھنا افضل ہے، پس جب نوافل کے باب میں گھر کا حکم مسجد سے مختلف ہے تو معلوم ہوا کہ اس فضیلت میں پورا حد و حرم شامل نہیں ورنہ نوافل کے باب میں گھر کا حکم مسجد سے مختلف نہ ہوتا۔ (۲)
- ۳۔ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فرمایا: دس ذی الحجہ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز مسجد حرام میں ادا فرمائی یا منیٰ میں؟ اس سلسلہ میں روایات متعارض ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز دونوں میں سے کسی جگہ ضرور پڑھی ہے؛ اس لیے یہ ماننا مناسب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ذی الحجہ کو ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں مسجد حرام میں ادا فرمائی؛ کیوں کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مسجد حرام میں فرائض کا ثواب کئی گنا ہو جاتا ہے۔ (۳) اور ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: دس ذی الحجہ کو ظہر کی نماز مسجد حرام کے بجائے منیٰ میں پڑھنا افضل ہے اگرچہ اس صورت میں اصح قول کے مطابق کئی گنا کا ثواب نہ ملے گا (۴)، علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ اور ابن حجر رحمہ اللہ کی بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو فضیلت آئی ہے وہ پورے حد و حرم کو عام نہیں ہے؛ کیوں کہ منیٰ حد و حرم ہی میں ہے۔

(۱) غنیۃ الناسک قدیم: ۷۶، البحر العمیق: ۱۴۹

(۲) غنیۃ الناسک قدیم: ۷۶، البحر العمیق: ۱۴۹

(۳) فتح القدیر: ۲/۱۸۰، مطبوعہ: مصر

(۴) غنیۃ الناسک قدیم ص: ۷۶

۴۔ شرح المنیہ کے ایک جزئیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ فضیلت پورے حرم کو عام نہیں ہے، وہ جزئیہ یہ ہے: محلہ کی مسجد میں اگر کسی کی جماعت چھوٹ جائے تو اگر کسی دوسری مسجد میں نماز باجماعت مل سکتی ہو تو وہاں چلا جائے، البتہ اگر مسجد حرام یا مسجد نبوی کی جماعت فوت ہو جائے تو وہیں نماز پڑھ لے، جماعت پانے کے لیے کسی دوسری مسجد نہ جائے۔ (۱)

پس معلوم ہوا کہ جمہور احناف کے نزدیک صحیح و رائج یہ ہے کہ یہ فضیلت پورے حدود حرم کو شامل نہیں ہے، صرف مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے جو کعبہ کے ارد گرد ہے اور وہاں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اور وہاں جنبی اور حیض و نفاس والی عورت کے لیے جانا شرعاً منع ہے، اور مسجد بھر جانے کی صورت میں اسی کے حکم میں وہ حصہ بھی ہوگا جہاں تک لوگوں کی صفیں ہوں، اس فضیلت میں پورا حدود حرم شامل نہیں ہے؛ لہذا اگر کوئی شخص مسجد حرام کے علاوہ مکہ مکرمہ کی کسی اور مسجد میں یا گھر میں فرض نماز باجماعت پڑھتا ہے تو اس کا ثواب مسجد حرام کی نماز کے برابر نہ ہوگا اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے علامہ بیری کی شرح اشباہ کے حوالے سے جو قول نقل فرمایا ہے وہ جمہور احناف کے نزدیک محض مشہور ہے، صحیح و رائج اور محقق قول نہیں ہے؛ اسی لیے صاحب غنیۃ الناسک نے اس کی تردید فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: فما فی رد المحتار:

”وذكر البيري في شرح الأشباه أن المشهور من أصحابنا

أن التضعيف يعم جميع مكة بل جميع حرمة الذي يحرم

صيده كما صححه النووي“ ليس كما ينبغي، نعم مضاعفة

الحسنة مطلقاً بألف تعميم الحرم كله الخ (۲)

افضل یہی ہے کہ مسجد حرام کے احاطہ میں نماز ادا کرنے کی کوشش کی جائے چونکہ

(۱) مختصر البحر بحوالہ: غنیۃ الناسک قدیم ص: ۶۷

(۲) غنیۃ الناسک قدیم ص: ۶۷، مستفاد از: دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۵ / ۱۴۰۲ / ۱۴۳۳ھ

جو اطمینان اور خشوع کی کیفیت مسجد کے احاطہ میں حاصل ہوتی ہے وہ اپنی ہوٹل و قیام گاہ میں حاصل نہیں ہوتی، اور جماعت کی کثرت کا ثواب جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

حرم کا گناہ بھی زیادہ سنگین

گناہ تو کہیں بھی کیا جائے گناہ ہی ہے، لیکن اس مقدس سفر اور مقدس مقام پر گناہ کا وبال اور سنگینی بڑھ جاتی ہے، جس طرح حرم کی نیکیوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے ایسے ہی حرم کی معصیت کا وبال بھی بڑھ جاتا ہے، خواہ وہ گناہ تولی ہو یا فعلی:

”وَكُذَّاءُ الْمَعَاصِي تَضَاعَفَ عَلَى مَا رَوَى عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا إِنَّ صَحَّ، وَإِلَّا فَلَا شَكَّ أَنَّهَا فِي حَرَمِ اللَّهِ أَفْحَشُ وَأَغْلَظُ“ (۱)

یہ اکثر اہل علم کے نزدیک ہے۔ لیکن بعض اہل علم حضرات کے نزدیک حرم کی حدود میں گناہ کرنا اگرچہ دوسرے مقامات کے مقابلہ میں زیادہ شدید ہے، مگر اس کی شدت وہاں نیک اعمال کرنے کے تناسب کے برابر نہیں ہے، چنانچہ وہاں ایک گناہ کرنا ایک لاکھ گناہوں کے برابر نہیں ہے۔ (۲)

برائی کے ارادہ پر بھی مواخذہ

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ آلِ يَمٍّ (۳) جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر بے دینی و شرارت کا ارادے کرے تو اسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص مقام عدن میں رہ کر

(۱) غنیۃ الناسک: ۱۴۳: البحر العمیق: ۱/۱۳۵

(۲) عمرہ کے فضائل و احکام: ۱۷۲

(۳) الحج: ۲۵

حرم میں الحاد و ظلم کا اردہ کرے تو اسے بھی دردناک عذاب دیا جائے گا، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حرم کی خصوصیات میں سے ہے کہ حرم میں کسی بدی کا ارادہ کریں تو انہیں سزا ہوگی خواہ اس بدی کا وہ ارتکاب نہ کریں، آیت میں ”الحاد“ سے کیا مراد ہے؟ اس سے متعلق اہل علم حضرات کے مختلف اقوال ہیں: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”حرم میں قسم کھانا الحاد میں داخل ہے“ اور ایک قول آپ کا ہے کہ ”الحاد“ سے مراد کفر و شرک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امیر شخص کا حرم میں آ کر تجارت کرنا الحاد میں داخل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مکہ میں انانج بیچنا الحاد میں داخل ہے۔
حبیب بن ابوثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حرم میں گراں فروشی کے لیے انانج روک لینا الحاد میں داخل ہے۔

بعض اہل علم نے ہر برائی کو الحاد شمار کیا ہے چنانچہ اپنی خادمہ کو گالی دینا بھی ”الحاد“ میں داخل ہے، اسی معنی کے لحاظ سے حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا، حرم کے جانور کا شکار کرنا، یا ممنوعات حرم کا ارتکاب کرنا ”الحاد“ میں داخل ہے۔

یوم عرفہ کس ملک کے اعتبار سے؟

شریعت کے دیگر احکام جس طرح اسی شہر کی تاریخ کے اعتبار سے مانے جاتے ہیں جس شہر میں انسان کا قیام ہوتا ہے اسی طرح اس مسئلہ میں بھی یہی حکم ہے مثلاً عید الفطر، عید الاضحیٰ اور شب قدر ہندوستانی باشندے ہندوستان کے چاند و تاریخ کے اعتبار سے کرتے ہیں، روزے ہندوستانی چاند کے اعتبار سے کرتے ہیں، صوم یوم عاشورہ ہندوستانی تاریخ کے اعتبار سے کرتے ہیں تو یوم عرفہ بھی ہندوستانی تاریخ کے اعتبار سے ہی مانا جائے گا نہ کہ سعودیہ کے چاند کے اعتبار سے، آخر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ دیگر

احکامات میں ہندوستانی تاریخ کے اعتبار سے مانے جائیں اور صرف یوم عرفہ سعودیہ کی تاریخ سے مانا جائے، اگر یہ کہا جائے کہ صوم عرفہ حجاج کے وقوف عرفہ کی نقل میں ہے تو حجاج کا جو یوم عرفہ ہوگا وہی ہمارا صوم عرفہ ہوگا، تو قربانی بھی حجاج کی قربانی کی نقل ہے تو جو ایام حجاج کی قربانی کے ہوں گے وہی ہماری قربانی کے ہونے چاہیں تو قربانی دس ذی الحجہ کے بجائے نو ذی الحجہ سے شروع ہونی چاہیے جبکہ یہ درست نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھ کر روزوں کا اختتام کرو اور اگر تم پر چاند مخفی ہو جائے تو پھر تم شعبان کے ۳۰ دن پورے کرلو۔

صُومُوا لِرِزْقِيَّتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرِزْقِيَّتِهِ، فَإِنْ غَمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا
عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ (۱)

اگر برصغیر کے مسلمان، بغیر چاند دیکھے، سعودی عرب کے مطابق رمضان کے روزے شروع کر دیں اور عید بھی منالیں تو کیا یہ صحیح ہوگا؟

جس طرح نمازوں کے اوقات، تہجد اور سحر و افطار وغیرہ میں ہر ملک کا اپنا وقت معتبر ہے، سعودی عرب کے نمازوں کے اوقات کو ہندوپاک میں نمازوں کے لیے معیار قرار نہیں دیا جاسکتا، اس طرح عید، روزہ اور قربانی میں بھی ہر ملک کی اپنی رویت کا اعتبار ہے، اسی طرح عرفہ کے روزہ کے بارے میں بھی ہر ملک کی اپنی رویت معتبر ہے۔

چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ: آدمی جہاں موجود ہے وہیں کی نو (۹) تاریخ کا اعتبار کیا جائے گا، دوسری جگہ کی تاریخ کا اعتبار نہیں ہے:

”هَذَا إِذَا كَانَتِ الْمَسَافَةُ قَرِيبَةً لَا تَخْتَلِفُ فِيهَا الْمَطَالِعُ، فَأَمَّا إِذَا
كَانَتْ بَعِيدَةً فَلَا يُلْزَمُهُ أَحَدُ الْبُلْدِينَ حَكْمَ الْآخَرِينَ، لِأَمْنِ
مَطَالِعِ الْبِلَادِ عِنْدَ الْمَسَافَةِ الْفَاحِشَةِ تَخْتَلِفُ، فَيَعْتَبَرُ فِي أَهْلِ

کل بلد مطالع بلدہم دون البلد الآخر (۱)
 کچھ لوگوں کا اختلاف ہے کہ موجودہ تیز تر وسائلِ نقل و حرکت اور ذرائعِ ابلاغ کے پیشِ نظر، حجاجِ کرام کے میدانِ عرفات میں ہونے کی خبر لمحہ بہ لمحہ دنیا بھر میں پہنچ رہی ہوتی ہے، لہذا یومِ عرفہ کا روزہ بھی اسی دن رکھا جائے جب حجاجِ کرام، عرفات میں وقوف کرتے ہیں۔

مگر یہ بات چند وجوہ سے محلِ نظر ہے:

(۱) بعض ممالک ایسے بھی ہیں جب سعودیہ میں دن ہوتا ہے تو وہاں رات ہوتی، اگر ان ممالک کے لوگ حجاجِ کرام کے وقوفِ عرفات کے وقت روزہ رکھیں تو گویا وہ لوگ رات کا روزہ رکھیں گے؟ وہ تو محروم ہو گئے روزہ رکھنے اور دو سالوں کے گناہ معاف کرانے سے!

امریکہ جیسے ممالک جن میں حاجیوں کے وقوفِ عرفات کے وقت رات ہوتی ہے، یومِ عرفہ کا روزہ تو ان کے لیے بھی مشروع ہے، یومِ عرفہ سے مراد حاجیوں کا وقوفِ عرفات لینا اس لحاظ سے بالکل غیر منطقی ہے۔

مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا

شدید عذر کے بغیر نمازی کے سامنے سے گزرنا سخت گناہ ہے، البتہ مطاف اس حکم سے مستثنیٰ ہے، خواہ طواف کرنے والا ہو یا نہ ہو، طواف تو نماز ہی کے حکم میں ہے، دیگر افراد کے لیے مسجد حرام میں پائے جانے والے کثیر مجمع کی وجہ سے اس حکم پر عمل دشوار ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ عمل جائز ہے، کیونکہ مطاف میں طواف کرنے والوں کو گزرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، نیز کعبہ کے ارد گرد دائرہ بنا کر لوگ نماز پڑھتے ہیں اور کعبہ کا طواف باجماعت نماز کے علاوہ ہر وقت طواف جاری رہتا ہے، نیز کعبہ میں

(۱) اور کچھ ایسے ممالک بھی ہونگے جہاں سعودیہ سے بھی پہلے چاند نظر آ جاتا، تو کیا وہ لوگ ۱۰ روزہ الحج یعنی عید کے دن عرفہ کا روزہ رکھیں گے؟

ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے، اس لیے ممانعت کی صورت میں لوگوں کو سخت مشکل اور تنگی لازم آتی ہے، اور حرج و تنگی شرعاً مرفوع ہے۔ (۱) چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ”کعبہ کے سامنے لوگوں کا نمازیوں کے سامنے سے گزرنا درست ہے“ اور علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے مقابل نماز ادا فرما رہے تھے اور کوئی سترہ سامنے نہیں تھا پھر بھی لوگ سامنے سے گزر رہے تھے۔ (۲)

نوٹ: لیکن معلوم رہے کہ مطاف میں نمازی کے سجدے کی جگہ سے گزرنے کی اجازت نہیں بلکہ بین یدی المصلی (سجدے کی جگہ سے آگے سے) گزرنے کی اجازت ہے۔

حنفی کا حرم میں نماز وتر دو سلام سے فقہ اکیڈمی کا فیصلہ

بلا و عرب میں عموماً وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کی جاتی ہیں احناف کے لیے بھی ایسے امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرنے کی گنجائش ہے اگر امام وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی دو رکعت کے بعد سلام پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ (۳)

مکہ و مدینہ میں پرندوں کو داندہ ڈالنا

بعض لوگ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کبوتروں اور دوسرے پرندوں کو اناج، چاول، باجر وغیرہ ڈالنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، یہاں تک کہ بہت سے لوگ حج و عمرہ پر جانے والوں کو اس غرض کے لیے رقم فراہم کرتے ہیں، پھر وہاں گلی کوچوں، راستوں اور بازاروں میں اور چلنے والوں کے پیروں کے نیچے اس رزق کے بے حرمتی ہوتی ہے اور چلنے والوں بلکہ بعض اوقات مسجد حرام کے قریب نماز پڑھنے والوں کی روکاؤ

(۱) عمرہ کے فضائل و احکام: ۱۷۵

(۲) رد المحتار: ۵۰۱/۲

(۳) حج و عمرہ موجود حالات کے پس منظر میں ۳۸: ایفا پبلیکیشنز جامعہ گزنی دہلی، رفیق حج و عمرہ: ۵۶

پیدا ہوتی ہے، حتیٰ کہ صفائی کے لیے وہاں جاروب کشوں کو مقرر کرنا پڑتا ہے، اور بعض ناواقف اس کام کی منت اور نذر بھی مانتے ہیں، حالانکہ اگرچہ پرندوں کو کھلانا پلانا باعث اجر و ثواب ہے۔ لیکن اس میں اتنا غلو کرنا جیسا کہ عام لوگوں نے سمجھا ہوا ہے، اور رزق کی بے ادبی کرانا اور دوسروں کو ایذاء تکلیف پہنچانا، درست نہیں، لہذا اس طرح کی بے حرمتی اور غلو سے بچنا چاہیے، البتہ حدود کے اندر رہتے ہوئے ان خرابیوں سے بچ کر پرندوں کے لیے کھانے پینے کی اشیاء ایک طرف ڈالنے میں حرج نہیں بشرطیکہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور رزق کی بے ادبی اور ضیاع نہ ہو اور حد سے تجاوز بھی نہ ہو۔ (۱)

حرم میں چھوڑے جوتوں اور چپلوں کا حکم

جن چپلوں اور جوتوں کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ قیمتی ہیں اس کا مالک اس کی تلاش میں آئیگا، انہیں استعمال کرنا اور اٹھانا درست نہیں اور جو ستے ہوں جن کی تلاش میں مالک نہیں آئیگا، انہیں استعمال کیا جاسکتا ہے:

”نوع لا یطلبہ مالکہ کالنواۃ وقشر الرمان والبطیخ فی

ومواضع متفرقة له أن يأخذ ویتنفع بها“ (۲)



(۱) عمرہ کے فضائل و احکام: ۱۴۷

(۲) فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الفتاویٰ ہندیہ: ۲۱۹/۶

حج کی استطاعت

استطاعت سے کیا مراد ہے؟

ہر انسان کی استطاعت اس کی اپنی حالت کے اعتبار سے ہے مثلاً: مکی کے لیے پیدل چلنے پر قدرت ہونا، بصورتِ عذر سواری سے جانے پر قدرت ہونا، آفاقی کے لیے سواری سے جانے پر قدرت ہونا، خشکی سے سفر ہو تو بس، ٹرین، ہوائی جہاز، سمندری سفر ہو تو پانی کے جہاز سے سفر پر قدرت ہونا، اور جو شخص جس طرح کے کھانے کا عادی ہو اس کے توشہ کا انتظام ہو جانا استطاعت میں داخل ہے پس اگر غیر مستطیع شخص بھی میقات کے اندر داخل ہو گیا تو اس پر حج فرض ہو جائے گا۔

”الاستطاعة وهي القدرة على زاد يليق بحاله“ (۱)

مشتَرکہ خاندان میں حج کی فرضیت؟

اگر خاندانِ مشترک ہے باپ بیٹے ملکر محنت و مزدوری کرنے سے ایک حاجی کا مال جمع ہوا ہے تو جمع شدہ مال باپ کی ملکیت ہوگی اس لیے باپ پر حج فرض ہوگا۔ اور بیٹا باپ کی فیملی میں نہیں ہے، دونوں کا چولہا الگ الگ ہے اور کاروبار مشترک ہے جس کا پٹوارہ نہیں ہوا ہے، تو مال دونوں کے درمیان نصف نصف ہے تو دونوں میں سے کسی پر حج فرض نہ ہوگا۔

البتہ اگر صورت ایسی ہے کہ بیٹا باپ کے ساتھ ملکر رہتا ہے لیکن بیٹے کا کاروبار

خالص ہے باپ کی اس میں شرکت نہیں ہے تو اب بیٹے پر حج فرض ہوگا نہ کہ باپ پر۔ (۲)
حج کا ویزا نہ ملنا مانع وجوب ادا ہے؟

سعودی حکومت کی طرف سے انتظامات کے پیش نظر ہر ملک میں مسلم آبادی کے تناسب سے حج کے لیے ویزوں کا کوٹہ مقرر ہے، اس مقررہ تعداد سے زیادہ ویزے نہیں دیے جاتے، اسی طرح ویزے کے اجراء کے لیے دیگر شرائط بھی لازم کر دی گئی ہیں، جن کو پورا کیے بغیر ویزا ملنا مشکل ہوتا ہے بریں بنا اگر کوئی شخص صاحب استطاعت ہو اور تندرست بھی ہو؛ لیکن کوشش کے باوجود اسے حج کا ویزا نہ مل پائے، تو اس کے حق میں وجوب ادا کی شرط نہیں پائی جائے گی، اور اس بنا پر حج میں تاخیر کا گناہ اسے نہ ہوگا، تاہم اس پر لازم ہے کہ وہ ہر سال ویزے کی کوشش کرتا رہے، اور زندگی سے مایوس ہونے کے وقت اپنی طرف سے حج کی وصیت کرے۔ (۲)

فرض حج ساقط نہ ہوگا

اگر کسی شخص پر حج فرض ہو گیا پھر بھی اس نے حج نہ کیا، پھر حالت بدل گئی، اور وہ تنگدست ہو گیا، تو تنگدست ہو جانے سے حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی، بلکہ علیٰ حالہ برقرار رہے گی، ایسا شخص استطاعت کا انتظار کرے، اگر موت تک استطاعت حاصل ہو جائے، تو حج کر لے، ورنہ موت کے وقت حج بدل کی وصیت کر جائے، پھر تہائی ترکہ سے جہاں سے بھی حج بدل ہو سکتا ہو، وہاں سے اس کی جانب سے حج بدل کر دیا جائے۔ (۳)
اگر یہ شخص ادائے حج کے لیے قرض لینا چاہے تو اجازت ہے بشرطیکہ قرض کی ادائیگی کے اسباب موجود ہوں، ورنہ بہتر ہے کہ قرض نہ لے، کیونکہ خدا نخواستہ اگر قرض ادا کرنے کی فکر میں قرض ادا نہ کر سکے تو حقوق العباد کی پکڑ حقوق اللہ کی پکڑ سے زیادہ سخت ہے۔

(۱) مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ: ۵۲، ۵۱/۱۲

(۲) کتاب النوازل فی الحج: ۳۰۳/۳۰۲

(۳) اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۱۶۰/۷

”لو لم یحج حتی افتقر تقرر وجوبه دینافی ذمته بالاتفاق ولا یسقط عنه بالفقر وسعه ان یتقرض ویحج، إمامان علم أنه لیس له جهة القضاء أصلاً فالأفضل عدم الاستقراض لأن تحمل حقوق الله تعالى أخف من ثقل حقوق العباد“ (۱)

عورت پر حج کب فرض ہے؟

عورت پر حج فرض ہونے کے لیے دیگر تمام شرائط کے ساتھ محرم کا یا شوہر کا ساتھ ہونا بھی شرائط میں داخل ہے، پس استطاعت کے باوجود اگر شوہر یا محرم ساتھ نہیں ہیں تو عورت پر حج فرض نہیں ہے، حریمین کی حاضری کا شوق ہر مسلمان کو ہوتا ہے اور ہونا چاہیے مگر شریعت پر عمل اپنی خواہش سے کئی گنا بڑا ہوا ہے اس لیے عورت جلد بازی نہ کر اور جب تک محرم نہ ملے حج نہ کرے اور اس تاخیر کی وجہ سے عورت کو گناہ بھی نہیں ہوگا۔

”وأما الذی یختص النساء فشرطان أحدهما أن یکون معها زوجها أو محرماً لها فإن لم یوجد أحدهما لا یجب علیها الحج“ (۲)

حج کے لیے شوہر کی اجازت

(۱) عورت کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ حج کر سکے اور کسی محرم کی رفاقت اس کو میسر ہو جائے تو شرعاً عورت پر حج فرض ہے، اس صورت میں اگر شوہر صاحب استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو حج کرنے سے منع کرنا بھی درست نہیں، اور اگر منع کرے تو بیوی پر اس کی اتباع واجب نہیں ”لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق“ اگر عورت شوہر کے منع کرنے پر حج سے رک گئی اور بلا حج

(۱) غنیۃ الناسک: ۳۳، فتاویٰ شامی: ۵۵/۳، البحر العمیق: ۸۸۱/۱

(۲) فتاویٰ شامی: ۲/۲۶۴

کے انتقال ہو گیا تو عند اللہ ماخوذ ہوگی، یہ حکم فرض حج میں ہیں، ہاں نفل حج میں شوہر کے حکم کی اتباع ضروری ہے، عورت کا نفل حج شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے شوہر کا حق نفل حج پر مقدم ہے، اور شوہر کو چاہیے کہ قابل اعتماد محرم سفر کے لیے ساتھ ہو تو بیوی کو فرض حج سے منع نہ کرے، اور ازدواجی زندگی میں دراز پیدا نہ کرے:

”ولو معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة من غير إذن زوجها عندنا..... حتى لو أرادت الخروج إلى حجة التطوع فللزواج أن يمنعها كما في صلوة التطوع وصوم التطوع“ (۱)

(۲) عورت اگر غیر محرم کے ساتھ سفر حج کے لیے تیار ہو جائے تو شوہر کو منع کرنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ فرض حج ہو، البتہ شوہر کے منع کرنے پر عورت پر احرام سے نکلنے کے لئے ہدی کا جانور حرم پہنچا کر قربانی دینا یا اس کے قائم مقام روزے رکھ کر ہی احرام سے نکلنا ہوگا، اسکے بغیر احرام سے نکلنا درست نہیں ہے:

”وإن لم يكن لها محرم فمحصره فله منعها وتحليلها بالهدى“ (۲)

(۳) نفل حج میں شوہر کی اجازت بغیر احرام باندھ لے اور شوہر کو حق ہے کہ منع کر کے احرام سے فوراً نکال دیے، البتہ اس صورت میں عورت پر ایک قربانی اور حج وعمرہ لازم ہے جس کی قضاء بعد میں لازم ہے:

”ومنه منع الزوج زوجته إذا حرمت بنفل أو عمره الخ... ثم عليها هدى الإحصار وحجة وعمره“ (۳)

(۱) بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۴

(۲) غنية الناسك: ۳۱۰

(۳) غنية الناسك: ۳۱۵

محرم یا شوہر کا سفر خرچ

(۱) عورت پر حج فرض ہو جائے اور ساتھ چلنے کے لیے محرم یا شوہر پر حج فرض نہ ہو یا وہ فرض حج کر چکا ہو (لیکن عورت اس کو ساتھ لے جانا چاہتی ہے) تو عورت پر ضروری ہے کہ اپنے ساتھ شوہر کو ساتھ لے جانے کو ترجیح دے اور شوہر کے حج کے اخراجات بھی برداشت کرنا عورت پر ہی فرض ہے اور اگر شوہر یا محرم کے سفر خرچ کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو عورت پر حج فرض نہیں ہے، البتہ شوہر پر بیوی کا نفقہ حسب دستور باقی رہے گا اور وہ حضر کے نفقہ کے حساب سے دیا جائے گا۔ ”ومع زوج أو محرم وجوب النفقة لمحرمها عليها لأنه محبوس عليها“ (۱)

(۲) اگر شوہر یا محرم پر حج فرض ہو چکا ہے کہ وہ بھی صاحب استطاعت ہے تو عورت پر ان کا خرچ لازم نہیں ہے بلکہ ہر ایک اپنا خرچ برداشت کرے۔ ”فأما إذا حج معها من غير اشتراط ذلك فلا يجب“ (۲)

محرم سے مراد؟

(۱) محرمات ابدیہ یعنی وہ محرم رشتہ دار ہیں جن سے کبھی بھی نکاح حلال نہ ہو محرمات وقتیہ جن سے وقتی طور پر نکاح حرام ہو ان کے ساتھ سفر درست نہیں لہذا باپ، بیٹا، پوتا، نواسا، چچا، مامو، وغیرہ کے ساتھ سفر درست ہے، بہنوی، خالو، پھوپھا، وغیرہ کے ساتھ درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ محرمات وقتیہ ہیں جن سے وقتی طور پر نکاح حرام ہے، ہمیشہ کے لیے نہیں، لہذا یہ محرم نہیں بن سکتے اور داماد و سر کے ساتھ سفر درست ہے ”من لا يجوز مناكحته على التأیید بقرباۃ أو رضاع أو مصاہرة“ (۳) یہ بھی اسی وقت ہے جب کہ محرم کی عمر کا تفاوت

(۱) فتاویٰ شامی ۲: ۴۶۴

(۲) غنیۃ الناسک: ۲۷

(۳) فتاویٰ شامی: ۳/ ۴۶۴، مکتبہ زکریا دیوبند

زیادہ ہو اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، عادات و اخلاق قابل اطمینان ہوں، اور اگر محرم کے ساتھ سفر سے فتنہ کے اندیشہ کا قوی امکان ہو تو پھر محرم کے ساتھ سفر کرنا بھی حرام ہے:

”إن المحرم إذا لم يكن مأمونا عليه لم يجز لها أن تسافر معه

وسواء كان المحرم حرا أو عبدا“ (۱)

لہذا جوان ساس کے ساتھ یا جوان سر کے ساتھ سفر حج فتنہ کے خوف کی وجہ سے منع ہے:

”ويؤده كراهة الخلوة بها كالصهرة الشابة فينبغي استثناء

الصهرة الشابة هنا أيضا، لأن السفر كالخلوة“ (۲)

لیکن اگر یہ خوف کا اندیشہ نہیں ہے اور ساس یا خسر جوان بھی نہیں ہیں اور عورت کے پاس محرم کو ساتھ لے جانے کا خرچہ نہیں ہے، ادھر خسر یا داماد بھی سفر حج کے لیے جا رہا ہے ہوں تو عورت اپنے خسر کے ساتھ اور ساس اپنے داماد کے ساتھ سفر حج پر جا سکتے ہیں۔ تاہم فتنہ کا اندیشہ نہ بھی ہو تب بھی تہمت اور وساوس سے بچنے کے لیے خلوت سے بچتے ہوئے الگ الگ رہنا چاہیے۔

والمحرم الزوج، ومن لا يجوز مناكتحتها على التأيد بقربة

أورضاع أو مصاهرة كذا في الخلاصة (۳)

(۲) عورت اگر بلا محرم سفر حج کر لے تو کراہت تحریمی کے ساتھ حج ادا ہو جائے گا مگر گناہ ہوگا، اور عورت پر کوئی جرمانہ لازم نہیں آئے گا، مگر اس گناہ سے توبہ ضروری ہے:

”ولو حجت ملاحرم أو زوج جاز حجها باتفاق ...“

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۱۲۴

(۲) فتاویٰ شامی: ۳/۴۶۴، إعلاء السنن: ۱۰/۱۰

(۳) الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۲۱۹

لكن مع الكراهة التحريمية للنهي“ (۱)
 (۳) خنثی مشکل کا بغیر محرم کے سفر حج کرنا جائز نہیں اگر سفر کر لے تو فرض حج ادا ہو جائے گا:

”والخنثی المشكل يشترط في حقه ما يشترط في حق الأنثى
 احتياطاً“ (۲)

عورت کا بغیر محرم کے سفر حج

اس عنوان سے متعلق دو جزئیہ ہیں، جو ان عورت کا سفر حج بذریعہ ہوائی جہاز بغیر محرم کے درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کے نزدیک ہوائی جہاز کے پر امن محفوظ سفر ہونے کی وجہ سے اس مسئلہ میں اپنے مسلک سے ہٹ کر دوسری رائے ہوئی ہے، دوسرا جزئیہ بوڑھی عورت کا سفر بغیر محرم کے۔

اس سلسلہ میں تو اہل علم کا اتفاق ہے کہ مسلمان قیدی خاتون کفرستان سے دارالاسلام بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے، اسی طرح قافلہ سے بچھڑی ہوئی خاتون کو اگر ثقہ بھروسہ مند انسان مل جائے تو وہ اس کے ساتھ اپنے قافلہ سے مل سکتی ہے، فقہاء کرام کا اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بغیر محرم کے عورت نفل حج یا تجارت یا ملاقات کا سفر نہیں کر سکتی ہے۔

البتہ اختلاف اس سلسلہ میں ہے کہ فرض حج کے سفر میں محرم شرط ہے یا نہیں؟ پہلی رائے یہ ہے کہ اگر محرم نہ ہو تو حج واجب ہی نہیں، امام نخعی، حسن بصری، طاووس، شعبی، ثوری رحمہم اللہ، احناف، حنابلہ، شوافع، کی ایک رائے یہی ہے، دلیل یہ ہے کہ ”لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم“ (۳) دوسری وہ روایت دلیل ہے جو

(۱) فتاویٰ شامی: ۴/۲۶۶

(۲) فتاویٰ شامی: ۳/۵۵۲، البحر العمیق: ۱/۱۰۱

(۳) بخاری شریف، کتاب الصلاة، باب کم یقصر لصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۳۸

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”لایخلون رجل بامرأة ولا تسافرن امرأة إلا ومعها محرم“ تو ایک شخص کھڑے ہو کر پوچھا: یا رسول اللہ! میرا نام فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے، اور میری بیوی حج کے لیے جا رہی ہے، تو آقا علیہ السلام نے فرمایا: ”أذهب فحج مع امرأتك“ (۱)

جب نفل حج بغیر محرم کے درست نہیں تو فرض حج بھی جائز نہیں، اس لیے بھی کہ نفل شروع کرنے کے سے واجب ہو جاتا ہے، ہوائی جہاز میں پیش آنے والے ناگہانی واقعات، اعمال حج کی مخصوص نوعیت کی وجہ سے اگر محرم ہو تب ہی عورت محفوظ رہتی ہے، ورنہ خطرات کا اندیشہ ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ محرم تو شرط نہیں، بھروسہ مندرفقاء سفر ضروری ہیں۔ ”الرفقة المأمونة“ کی اصطلاح آئی ہے، اگرچہ کہ اس کی تشریح میں خود ان کے درمیان اختلاف ہے، یہ قول حضرت عائشہ، ابن عمر، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عطاء بن ابی رباح، محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ، مالکیہ، شوافع، کا مشہور قول یہ ہی ہے، آیات و احادیث کے عموم سے انہوں نے استدلال کیا ہے، کہ صرف زاد و راحلہ کافی ہے، محرم کی شرط عام اسفار کے لیے ہے، سفر حج کے لیے نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات کو عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا۔

حضرت حسن بصری، داؤد ظاہری، ابن حزم اور علامہ بن تیمیہ رحمہم اللہ کے نزدیک نہ محرم شرط ہے نہ بھروسہ مندرفقاء سفر۔

صاف اور صریح احادیث کے مقابلہ میں ان آراء کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کوئی سفر عورت کا بغیر محرم کے درست نہیں، چاہے سفر مختصر ہو یا طویل، چاہے ہوائی جہاز سے ہو یا کسی اور سواری سے، محرم کا مقصد صرف حفاظت نہیں بلکہ قدم قدم پر معاونت، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی میں سہولت، علاج معالجہ میں خدمت اور خود اس کی آبرو کی

حفاظت مقصود ہے۔ (۱)

علماء ہند میں بلند پایہ مصنف مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ اگر زوجین میں آپسی ملاقات کو عرصہ گزر چکا، آمدنی بھی اتنی نہیں ہے کہ شوہر جا کر اپنی بیوی کو لائے، وطن میں ایئر پورٹ تک محرم پہنچا دے، وہاں مکہ مکرمہ جدہ میں شوہر وصول کر لے، قابل اعتماد جماعت ساتھ ہو، غیر مرد سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا شبہ بھی نہ ہو، کوشش کی جائے کہ براہ راست ڈائرکٹ فلائٹ ہو تو خفی عورتیں مالکی، شافعی اور ابن سیرین و حماد علیہم الرحمۃ کی رائے پر عمل کر سکتی ہیں، بعد ملاقات اور طول فراق کی وجہ سے دونوں پریشان ہونے کی شرط بھی آپ نے لگائی ہے۔ (۲)

لیکن اس قول میں برائے ملاقات اور برائے حج کا باہمی امتیاز نہیں کیا گیا، محسوس ہوتا ہے کہ دونوں ہی صورتوں میں مخصوص صورتحال میں خاص شرط کے ساتھ حضرت مفتی صاحب درست سمجھتے ہیں۔

واضح رہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی تھی کہ اگر عورت بغیر محرم کے سفر شرعی کر سکتی ہے جبکہ فتنہ سے مامون و محفوظ ہو۔ (۳)

”أما العجوز التي لا تستهي فلا بأس بمصافحتها، ومس
يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره بها ويخلو إذا من
عليه وعليها، وإلا فلا“ (۴)
فیض الباری میں ہے:

”وفي كتب الحنفية عامة عدم جواز السفر إلا مع محرم. قلت:

(۱) مذاہب اربعہ کے حوالوں اور مفصل تخریجات کے لیے دیکھیے: النوازل فی الحج: ۱۱۱

(۲) انوار مناسک: ۱۸۰

(۳) دیکھیے: العرف الشذی حاشیہ ترمذی

(۴) فتاویٰ شامی: ۶/۳۶۸، ملخص از: امداد الفتاویٰ: ۲/۲۰۱، فتح الملہم: ۳/۶۷۳، کتاب

و يجوز عندي مع غير محرم أيضا بشرط الاعتماد والأمن
من الفتنة. وقد وجدت له مادة كثيرة في الأحاديث أما في
الفقه فهو من مسائل الفتن. (۱)
حاشیہ میں مرتب لکھتے ہیں:

منها أمر النبي ﷺ أبا العاص أن يرسل زينب ﷺ مع رجل
لم يكن لها محرماً، ومجيء عائشة ﷺ في قصة الإفك. (۲)

مفتی محمد رضوان صاحب راولپنڈی نے اپنے علمی و تحقیق رسائل (جلد سوم) ایک
مفصل مضمون ”محرم کے بغیر سفر کا حکم“ تقریباً نوے صفحات پر مشتمل ہے، انہوں نے بھی
مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم کے ذکر کردہ شرائط کے ساتھ استثنائی صورتوں
میں مشروط اجازت دی ہے، روان دینے سے تو تمام اکابر نے منع کیا ہے۔

دوسرا جزئیہ: بوڑھی عورت کیا بلا محرم سفر کر سکتی ہے؟ اس بارے میں معاصر
احناف کے درمیان اختلاف ہے، حضرت اقدس حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مفتی
شبیر احمد قاسمی دامت برکاتہم اور مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم کی
راے یہ ہے کہ عجزوہ بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے، دلیل یہ ہے کہ محرم کی شرط اور مقصد اصلی
اثناء سفر ابتلاء معصیت اور فتنہ سے حفاظت ہے، اس لیے ساٹھ ستر سالہ عورت مستثنیٰ ہوگی،
مگر بوڑھی کمزور عورت کی خدمت و سہولت کے لیے کسی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

مولانا عبدالرحیم لاچپوری، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا یوسف لدھیانوی
اور ماضی قریب کی کثیر التصانیف وسیع النظر شخصیت مولانا ارشاد القاسمی صاحب (استاذ
حدیث و افتاء مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جون پور، یوپی) کی رائے یہ ہے کہ اس کی کوئی
گنجائش نہیں ہے۔

(۱) فیض الباری: ۲/۵۳۴

(۲) حوالہ سابق

احادیث میں کہیں بھی بوڑھی کا استثناء نہیں ہے، متقدمین فقہاء احناف کا اس پر اجماع ہے، فتاویٰ قاضی خان میں ہے: ”واجمعوا علی أن العجوز لا تسافر بغیر محرم“۔

عمدة القاری میں ہے: ”وفیه أن النساء کلھن فی منع المرأة عن السفر الاذی محرم“

مرقاۃ المفاتیح میں ہے۔ ”امراة عجوزة او شابة“ بنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ ”سواء كانت المرأة شابة او عجوزة“ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ ”شابة كانت أو عجوزة“ ابنالھمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ”وإن كانت عجوزة“ البحر الرائق میں ہے۔ ”واطلق فشمّل المشائخ والعجوز لا طلاق النصوص“ طحاوی علی الدر، مجمع الأنهر، محیط برھانی، رد المحتار، شرح مناسک ملا علی قاری، غنیۃ الناسک، میں واضح اور صاف عبارات موجود ہیں۔

ستر سال کی تحدید، غیر مشتبہ ہونے کی تعیین کیسے کی جائے گی، بقول علامہ عینی کے۔ ”لکل ساقطة لاقطة“ پھر اس بیجان انگیز ماحول میں جہاں پانچ سالہ کم سن لڑکیوں کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنایا جا رہا ہو۔

متفقہ فیصلہ سے خروج کے لیے کونسا محرک پیش آیا؟ جب کہ شریعت حکم کو پورا کرنے کا نام ہے، شوق پورا کرنے کا نام نہیں، پھر اتنی کھوسٹ بوڑھی کی خدمت کون کریں گے؟ خواتین یا مرد؟ اتارنا چڑھانا، کیا دیگر خواتین کر سکتی ہیں، طواف، سعی، منی، مزدلفہ میں تعاون کون کرے گا، بہر حال دونوں نقطہ نظر، دلائل پیش خدمت ہیں، فیصلہ فرمائیں۔ واللہ اعلم۔

محرم کا لزوم عورت کے حق میں باعثِ رحمت

الف) عورت پر حج فرض ہونے کے لئے شرط ہے کہ عورت کے ساتھ اسکا کوئی محرم رشتہ دار ہو، اگر محرم رشتہ دار نہ ہو یا ساتھ چلنے کے لئے تیار نہ، یا تیار ہو اور عورت

کے پاس اسے لے جانے کے لئے انتظام نہ ہو تو عورت پر حج فرض نہیں ہے، جب اس صورت میں حج فرض ہی نہیں تو بلا محرم کے حج کرنا جائز نہیں ہے، عبادت شریعت کی اطاعت و اتباع کا نام ہے، اپنی مرضی و خوشی اور اتباع ہوئی کا نام شریعت نہیں ہے، بلا محرم سفر کرنا اتباع شریعت نہیں بلکہ اتباع ہوئی ہے، یہی مفتی بقول ہے۔ ”وینبغي أن يكون الفتوى عليه الفساد الزمان“ (۱)

(ب) نیز حج کے فرض ہونے کے بعد بھی عورت کے لیے محرم کے بغیر اس کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے یہ حکم ہے کہ اگر مرتے دم تک محرم میسر نہ ہو تو وہ مرنے سے پہلے حج کی وصیت کر جائے۔

(ج) حج اور عمرہ انسان عبادت اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کرتا ہے، اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے نافرمانی کر کے اللہ کے رضا اور ثواب کی امید کرنا عبث اور نا سمجھی ہے، نیز شریعت مطہرہ میں عورت کے لیے سفر میں محرم کی شرط اس کی عصمت و ناموس کی حفاظت اور بدگمانی، بدنامی اور تہمت سے بچانے کے لیے ہے، جس کے بغیر عورت کی کوئی قیمت نہیں ہے، اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ شریعت کی احکام کی قدر کریں اور شریعت کو اپنا محسن سمجھیں۔

(د) حج کا سفر عموماً زندگی میں ایک بار ہوتا اور فرض بھی ایک ہی بار ہے، اور مشقت بھر اس سفر ہے، نئی جگہ، ازدحام، ایرپوٹ کے مسائل، قانونی دشواریاں، عرفہ، مزدلفہ، منی، وغیرہ کے انتظامی تعاون کے لئے اگر محرم ساتھ نہ ہوگا تو کس قدر مشقت ہوگی اندازہ کر لیں، فرض حج اگر تجربات کے نذر ہو گیا تو بقیہ جتنے بھی حج کی توفیق مل جائے وہ سب نفل ہی ہونگے۔

مسئلہ کا سیاسی رخ

ہندوستان میں حکومت موجودہ (۲۰۱۹ء) نے بغیر محرم کے سفر کرنے کی اجازت

دے دی ہے، امسال (۱۴۴۰ھ) کے حج میں بڑی تعداد اس طرح خواتین کی جارہی ہے، طلاقِ ثلاثہ وغیرہ کی طرح حکومت کا نشانہ مساواتِ مرد و زن کا ناکام بے جان نعرہ لگانا ہے، شریعت محمدیہ پر حملہ کرنا ہے، کسی مسلک یا کسی شخصیت کی رائے کو اس کے تمام شرائط کے ساتھ قبول کرنا ہرگز حکومت کے سامنے نہیں رہا ہے، لکھتے، بولتے وقت یہ سیاسی رخ بھی اوجھل نہ ہونا چاہیے، مسجد میں خواتین کو مردوں کی صف میں شامل کرنے کی آواز اٹھ چکی ہے۔ ”وما تخفی صدور ہم اکبر“۔

حج بدل کے بعد محرم ملے تو دوبارہ حج فرض ہے

عورت محرم نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرانے میں اس وقت تک انتظار کرے جب تک کہ وہ بڑھاپہ کی وجہ سے سفر سے عاجز نہ ہو جائے ورنہ اگر کوئی عورت محرم نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرادی بعد میں محرم مل گیا تو حج بدل نفل ہو جائے گا اور عورت پر اپنے محرم کے ساتھ فرض ادا کرنا ضروری ہوگا، اور اگر حج بدل کے بعد محرم نہیں ملا تو وہی حج بدل کافی ہوگا۔ (۱)

خادمہ کا حج کفیل کے ساتھ

ابھی یہ بات گزر چکی کہ عورت کا بلا محرم سفر حج ہو جانا ناجائز ہے اور چونکہ خادمہ یہ بھی عورتوں کے زمرہ میں داخل ہے، اس لیے وہ بھی بغیر محرم کے سفر حج پر نہیں جاسکتی اور کفیل چونکہ وہ بھی غیر محرم ہے اس لیے اس کے ساتھ بھی سفر حج پر جانا ناجائز نہیں ہے۔

البتہ صورت حال ایسی ہے کہ خادمہ ایک قبیلہ کے پاس رہ کر کام کرتی ہے جس کا اس قبیلہ کے علاوہ کوئی نہیں، اب یہ قبیلہ حج کے لیے جانے والا ہے اور اس خادمہ کا گھر میں تنہا رہنا خطرہ سے خالی نہیں، نیز کسی کے گھر اس خادمہ کو ٹھہرانا بھی غیر مناسب ہو تو ایسی مجبوری کی صورت میں بڑے مفسدہ سے بچانے کی غرض سے اس خادمہ کو بھی کفیل پورے خاندان کے ساتھ سفر حج پر لے جایا جاسکتا ہے۔ (۲)

عدت کی حالت میں حج کرنا

(۱) میاں بیوی حج کا ارادہ کر لینے کے بعد خدانخواستہ شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت اپنا سفر حج ملتوی کر دے عدت کی حالت میں سفر حج کرنا شرعاً درست نہیں ہے، حج کرنا بھی اللہ ہی کا حکم ہے اور عدت کی حالت میں سفر نہ کرنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس حال میں اللہ کا جو حکم بندہ کو دیا جائے وہ حکم بجالانا ہی اصل بندگی ہے، تاہم اگر سفر کر لے اور حج کے ارکان ادا کر لے تو حج ادا ہو جائے گا اور گناہ لازم آئے گا۔ ”فإن حجت وهي في العدة جازت بالاتفاق

وكانت عاصية“ (۱)

(۲) سفر شروع ہونے کے بعد اگر شوہر کا انتقال ہو جائے جائے انتقال اور وطن کے درمیان مسافت سفر سے کم مدت ہو یا برابر ہو یا زائد ہو واپس وطن آ کر عدت گزارے اور اگر آگے کسی محرم کے ساتھ سفر حج کر لے تو حج ہو جائیگا:

”وإن كان كل واحد من الطرفين سفراً، فإن كانت في المفازة مضت إن شئت أو رجعت بمحرم أو بغير محرم والرجوع أولى“ (۲)

یہی فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ بھی ہے۔

(۳) اگر مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد شوہر کا انتقال ہو تو اعمال حج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، محرم سفر کے لیے شرط ہے اعمال حج کے لیے شرط نہیں:

”ومنها عدم قيام العدة في حق المرأة وفاة كانت أو عدة طلاق... فلا تخرج المرأة إلى الحج في عدة طلاق أو موت“ (۳)

(۱) غنية الناسك: ۲۹

(۲) غنية الناسك: ۳۰

(۳) الفتاوى الهندية: ۲۱۹/۱

دوران سفر اگر طلاق ہو جائے؟

(۱) سفر شروع ہونے کے بعد اگر طلاق رجعی ہو جائے تو عورت کو چاہیے کہ شوہر ہی کے ساتھ رہے خواہ شوہر حج کا سفر مکمل کرے یا واپس آجائے، اور شوہر کے لیے افضل یہی ہے کہ ایسی صورت میں بیوی سے رجوع کر لے:

”فإن لزتها في السفر فإن كان الطلاق رجعيا تبعت زوجها رجوع أو مضى، ولا يفارقها زوجها والأفضل أن يراجعها“ (۱)

(۲) اور اگر طلاق رجعی ہو جائے تو دیکھا جائے کہ وقوع طلاق کے وقت وطن مسافت سفر سے کم ہے تو سفر حج ملتوی کر کے واپس لوٹ کر عدت گزارنا واجب ہے، اور اگر جائے طلاق سے وطن مسافت سفر یا مسافت سفر سے زیادہ ہے تو بھی یہی حکم ہے کہ واپس لوٹ کر عدت گزارے، ساتھ میں اگر دوسرا محرم ہو مثلاً بھائی، باپ وغیرہ تو بھی اولیٰ و افضل یہی ہے کہ واپس آجائے لیکن اگر دوسرے محرم کے ساتھ سفر جاری رکھے تو اس کی بھی گنجائش ہے:

”فإن كان إلى كل من بلدها ومكة أقل من مدة السفر تخير، أو إلى أحدها سفر دون الآخر تعين أن تصير إلى الآخر الخ“ (۲)

حج کے لیے زمین، گھر اور جائیداد فروخت کرنا

(۱) اگر کسی کے پاس اتنی جائیداد زمین وغیرہ ہو کہ اسکا کچھ حصہ فروخت کر کے حج کا سفر کیا جاسکتا ہے اور بقیہ زمین پر واپسی کے بعد گزارا ہو سکتا ہے تو اس پر حج فرض ہے اور اگر اتنی مقدار میں زمین نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے۔

(۱) غنية الناسك: ۲۹

(۲) غنية الناسك: ۲۹

”وإن كان له من الضياع مالم يباع مقداره ما يكفى الزاد

والراحلة يبقى بعد رجوعه من ضيعته قدر ما يعيش بغلته

الباقى افترض عليه الحج والإلا“ (۱)

(۲) اگر کسی کے پاس، حویلی، بگلہ، گھرا تباڑا ہے کہ اسکا کچھ حصہ فروخت کر کے حج کا

سفر کر سکتا ہے تو اس پر مکان کا وہ حصہ فروخت کرنا فرض نہیں ہے، لیکن اگر کچھ

حصہ فروخت کر کے حج کرتا ہے تو فضیلت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔

”ولو كان منزله كبيراً يمكنه الاستغناء والحج بالفاضل

لا يلزمه بيع الفاضل، نعم هو الأفضل“ (۲)

(۳) اگر کسی کے پاس زائد مکان خالی پڑا ہوا ہے اور آمدنی کا ذریعہ دوسرا ہے تو اس

مکان کو فروخت کر کے حج کرنا فرض ہے۔

”وإن كان له مسكن فاضل لا يسكنه.... او حوانيت أو

نحو ذلك مما لا يحتاج إليها يجب بيعها إن كان به وفاء

بالحج“ (۳)

(۴) اگر کسی کے پاس زائد مکان کرایہ پر دیا ہوا ہے جبکہ آمدنی کا ذریعہ بھی وہی ہے تو

اس پر مکان فروخت کر کے حج کرنا فرض نہیں ہے، البتہ اگر زائد مکان، گھر کا

زائد سامان جس کی اس کو فی الفور ضرورت نہیں ہے اور اس مقدار میں ہے کہ اس

کی رقم سے حج ہو سکتا ہے تو اس پر حج فرض ہے۔

”وإن كان له مسكن فاضل لا يسكنه أو عبد لا يستخدمه

أو متاع لا يمتنه.... أو نحو ذلك مما لا يحتاج إليها يجب

(۱) غنية الناسك: ۲۰

(۲) غنية الناسك: ۲۱، فتاویٰ شامی: ۴۶۱/۳، البحر الرائق: ۵۴۹/۲، فتاویٰ ہندیہ: ۲۱۷/۱

(۳) غنية الناسك: ۲۱

بیعہا إن كان وفاء بالحج“ (۱)

(۵) حج کے لیے حوائج اصلیہ جیسے گھر کا ضروری سامان، سواری، کاری گری کے آلات، مطالعہ کی کتابیں، پہننے کے کپڑے، فریج، کولر اگرچہ کتنے ہی قیمتی ہوں، بقدر ضرورت تجارت کا سامان فروخت کرنا ضروری نہیں۔

”ومعنى القدرة على زادوراحلة... فاضلا عن حاجته
الأصلية المذكورة في الزكاة..... وعن نفقة عياله من
تلزمه نفقته“ (۲)

(۶) جو شخص سفر خرچ پر تو قادر ہے مگر اہل و عیال کے نفقہ کا انتظام کرنے پر قادر نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے۔

”إذا قدر و اعلی الزاد و الراحلة فاضلا عن مسكنه و ما لا بد
منه و عن نفقة عياله إلى حين عوده“ (۳)

(۷) جس شخص کے پاس اتنی رقم ہے کہ جس سے حج کا سفر سہولت ہو سکتا ہے مگر اس کو مکان کی تعمیر بھی کرنا ہے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر ایام حج آنے سے قبل گھر کی تعمیر میں وہ رقم خرچ کر دے تو حج فرض نہیں اور اگر ایام حج آگئے اور رقم خرچ نہیں ہوئی ہے تو اس پر حج فرض ہے، اور اگر تھوڑی رقم خرچ ہوگئی اور تھوڑی باقی ہے تو بھی حج فرض نہیں ہے۔

”ومن لا مسكن له ولا خادم وهو محتاج إليهما وله مال يكفيه
لقوت عياله من وقت ذهابه إلى حين إيباه وله مال يبلغه
فليس له صرفه إليهما إن حضر وقت خروج أهل بلده الخ“ (۴)

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۹۸، غنیۃ الناسک: ۲۱، فتاویٰ خانیہ: ۱/۲۸۲

(۲) مجمع الأنهر: ۱/۳۸۶

(۳) الباب فی شرح الكتاب: ۱/۸۹

(۴) فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۱۷، غنیۃ الناسک: ۲۰، بدائع الصنائع: ۲/۲۹۶

حج کے لیے سامان تجارت (دکان) فروخت کرنا

اگر کسی کے پاس دوکان پر اتنا سامان ہے جس کو فروخت کرنے سے حج کا سفر بے سہولت ممکن ہے مگر ذریعہ معاش بھی وہی دوکان ہے تو اس پر حج اس وقت فرض ہوگا جبکہ آدھا سامان یا کچھ سامان فروخت کر دینے کے بعد بھی اتنی تجارت باقی رہ سکتی ہے کہ جس سے گزارا چل سکے تو زائد سامان فروخت کر کے حج کرنا فرض ہے اور اگر سامان تجارت ہی اتنا ہے کہ اسے فروخت کر دینے پر گزارا مشکل ہے تو حج فرض نہیں ہے۔

”وَإِنْ كَانَ لَهُ مِنَ الضِّيَاعِ مَالٌ بِأَقْدَارٍ مَا يَكْفِي الزَّادَ

وَالرَّاحِلَةَ يَبْقَى بَعْدَ رَجُوعِهِ مِنْ ضَيْعَتِهِ قَدْرٌ مَا يَعِيشُ بِغَلَّتِهِ

الْبَاقِي افْتَرَضَ عَلَيْهِ الْحَجُّ إِلَّا لَا“ (۱)

حاجت اصلیہ میں مال خرچ کرے یا حج کرے؟

حج کے بقدر مال ہے مگر کار خریدنا چاہتا ہے یا گھر کے لیے جزیئر خریدنا چاہتا ہے، یا دوسری کوئی ضرورت پوری کرنا ہو تو ایام حج سے پہلے اگر وہ رقم خرچ کر دے تو درست ہے لیکن اگر ایام حج آگئے تو حج کرنا ہی فرض ہے۔

”وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مَوْجُودَةً عِنْدَهُ وَهُوَ مُحْتَاجٌ إِلَيْهَا يَقْدُمُ الْحَجُّ

عَلَيْهَا إِنْ حَضَرَتْ وَقْتُ خُرُوجِ أَهْلِ بَلَدِهِ فَلَا يَصْرِفُ الْمَالَ

إِلَيْهَا، بَلْ يَحْجُجُ بِهِ“ (۲)

زیورات فروخت کر کے حج کرنا

جس عورت کے پاس اس قدر سونا، چاندی ہے کہ جسے فروخت کرنے پر اپنے اور محرم کے مصارف حج کے لیے کافی تو ہو جاتے ہیں اس عورت پر حج فرض ہے۔ (۳)

(۱) غنیۃ الناسک: ۲۰

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۲۹۸، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۱۷، البحر الرائق: ۲/۵۴۹

(۳) احسن الفتاویٰ: ۴/۵۲۶، کتاب المسائل: ۳/۲۸۸

حج میں تاخیر کرنے کا گناہ

(۱) حج کے تمام شرائط و اسباب پائے جانے کے باوجود بلاعذر حج میں تاخیر کرنا فسق میں داخل ہے، ایسا شخص مردود الشہادہ ہے، اور اگلے سال موقع نہ مل سکا کہ مال ختم ہو گیا یا خود چل بسا تو گناہ گار ہو کر مرے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ حدیث کی رو سے ایسا شخص یہودی یا نصرانی بن کر مرے۔

”مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً ثَبَّلَعَهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَلَمْ يَحِجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا“ (۱)

(۲) یاد رہے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور موت کا کسی عمر سے رشتہ نہیں، اگر اگلے سال زندگی باقی بھی رہی تو کمزوریوں اور بیماریوں سے دوچار ہو جاتا ہے جس سے اتنا لمبا سفر شوق و ذوق سے خالی اور ارکان کی ادائیگی میں بہت کوتاہی ہو جاتی ہے، اس لیے فوری حج کرنا شرعی وجوب کے علاوہ ایک فطری امر بھی ہے۔

(۳) اور حدیث میں یہودی یا عیسائی بن کر مرنے کی وعید اس وجہ سے ہے کہ ان دنوں مذاہب میں عبادت حج کی کوئی اہمیت نہیں ہے ان کی اپنی مرضی ہی عبادت ہے، گویا جو شخص وسعت کے باوجود حج نہ کرے اس کے نزدیک بھی ان لوگوں کی طرح عبادت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اور ان کی طرح سرکشی کرنے والا شمار ہوگا۔

والدین و بیوی کے علاج کے لیے تاخیر کرنا

(۱) کسی شخص کے پاس موجود رقم سے یا توجج ہو سکتا ہے یا علاج ہو سکتا ہے اور والدین کی تیمارداری کے لئے اس شخص کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے تو رقم علاج میں خرچ کر دے اور اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا، (خواہ بعد میں ایام حج آنے سے قبل خود انتقال ہو جائے، ہاں کچھ مال چھوڑ کر گیا ہو تو حج بدل تہائی مال میں سے وصیت پر کروانا واجب ہے) البتہ بعد میں استطاعت ہو جائے تو حج فرض ہے۔

”ومرض الوالد والوالدة يكون عذرا إذا احتاج إليه“ (۱)

(۲) بیوی اگر بیمار ہو شوہر تمام اخراجات کا انتظام کر کے تیمارداری کے لیے اس کے اہل خانہ کو ذمہ داری دے کر چلے جانا واجب ہے ”من عليه الحج ومرضت زوجته لا يكون عذرا في التخلف عن الحج“ (۲)

اولاد کی پرورش کے لیے تاخیر کرنا

کسی عورت کے چھوٹے بچے ہوں اور کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو تو یہ عورت استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر کر سکتی ہے۔

”والولد المحتاج الصغير المحتاج إليه عذر في التخلف

مریضا كان أو لم يكن“ (۳)

مرض کی وجہ سے حج میں تاخیر کرنا

(۱) اگر کسی شخص کو دائمی نزلہ، زکام، دمہ، سردی کا مریض، گرمی کا مریض، ہائی بلڈ پریشر، شوگر، بی پی، وغیرہ جیسے امراض ہوں تو یہ سفر حج میں تاخیر کا عذر نہیں بن سکتے بلکہ مناسب اسباب و دوائی کا انتظام کر کے اپنا فریضہ حج ادا کرنا فرض ہے۔

”يمشي قليلا فيضيق نفسه فيحتاج إلى الاستراحة ثم يمشي

قليلا فلا يقدر إلا بعد استراحة هكذا وله زاد وراحلة لا

يجوز له تأخير الحج، وكذا إذا كان يضره الهواء الباردة

ويجمد بلغمه ويضيق نفسه“ (۴)

(۲) جو شخص ہارٹ کا مریض ہو تو سفر حج کے تمام انتظامات کے باوجود مرض اگر خطرہ کا

(۱) إعلاء السنن: ۱۰/۷

(۲) إعلاء السنن: ۱۰/۷

(۳) غنية الناسك: ۱۲

(۴) غنية الناسك: ۱۲

سبب بن سکتا ہو تو حج میں تاخیر کی اجازت ہے، اگر موت تک صحت نہ ملی تو وصیت کرنا لازم ہے۔ ”أما إذا كان غالب ظنه الموت إما بسبب الدم أو المرض

فإنه يتضييق عليه الوجوب إجماعاً“ (۱)

والدین کو حج کروانے میں تاخیر کرنا

اگر کوئی شخص صاحب استطاعت ہے اور وہ فرض حج کر چکا ہے تو چاہیے کہ دوبارہ نفل حج کرنے کے بجائے والدین کو حج کروائے، اس میں ایک فائدہ یہ ہوگا کہ والدین پر اگر پہلے حج فرض تھا اور وہ اولاد کی پڑھائی کی خاطر، شادی کے اخراجات کی وجہ سے، یا بے علمی کی وجہ سے حج نہ کر سکے اور اب مال ختم ہو گیا تو جو گناہ حج نہ کرنے کا ان کو ہوگا اس سے بچ جائیں گے اور اگر پہلے سے ان پر حج فرض نہیں تھا تو اخلاقاً والدین کو حج کروانے میں زیادہ فائدہ ہے ان کی دعائیں ملیں گی، ان کی رضامندی حاصل ہوگی اور حج کروانے کا ثواب علیحدہ رہا، لیکن اگر استطاعت کے باوجود خود حج نہیں کیا اور اپنے مال سے پہلے والدین کو حج کروانا چاہتا ہے اس کے بعد جب مال آئے گا تو خود حج کر لے گا تو یہ صورت درست نہیں ہے، جو صاحب استطاعت ہوا ہے پہلے اسی پر حج فرض ہے۔

مکان خریدنے یا تعمیر کرنے کے لیے تاخیر کرنا

اگر کسی کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ اس سے حج ہو سکتا ہے مگر رہائش کا مکان نہیں ہے تو ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر ایام حج آگئے ہوں اور رقم رکھی ہوئی ہے تو حج کرنا فرض ہے اور اگر ایام حج آنے سے قبل اس نے مکان خرید لیا یا تعمیر کر لیا تو اس طرح کرنا بلا کراہت جائز ہے، دوبارہ استطاعت کے بعد حج ادا کر لے ”أما قبله فيشتري به

ما شاء لأنه قبل الوجوب“ (۲)

(۱) غنية الناسك: ۱۱

(۲) فتاویٰ شامی: ۳/۶۱۱

خود کی شادی کے لیے حج میں تاخیر کرنا

- (۱) صاحب استطاعت جو ان شخص شہوت پر کٹر ول کر سکتا ہے، حج کے ایام آنے سے قبل شادی کر لیا تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر ایام حج آچکے ہوں تو حج کرنا واجب ہے۔

”معہ ألف وخاف العزوبة إن كان قبل خروج أهل بلده“

فله التزوج ولو وقتہ لزمہ الحج“ (۱)

- (۲) صاحب استطاعت جو ان شخص شہوت پر قابو نہیں رکھ سکتا ہو اور گناہ میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو موجودہ رقم سے شادی کر کے اپنے آپ کو گناہ سے بچانا بلا کراہت جائز ہے۔ ”لان فی ترکہ امرین ترک الفرض والوقوع فی الزنا“ (۲)

اولاد کی شادی کے لیے حج میں تاخیر کرنا

- (۱) اولاد کی شادی شرعاً کوئی عذر نہیں ہے، اور بلا عذر حج میں تاخیر کرنے والے شخص کی گواہی مردود ہے اور شرعاً ایسا شخص فاسق کہلاتا ہے، اور آج کی اکثر شادیاں خلاف شرع ہی ہوتی ہیں (الا ما شاء اللہ) جو شخص صاحب استطاعت ہو جانے کے بعد بچوں کی شادی، بچیوں کی شادی کے بہانے حج کے ایام آ جانے کے بعد بھی تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔ ”فیفسق وترد شہادۃ بالتأخیر عن العام الأول بلا عذر“ (۳)

- (۲) ”لڑکی کی شادی سے پہلے حج فرض نہیں ہوتا“... ”شادی کے لیے رقم الگ کرنے کے بعد بقیہ رقم سے حج فرض ہوتا ہے“.. وغیرہ جملے بالکل غلط ہیں،

(۱) فتاویٰ شامی: ۳/۶۱

(۲) فتاویٰ شامی: ۳/۶۱

(۳) فتاویٰ شامی: ۳/۵۴

شادی کے لیے مناسب رشتہ مل گیا اور ایام حج سے پہلے اس شخص نے اولاد کی شادی کر کے رقم خرچ کر دیا تو بلا کراہت جائز ہے، لیکن مناسب رشتہ نہیں ملا، یا ملا مگر ایام حج آگئے اب شادی کی وجہ سے حج میں تاخیر درست نہیں ہے، جب اپنی شادی کی وجہ سے حج میں تاخیر درست نہیں ہے تو دوسروں کی شادی کی وجہ سے حج میں تاخیر بدرجہ اولیٰ درست نہیں ہے۔ ”و مقتضاه تقدیم الحج

على التزوج وإن كان واجبا عند التوقان“ (۱)

بیوی کو ساتھ لیجانے کے لیے حج میں تاخیر کرنا

جو شخص صاحب استطاعت ہو جائے اس پر حج فرض ہو جاتا ہے خواہ وہ شوہر ہو یا بیوی، (البتہ بیوی کے لیے محرم کا ہونا بھی شرط ہے) شوہر صاحب استطاعت ہو جانے کے بعد بیوی کی استطاعت کے انتظار میں تاخیر کرنا درست نہیں ہے، بیوی کو ساتھ لیے جانا شرعاً نہ فرض ہے اور نہ ہی واجب و سنت ہے، اور بیوی کو بھی اس مسئلہ میں اپنے شوہر کو گناہ میں مبتلا ہونے سے بچانا چاہیے بعض مرتبہ عورتیں خود کہتی ہیں ہم ساتھ چلیں گے، ہم نہیں جانتے کہ آنے والے سال تقدیر کا کس کے ساتھ کیا فیصلہ ہوگا۔

”والحج مطلقا هو الفرض فإذا أخره إلى العام الثاني بلا

عذریا ثم لترك الواجب“ (۲)

ناپینا شخص پر حج

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ناپینا شخص پر حج فرض نہیں ہے، امام صاحبین یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اس پر حج بدل کرانا فرض ہے، پھر عذر زائل ہو گیا، تو دوبارہ خود حج کرے، یہ دونوں قول صحیح ہیں، اول اگرچہ اوسع ہے مگر ثانی احوط ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر مشائخ کا مختار بھی ہے، لہذا ناپینا شخص اپنا یعنی حج بدل کرانے

(۱) فتاویٰ شامی: ۴/۶۱، البحر العمیق: ۱/۳۸۱، فتح القدیر: ۲/۳۱۳

(۲) غنیۃ الناسک: ۱۱

کی صورت ممکن ہو، تو اس پر عمل کرنا لازم ہے، یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ مانع سے قبل حج فرض نہ ہوا ہو، اور اگر پہلے سے فرض تھا، اس کے بعد عاجز ہو گیا تو بالاتفاق حج بدل فرض ہے۔ (۱)

سببی سے حج

گورنمنٹ آف انڈیا حج کمیٹی کے ذریعہ عازمین حج کو سببی دی جاتی ہے جس میں دو تہائی حصہ معاف کر کے ایک تہائی حصہ کرایہ لیتی ہے، مثلاً ۳۶ ہزار کرایہ ہے تو ۱۲ ہزار لیتی ہے، اس سببی کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ:

(۱) حاجیوں کو لیجانے والی انٹر لائنز گورنمنٹ کی بھی اور کرایہ وصول کرنے والے کو کرایہ دار سے کرایہ کم کرنے اور معاف کرنے کا اختیار ہے۔

(۲) گورنمنٹ کی بیشتر آمدنی حلال ہے جیسے قدرتی وسائل کی فروخت، عوامی سہولتوں کے عوض ٹیکس، وغیرہ اور حلال تعاون لینے میں حرج نہیں۔

(۳) عبادت میں غیر مسلم کا تعاون لینا درست ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے غسل کے لیے غیر مسلم عورت سے پانی لیا (۲) حج کو جہاد کہا گیا ہے اور غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ کے تیس سے چالیس زرہیں لی گئی، غزوہ خیبر میں دس یہودیوں سے مدد لی اور انہیں مال غنیمت میں حصہ دیا (۳) جب غیر مسلم کا تعاون درست ہے تو وہ حکومت جس میں مسلمان اور غیر مسلم مشترک ہیں کا تعاون بدرجہ اولیٰ درست ہے۔

(۴) غیر مسلموں کا مال وقف مساجد پر لگانا بالاتفاق درست ہے البتہ احناف کے نزدیک اس صورت میں درست ہے جبکہ غیر مسلم بھی اسے کار خیر سمجھتا ہو:

(۱) حوالہ سابق: ۹/۱۳۲

(۲) صحیح بخاری، کتاب التیمم، حدیث نمبر: ۳۳

(۳) موطا امام مالک، حدیث نمبر: ۱۱۷

”إن شرط وقف الذمی أن یکون قرۃ عندنا وعندهم

کالوقف علی الفقراء او علی مسجد القدس“ (۱)

(۵) حکومت کا معذوروں، صحافیوں، طلبہ، سن رسیدہ لوگ، گورنمنٹ ملازمین وغیرہ سہولت حاصل کرنا جس طرح درست ہے اسی طرح عازمین حج کو سبسیڈی کی سہولت حاصل کرنا درست ہے۔

(۶) سبسیڈی کے لیے جھوٹ بولنا یا جھوٹی قسم کھانا درست نہیں ہے۔ (۲)

الغرض حکومت کی طرف سے حاجیوں کو سبسیڈی ملتی ہے وہ ایک تعاون ہے، اس کے لینے میں کوئی قباحت اور کراہیت نہیں، بلکہ بلاشبہ جائز ہے۔ (۳)

(۷) اگر کوئی شخص سفر حج کا خرچ پیش کرے یا آمد رفت کا انتظام کر دے تو اس سے حج فرض نہیں ہوگا، اور نہ ہی ایسی پیش کش قبول کرنا فرض ہے۔

”ولا تثبت الاستطاعة بالعاریة والإباحة، فلو بذل الابن

لأبيه الطاعة وأباح له الزاد والراحلة لا یجب علیه الحج،

وكذا لو وهب ما لا یحج به لا یجب علیه قبوله“ (۴)

بینک سے لون لے کر حج کرنا

بینک سے لون لے کر خوب استغفار کریں، سود دینے کا گناہ تو ہے ہی لیکن حج کرنے سے فریضہ حج تو ادا ہو جائے گا؛ لیکن حج مقبول کا ثواب نہیں ملے گا۔ (۵)

(۱) ردالمحتار: ۶/۴۱۰، الفقه الاسلامی وأدلته: ۸/۹۸

(۲) ملخص از: کتاب الفتاوی: ۸/۳۸۰

(۳) مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۲۲۵، فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/۱۰۰، کتاب الفتاوی: ۴/۱۱۰، کتاب النوازل:

۲۸۳/۷

(۴) فتاویٰ شامی: ۳/۵۸، البحر الرائق: ۲/۵۴۸، غنیۃ الناسک: ۲۱

(۵) مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/۹۳

مقروض کے حج کا حکم

اگر صاحب استطاعت یا مالدار آدمی محض اپنے کاروباری لین دین کی وجہ سے مقروض ہے اور اس کے پاس اس قرض کو اتارنے کے دیگر ذرائع موجود ہیں، ورثہ ملکیت زمین یا کاروباری سامان اتنا ہے جس سے اس کا قرض اتارا جاسکتا ہے تو اس پر حج کے لیے ضروری مال مہیا ہونے کی صورت میں حج کرنا فرض ہے۔

اور اگر اس کے پاس بظاہر قرض اتارنے کا کوئی دوسرا ذریعہ موجود نہیں ہے کہ جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے لیکن حج کی استطاعت موجود ہے تو پہلے قرض اتارے پھر دوبارہ مال جمع ہونے پر حج کرے۔ البتہ اگر کوئی دوسرا شخص اسے اپنی طرف سے حج پر بھیجنا چاہے تو اس کے لیے حج کرنا درست ہوگا۔ (۱)

فکس ڈپازٹ کی رقم سے حج

اگر کوئی شخص اپنی کچھ رقم ڈاکخانہ یا بینک میں فکس ڈپازٹ کے طور پر رکھے اور چند سالوں کے بعد وہ رقم ڈبل ہو جائے، تو جتنی رقم اس نے جمع کی تھی وہ اتنی ہی رقم کا حقدار ہے اور اس کے لیے اس کا استعمال جائز ہے۔

البتہ جو رقم زائد ملے اس کا استعمال اپنے کسی مصرف میں جائز نہیں، چہ جائیکہ حج جیسے مقدس فرض کی انجام دہی میں ہو، کیونکہ یہ تو گناہ بالائے گناہ ہے۔ (۲)

قانون کی خلاف ورزی کر کے حج کرنا

حج کے دنوں میں سعودی گورنمنٹ وہاں کام کرنے والوں کو حج کرنے کی اجازت اسی صورت میں دیتی ہے، جبکہ وہ کسی حج گروپ کے ساتھ تاشیرہ (Visa) بنوالے، جس کی فیس بہت بھاری ہوتی ہے، لیکن زیادہ تر لوگ ٹیکسی ڈرائیور یا دوسری پرائیویٹ کار کے ڈرائیور کے ساتھ 150 / 200، ریال میں معاملہ طے کر لیتے ہیں

(۱) مسنون حج و عمرہ: ۳۶-۳۷

(۲) اہم مسائل جن میں ابتلا عام ہے: ۱۲۱/۲

اور یہ ٹیکسی ڈرائیور ان کو کسی ایسے راستے سے جہاں چیک پوسٹ نہ ہو، یا ہو مگر ان کے ساتھ ان کی جان پہچان ہے، یا لین دین طے کر کے ان لوگوں کو مکہ مکرمہ پہنچا دیتے ہیں، جو قانونی جرم ہے، اس طرح حج عمرہ ادا تو ہو جائے گا، مگر ملکی قانون کی خلاف ورزی کرنے کا گناہ لازم ہوگا کیوں کہ حاکم کے ایسے حکم کی اطاعت لازم ہے، جس سے حاکم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو۔

ولدیت اور سکونت غلط لکھوا کر حج پر جانا

اگر کوئی شخص اپنے صوبہ کا حج کوٹہ ختم ہو جانے کی وجہ سے دوسرے صوبہ سے اپنا نام، ولدیت اور سکونت غلط لکھوا کر حج کو جانا چاہے، تو اس کا یہ عمل جائز نہیں ہے، تاہم اگر اس طرح حج کر لیا تو حج ہو جائے گا، البتہ جھوٹ بیانی کا گناہ لازم آئے گا۔

میراث میں بہنوں کا حصہ نہ دے کر حج کرنا

میراث میں بہنوں کا حصہ روک لینا اور نہ دنیا ناجائز و حرام ہے، اب ایسا شخص اگر انہیں پیسوں سے حج کرنا چاہے اور ان پیسوں کو سفر حج میں خرچ بھی کرے، تو چونکہ یہ غضب کا پیسہ ہوگا اور غضب کے پیسے سے حج کرنے سے حج مقبول نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر اس کے پاس اپنی ذاتی رقم بھی اتنی ہے کہ جس سے وہ حج کر سکتا ہے بہنوں کا کوئی پیسہ سفر حج میں خرچ نہیں کرتا تو اس کا حج صحیح ہو جائے گا، اور بہنوں کا حق اس پر باقی رہے گا، جس کا ادا کرنا اس کے اوپر لازم ہے۔ (۱)

کیا حج کے لیے رشوت دے سکتے ہیں؟

اگر کسی شخص پر حج فرض ہو چکا ہے اور اس نے اس فرض کی ادائیگی کے لیے حج کمیٹی میں درخواست بھی دے رکھی تھی، مگر جب حج کمیٹی نے قرعہ اندازی کی اور ناموں کا اعلان کیا تو اس میں اس کا نام نہیں نکلا، لیکن اگر یہ شخص دس ہزار روپیہ بطور رشوت دیدے تو اس سال کے جانے کا انتظام ہو سکتا ہے تو اس کے لیے یہ زائد رقم بطور رشوت کا یہ لین

دین کسی بھی قیمت پر جائز نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ جو شخص تندرست اور صاحب حیثیت ہے وہ آئندہ جاسکتے ہیں، بظاہر جلد بازی کی انہیں کوئی ضرورت نہیں۔

ہاں ایسا ضعیف آدمی جو اگلے سال تک اور کمزور ہو جائے گا، یا یہ اندیشہ ہو کہ آئندہ رقم خرچ ہو جائے گی یا کم ہو جائے کہ جانا ہی ممکن نہ رہے تو اس کے لیے رشوت دیکر اپنے نام کو داخل کرانے کی گنجائش ہو سکتی ہے مگر رشوت لینے والے کے لیے ہر حال میں رشوت لینا حرام ہے۔ (۱)

اجازت حج کو بیچنا

جس شخص کو حج کا پریشن دیا گیا ہو اور وہ شخص کسی وجہ سے حج پر نہ جاسکے یا نہ جانا چاہے تو یہ شخص اپنا ویزا کسی دوسرے ایسے شخص کو جسے حکومت کی طرف سے اجازت نہ ملی ہو بیچنا جائز نہیں ہے، دھوکہ خیانت کے ساتھ ساتھ انتظامی امر کو ختم کرنا ہے اور رعایا کو حکومت کے خلافت بغاوت پڑکھڑے کرنے کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے حکومت اور قوم کے سربراہ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ

مِنْكُمْ (۲)

مکی حج تمتع کرنا

جو لوگ مکہ کے اصلا رہنے والے ہیں یا وہاں مقیم ہیں اصلاً ان کے لیے تمتع نہیں ہے، اس لیے انہیں اشہر حج میں عمرہ نہیں کرنا ہے وہ شخص جس پر اس سال حج فرض ہے اور وہ اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اشہر حج میں میقات کے باہر جانے پر مجبور ہے تو وہ تجویز پر عمل کرتے ہوئے میقات سے اندر داخل ہوتے ہوئے احرام نہ باندھے اور عمرہ نہیں کرے (مکہ مکرمہ میں مقیم سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشہر حج کے شروع ہونے

(۱) اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۱۱۹

(۲) سورة النساء، ۵۹، مستفاد النوازل فی الحج ۵۵-۵۳

سے قبل صحیح طریقہ سے مکہ میں آ کر مقیم ہو گئے یا کم از کم ایک سال سے وہاں اقامت

پذیر ہیں۔ (۱)

آفاقی متمتع کا ایک سے زائد عمرہ کرنا

تمتع کرنے والے آفاقی حجاج حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتے

ہیں۔ (۲)

سعودی ملازم کا بلا اجازت حج

دنیا بھر سے لاکھوں حجاج موسم حج میں مکہ پہنچتے ہیں اور مناسک حج ادا کرتے ہیں: (الف) حج کے جملہ انتظامات کی ذمہ داری حکومت سعودیہ پر ہے، حج ایک اجتماعی عبادت ہے اس کو نظم و ضبط کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے، لاکھوں انسانوں کے قیام و سفر، ان کی صحت، جان و مال کا تحفظ و ضبط کے بغیر ممکن نہیں ہے، ایسے حالات میں حکومت سعودیہ بہت سی انتظامی پابندیاں عائد کرتی ہے جس سے حاجیوں کی تعداد اتنی رکھی جاسکے جس کا انتظام بہتر طور پر ہو سکے حکومت سعودیہ کے انتظامی احکامات کی پابندی تمام ہی لوگوں پر ضروری ہے، یہ امر بالمعروف ہے جس کی اطاعت لازم ہے لہذا حکومت سعودیہ کے احکام و ضوابط کے مطابق سعودیہ میں مقیم مسلمانوں کو اگر ہر سال حج کرنے سے منع کیا جائے تو اس کی پابندی ضروری ہے۔

(ب) اگر کوئی شخص ان پابندیوں کی مخالفت کرتے ہوئے بھی احرام حج باندھ کر میقات سے آگے بڑھ جائے اور پھر پکڑا جائے اور اسے انتظامیہ واپس کر دے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو شرعاً محصر عن الحج کا ہے یعنی اسے حرم میں ایک دم دینا واجب ہوگا اور جس تاریخ اور جس وقت پر حرم میں اس کی طرف سے دم احصار ادا کیا جائے گا

(۱) حج و عمرہ موجود حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

(۲) حج و عمرہ موجود حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

اس وقت وہ احرام کی پابندیوں سے باہر آ سکے گا۔ (۱)

حج بدل میں حج تمتع

اگر اصطلاح شرع کے مطابق واقعی حج بدل ہو تو اس صورت میں عام اصول کے مطابق حج افراد ادا کیا جانا چاہیے لیکن حج بدل کرنے والے کو چاہیے کہ حج بدل کرانے والے کو مسئلہ سمجھا کر اس سے حج تمتع یا مطلق حج کی اجازت حاصل کر لے اگر کسی وجہ سے اس نے اس کے لیے اجازت نہیں لی تو چونکہ عام طور سے حج تمتع کیا جاتا ہے، اور خود حج کرانے والا اگر حج کرتا تو سہولت کی بنیاد پر حج تمتع کرتا، لہذا عرف و عادت کے پیش نظر مامور کے لیے حج تمتع کی اجازت ہوگی، اس صورت میں میقات سے عمرہ کا احرام بھی آمر کی طرف سے کرنا ہوگا اور اس صورت میں دم شکر بھی آمر کے خرچ سے ادا کیا جائے گا۔ (۲)

عمرہ کا ویزا لے کر حج کرنا

بعض لوگ عمرہ ویزہ لیکر عمرہ کے لیے جاتے ہیں اور وہیں رک جاتے ہیں پھر حج کر کے واپس آتے ہیں، اس طرح کرنے سے حج تو ادا ہو جائیگا لیکن قانون کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ (۳)

خواجہ اجمیری کی درگاہ کا چکر لگانے سے حج ساقط ہونا

بعض لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ کے مزار کی ساتھ برس تک زیارت کر لینے سے حج ساقط ہو جاتا ہے، یہ سراسر باطل اور خطرناک گمراہی ہے، کیونکہ حج پوری دنیا میں صرف ایک ہی جگہ مکہ مکرمہ سال میں ایک مقررہ وقت پر ماہ ذی الحجہ میں ادا کیا جاتا ہے، کسی دوسری جگہ اصل حج تو درکناس کی نقل کرنا بھی

(۱) حج و عمرہ موجود حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

(۲) حج و عمرہ موجود حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

(۳) حوالہ سابق: ۱۳۱

حرام ہے، حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے مزار کی زیارت کو حج کے قائم مقام سمجھنا بالکل لادینی اور مشرکانہ ذہنیت و خیالات کی پیداوار ہے۔ (۱)

سفر حج میں تجارت کرنا

سفر حج میں تجارت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) حج مقصود ہو اور تجارت ضمناً ہو تو حج کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور تجارت بھی درست ہوگی۔

(۲) تجارت مقصود ہو اور حج ضمناً ہو تو حج کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

(۳) حج اور تجارت دونوں مقصود ہوں تو دونوں درست ہونگے مگر حج کا ثواب کم ملے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ (۲)

حج و زکوٰۃ کی فرضیت میں فرق

فرضیت حج کے لیے زکوٰۃ کی طرح مال نامی کا مالک ہونا شرط نہیں ہے۔

ونصاب الوجوب أى مقدار ما يتعلق به وجوب الحج من

الغنى، وليس له حد من نصاب شرعي على ما في الزكاة

بل هو ملك مال يبلغه إلى مكة بل إلى عرفة ذاهباً أى إليها

وجائياً أى راجعاً إلى وطنه (۳)

کسی شخص کے پاس نقد روپیہ نہ ہو، لیکن گزارے کی ضرورت سے زیادہ زمین یا مکان ہو جیسے فروخت کر کے حج کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے۔

وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضياع ما لو باع

مقدار ما يكفى الزاد والراحلة ذاهباً وجائياً ونفقة عياله

(۱) انہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۱۲۸/۲

(۲) سورۃ بقرہ: ۱۹۸

(۳) ارشاد الساری: ۲۸

وأولاده ويبقى له من الضيعه قدر ما يعيش بغلة الباقي

يفترض عليه الحج والإفلا (۱)

حج کی فلم کا حکم

آج کل حج کی فلم بنائی جاتی ہے اور حج سے پہلے حاجیوں کو کیمپ میں جمع کر کے انہیں یہ فلم دکھائی جاتی ہیں، تاکہ حج کا شوق پیدا ہو، حج کی ادائیگی کا طریقہ معلوم ہو اور حاجی کے لیے ادائیگی حج میں سہولت و آسانی ہو، اس طرح سے مناسب حج کو فلم بنا کر اسے بتانا اور کمائی کا ذریعہ بنانا شرعاً ناجائز ہے کیونکہ اس میں ذی روح کی تصویریں لی جاتی ہیں، شرعاً ممنوع و حرام ہے حج فلم کے جو فوائد بتلائے جاتے ہیں وہ دیگر طریقوں سے بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں اس لیے اس طرح کی فلمیں بنانے، دیکھنے اور دکھانے سے کلی اجتناب ضروری ہے۔ (۲)

اعمال حج میں ترتیب کا حکم

۱۰/۱ ذی الحجہ کو چار اعمال کیے جاتے ہیں:

(۱) حمرہ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی۔

(۲) قربانی کرنا (حج تمتع و قرآن والا)۔

(۳) سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا۔

(۴) طواف زیارت کرنا۔

(الف) طواف زیارت میں بالاتفاق ترتیب واجب نہیں ہے، البتہ بقیہ تین افعال میں فقہاء

کا اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، اور احناف میں صاحبین

رحمہم اللہ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں بلکہ سنت ہے، اگر کسی وجہ سے ترتیب کی

رعایت نہ ہو سکے تو دم واجب نہیں ہے، البتہ سنت کا ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ ان

(۱) فتاویٰ عالمگیری ۱: ۲۱۸

(۲) اہم مسائل جن میں ابتلا عام ہے: ۱۲۲/۲

حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں وقوف کیا لوگ آپ سے سوالات کرنے لگے، ایک آدمی نے کہا کہ: میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر کے بال منڈوا لیے، آپ ﷺ نے فرمایا: قربانی کر لو کوئی تنگی نہیں ہے، دوسرا شخص بولا: میں نے لاعلمی میں قربانی کر لی اور رمی نہیں کر سکا، آپ ﷺ نے فرمایا رمی کر لو کوئی تنگی نہیں، اس دن جو شخص بھی تقدیم و تاخیر کا سوال کرتا آپ یہی جواب فرماتے: ”فما سئل النبی ﷺ یومئذ عن شیء قدم ولا أخر إلا قال: افعل ولا حرج“ (۱) اس سے پتا چلا کہ ترتیب واجب نہیں، ہاں سنت ضرور ہے، چونکہ آپ ﷺ نے ان اعمال کو ترتیب سے انجام دیا ہے۔

(ب) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بہر صورت ان تین افعال میں ترتیب واجب ہے، اگر ان تین افعال میں ترتیب رہی خواہ اردۃً ہو یا غیر ارادی طور پر ہو، جانتے ہوئے ہو یا جہالت کی وجہ سے بہر صورت دم واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص احرام باندھ کر حج کرے یا عمرے کے ارادے سے چلے مگر کوئی مجبوری ایسی آگئی کہ اس کا کعبہ مقدسہ تک پہنچنا دشوار ہو جائے تو احرام کھولنے کے لیے قربانی جانور حرم بھیج دے اور جب وہ قربان ہو جائے تو یہ شخص اپنا سر منڈا کر احرام سے نکل جائے۔ وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ ترتیب واجب ہے، ورنہ اس شخص کو قربانی سے پہلے ہی حلال ہو جانے کا حکم دیا جاتا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ جو شخص اپنے مناسک حج میں تقدیم و تاخیر کر دے تو اس کو قربانی کرنا چاہیے ”من قدم شیئاً من حجہ أو اخره فلیهرق لذلك دماً“ (۳)

(۱) صحیح البخاری، باب الفتیاء وهو واقف علی الدابة وغیرہا، حدیث نمبر: ۸۳

(۲) سورة البقرة: ۱۹۶

(۳) شرح معانی الآثار، باب من قدم من حجہ نسکاً قبل نسک، حدیث نمبر: ۴۰۸۱

صاحبین رحمہم کی دلیل کا جواب امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ: جن حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا سب نے لاعلمی کا اقرار کیا تھا، اور وہ حج کا پہلا موقع تھا، ہر شخص کو کثرت ازدحام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا اندازہ نہیں رہا، اب جب علم عام ہو چکا ہے تو اس کی گنجائش نہیں ہے، جب منی کا میدان بہت سا خالی رہتا تھا، ضرورت کے اشیاء، جانور، مذبح اور قربانی کی سہولت اپنے ہاتھوں تھی ہر شخص مناسک حج ترتیب ہی سے کرتا تھا، لیکن جب منی کو عمارتوں نے گھیر لیا، بادشاہوں اور شہزادوں کی رہائش کا سلسلہ چل پڑا، گاڑیوں غیر معمولی تعداد، سڑکیں، دفاتر، پولس، بجلی کی عمارتوں نے منی کو گھیر لیا دوسری طرف حجاج کرام کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ، قربان گاہ منی سے ہٹا کر دور کر دی گئی، جانور کی خریداری مشکل مسئلہ ہو گیا، منی میں صرف قربانی ہی نہایت دشوار امر ہو گیا ہے اس لیے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور ادارۃ المباحث الفقہیہ (جمعیت علماء ہند) دونوں نے بہ اتفاق رائے فیصلہ کیا ہے کہ اس مسئلہ میں دوسرے فقہاء کی رائے پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے، یعنی کوشش تو کرنی چاہیے کہ تینوں افعال ترتیب سے انجام دیے جائیں، لیکن اگر کسی وجہ سے ترتیب کی رعایت نہ ہو سکے تو دم واجب نہیں ہوگا۔ (۱)

فقہ اکیڈمی فیصلہ: حنفیہ کے قول رائج کے مطابق ۱۰ ارزی الحجۃ کے مناسک میں رمی، ذبح، اور حلق کو ترتیب کے ساتھ انجام دینا واجب ہے اور صاحبین اور اکثر فقہاء کے یہاں مسنون ہے، جس کی خلاف ورزی سے دم واجب نہیں، حجاج کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھیں تاہم ازدحام اور موسم کی شدت، اور مذبح کی دوری وغیرہ کی وجہ سے صاحبین اور دیگر ائمہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، لہذا اگر یہ مناسک ترتیب کے خلاف ہوں تو بھی دم واجب نہیں ہوگا۔ (۲)

(۱) ملخص: از کتاب التناوی: ۸/۴۱۵، حج و عمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح: ۴۰، مولانا

اعجاز صاحب اعظمی، اہم فقہی فیصلے: ۱۲۹، رفیق حج و عمرہ: ۹۳

(۲) حج و عمرہ موجودہ حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

نبی کریم ﷺ کی طرف سے حج برائے ایصال ثواب

نبی کریم ﷺ کی طرف سے حج کرنا بڑی نیکی اور ثواب کا کام ہے یہ ایصال ثواب کا حج کہلائے گا، اس کے لیے دو طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں:

(۱) حج کی ادائیگی سے پہلے ہی یہ نیت کر لی جائے کہ میں یہ حج نبی پاک ﷺ کی طرف سے ادا کر رہا ہوں، اور اسی نیت سے تمام ارکان ادا کرے، تاکہ اس کا تمام تر ثواب نبی پاک ﷺ کو پہنچے۔

(۲) حج کی نیت کر کے حج اپنی طرف سے ادا کرے، اور ادائیگی حج کے بعد اس کا ثواب نبی پاک ﷺ کو بخشش دے۔ (۱)

✽ حج و عمرہ کے برابر ثواب والے اعمال

پروردگار عالم نے اپنے کرم سے مقام پر رہ جانے والوں کے لیے ایک تسلی کا سامان پیدا کیا، چند ایسے اعمال کو حج کے ثواب کے برابر قرار دیا کہ آدمی ان اعمال کو کر کے حج کا ثواب گھر بیٹھے حاصل کر سکتا ہے۔

چنانچہ چھ اعمال ایسے ہیں اگر ان کو انجام دیا جائے تو احادیث شریفہ میں صاف وضاحت ہے کہ مقبول و مکمل حج کا ثواب ملتا ہے۔

ہاں یہ بات یاد رہے کہ ان اعمال کے کرنے سے حج کا ثواب تو ضرور مل جاتا ہے لیکن اس سے نہ فرض حج ادا ہوتا ہے نہ وہ حقیقتہً حاجی کے برابر ہوتا ہے۔

وہ چھ اعمال یہ ہیں:

(۱) رمضان میں عمرہ کرنا: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔ عَنْ أُمِّ مَعْقِلٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔ (۲)

(۱) حوالہ سابق: ۶/ ۱۳۴

(۲) سنن الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء في عمرة رمضان، حدیث نمبر: ۹۳۹

(۲) اپنے نفقہ اور خرچ سے دوسرے کو حج کروانا: کبھی آدمی مستحق تو ہوتا ہے اور چاہتا بھی ہے لیکن علالت یا کوئی ایسا عذر اسے گھیر لیتا ہے کہ وہ چاہ کر بھی جا نہیں پاتا تو ایسے لوگوں کو اپنے خرچ اور پیسوں سے حج کر سکتے ہیں، اس سے اس حج کرانے والے کو بھی گھر بیٹھے ثواب مکمل مل جائے گا۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ گرامی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی طرف سے غلام آزاد کرائے، یا صدقہ و خیرات کرے یا اس کی طرف سے حج کرے تو وہ ثواب اس کو پہنچ جائے گا۔

إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَجَّ جَنَّتُمْ عَنْهُ بَلَّغَهُ ذَلِكَ (۱)

(۳) نماز اشراق پر استقامت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد طلوع شمس تک ذکر کرتے ہوئے بیٹھ جائے پھر دو رکعت نماز (اشراق) پڑھ لے تو ایک حج و عمرہ کا ثواب اسے دایا جائے گا۔

مَنْ صَلَّى الْغَدَاةَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ (۲)

یہ عمل بہت آسان ہے ہر آدمی بالخصوص عورتیں بھی کام کاج کے ساتھ باسانی یہ فضیلت حاصل کر سکتی ہیں۔

(۴) مساجد میں تعلیم و تعلم کا نظام: علم دین اور حصول دین کے لیے سفر کرنا اور درس

(۱) سنن أبي داود، كتاب الوصايا، باب ما جاء في وصية الحربي يسلم وليه أيلزمه أن ينفذها؟ حديث نمبر: ۲۸۸۳، البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۲) سنن الترمذی، أبواب السفر، باب ذكر ما يستحب من الجلوس في المسجد بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس، حدیث نمبر: ۵۷۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

دینے سے متعلق بے شمار احادیث موجود ہیں، یہاں بس یہ عرض کرنا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی صبح سویرے مسجد صرف اس نیت سے جائے کہ وہ کوئی خیر کی بات سیکھے یا سکھائے تو اس کے لیے ایک مکمل حج کرنے کا ثواب حاصل ہوگا۔

مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ،
كَانَ لَهُ كَأَجْرِ حَاجٍّ تَامًّا حَبْثُهُ (۱)

(۵) فرض نمازیں مسجد میں ادا کرنا: نمازوں کو باجماعت مسجد میں پڑھنے کی بھی بہت فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہیں انہی میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی اپنے گھر سے پاک صاف ہو کر فرض نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد نکلے تو وہ ایسے ہیں جیسے وہ شخص حج کرنے والا ہے۔

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مَتَطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ
الْحَاجِّ الْمَحْرَمِ (۳)

(۶) نماز کے بعد ذکر و اذکار کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا:

”کچھ مسکین لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور بولے کہ مال والے تو بلند مقام اور جنت لے گئے۔ وہ ہماری ہی طرح نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور ان کے لئے مال کی وجہ سے فضیلت ہے، مال

(۱) المعجم الكبير للطبراني، خالد بن معدان، حدیث نمبر: ۷۳۷۴، علامہ عراقینی اس روایت کی

سند کو جید کہا ہے۔ (تخریج أحادیث الإحياء: ۱۱/۱۷۰، دار ابن حزم، بیروت)

(۳) سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب ما جاء في فضل المشي إلى الصلاة، حدیث نمبر: ۵۵۸، البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، علامہ نووی نے (خلاصة الأحكام: ۲/۳۰۳) میں اس روایت کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ ابو داؤد نے اس روایت کو حسن یا صحیح سند سے روایت کیا

سے حج کرتے ہیں، اور عمرہ کرتے ہیں، اور جہاد کرتے ہیں، اور صدقہ دیتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس کی وجہ سے تم پہلے والوں کے درجہ پاسکو اور کوئی تمہیں تمہارے بعد نہ پاسکے اور تم اپنے بیچ سب سے اچھے بن جاؤ سوائے ان کے جو ایسا عمل کرے۔ وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد تم تینتیس بار (33) سبحان اللہ تینتیس بار (33) الحمد للہ اور تینتیس بار (33) اللہ اکبر کہو۔

”جاء الفقراء إلى النبي ﷺ فقالوا: ذهب أهل الدثور بالدرجات الغلى والنعيم المقيم، يصلون كما نصلي ويصومون كما نصوم، ولهم فضل من أموال يحجون بها ويعتصرون ويجاهدون ويتصدقون، قال: ألا أحدثكم بأمر إن أخذتم به أدر كنتم من سبقكم ولم يدر كنكم أحد بعدكم، وكنتم خير من أنتم بين ظهرائه إلا من عمل مثله: تسبحون وتحمدون وتكبرون خلف كل صلاة ثلاثاً وثلاثين“ (۱)

(۷) مسجد قبا میں نماز پڑھنا:

جو شخص مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کرے، اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ مسجد قبا کی بھی زیارت کرے اور اس میں بھی دو رکعت نماز پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ ہر ہفتے قبا کی زیارت کیا کرتے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے گھر وضو کرے اور خوب اچھے طریقے سے وضو کرے اور پھر مسجد قبا میں آکر نماز پڑھے تو اسے عمرہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔

من تطهر في بيته، ثم أتى مسجد قباء، فصلّى فيه صلاة، كان

لہ کأجرِ عمرۃ“ (۱)

ظاہر ہے اس حدیث پر وہی عمل کر سکتے ہیں جو مدینہ طیبہ میں رہتے ہوں یا سعودی عرب یا سعودی عرب سے باہر سے آنے والے مسجد نبوی کی زیارت پہ آئے ہوں، محض مسجد قباء میں نماز پڑھنے کے لیے کوئی شخص ہندوستان سے تازہ وضو کر کے تو نہیں جاسکتا ہے۔

بعض سلف صالحین نے فرمایا: ایسے ایک دانق کو چھوڑنا جو اللہ کو ناپسندیدہ ہے میرے نزدیک پانچ سو حج سے بہتر ہے، اعضاء و جوارح کو گناہوں سے روکنا بہتر ہے نفل حج کرنے سے، ان اعمال کا بوجھ نفس پر زیادہ ہوتا ہے۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: زبان کو قابو میں کرنا جہاد، حج اور سرحد پر پہرہ داری سے بھی سخت عمل ہے، اگر تجھے صبح کے وقت اپنی زبان سنبھالنے کا غم تجھ پر سوار رہتا ہے تو واقعی بڑا غم ہے۔

ایک شخص نے ایک عارف سے کہا: میں مسافت طے کر کے آیا ہوں، تو انہوں نے فرمایا: اپنے نفس سے صرف ایک قدم دور ہو جا تجھے مقصد مل جائے گا، دل کا سفر اہم ہے بدن کے سفر سے، کتنے بدن بیت اللہ پہنچ گئے لیکن رب البیت تک نہیں پہنچے، اور کتنے لوگ ایسے ہیں جو اپنے گھر میں اپنے بستر وں پر پڑے ہیں لیکن ان کا دل مولیٰ کریم کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ (۲)

پانچ سال میں ایک مرتبہ حج کرنا

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں نے جس بندے کو جسمانی صحت عطا فرمائی اور اس کی معیشت میں وسعت دی تو پھر بھی وہ میرے پاس نہیں آتا تو وہ محروم ہے۔

(۱) صحیح ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۱۶۸

(۲) الرياض النضرة فی فضائل الحج والعمرة: ۱/۲۹۲

”إِنَّ عَبْدًا صَحَّحَتْ لَهُ جِسْمُهُ، وَوَسَّعَتْ عَلَيْهِ فِي الْمَعِيشَةِ

يَمْضِي عَلَيْهِ خَمْسَةُ أَعْوَامٍ لَا يَفْدِي إِلَى الْحَرَامِ“ (۱)

فائدہ: جو حج کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے اس کے متعلق یہ روایت ہے، اور یہ حکم استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر کیونکہ جمہور علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر مکلف عاقل بالغ آزاد صاحب استطاعت مسلمان پر پوری عمر میں صرف ایک بار حج فرض ہے، اور وجوب کا حکم اجماع کے خلاف ہے۔

ہر سال حج پر جانا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہر سال حج کو جاتی تھیں، اس لیے کہ حج مقبول جہاد فی سبیل اللہ کے برابر حیثیت رکھتا ہے، اور جس کو ہر سال حج نصیب ہو جائے اس کو بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہوتی ہے، اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان پر بار بار لبیک کہا ہے:

”عن عائشة رضی اللہ عنہا أم المؤمنين قالت، قلت: يا رسول الله! ألا

نغزو ونجاهد معكم؟ فقال: لكن أحسن الجهاد وأجمله

الحج حج مبرور فقالت: عائشة رضی اللہ عنہا: فلا أدع الحج بعد إذ

سمعت هذا من رسول الله ﷺ، الحديث“ (۳)

امام سیوطی رحمہ اللہ اس آیت (وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ) کی تفسیر کرتے ہو یہ حدیث لکھتے ہیں: حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ نہ حج کرتی ہیں اور نہ عمرہ کرتی ہیں جس طرح کہ دوسری ازواج مطہرات آتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے (فرض) حج بھی کیا ہے اور (سنت) عمرہ بھی کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں

(۱) صحیح ابن حبان، ذکر الأخبار عن إثبات الحرمان لمن وسع الله عليه...، حدیث

نمبر: ۷۰۳، ۳، محقق شعیب الارنؤط نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) صحیح البخاری، باب حج النساء، حدیث نمبر: ۱۸۶۱

گھر میں ہی رہوں، اللہ کی قسم! میں لوٹ آنے تک گھر سے نہیں نکلوں گی، اللہ کی قسم! وہ اپنے کمرے کے دروازہ سے باہر نہ آئیں یہاں تک کہ وہاں سے آپ کا جنازہ نکالا گیا۔

”عن محمد بن سيرين قال: نبئت أنه قيل لسودة زوج النبي

ﷺ: مالك لا تحجين ولا تعتمرين كما يفعل أخواتك؟

فقلت: قد حججت واعمرت وأمرني الله أن أقر في بيتي

فوالله لا أخرج من بيتي حتى أموت قال: فوالله ما خرجت

من باب حجرتها حتى أخرجت بجنازتها“ (۱)

فائدہ: دونوں حدیثوں کے خلاصہ سے صحابیت کے الگ الگ ذوق کا پتہ چلتا ہے، حسب موقع جو خاتون جس کی اتباع کرنا چاہے اس کے لیے گنجائش ہے۔

ضروری مسائل

مسئلہ: حج کے آنے سے پہلے پہلے جب روپیہ تلف ہو گیا تو شرعی طور سے اس کے اوپر حج فرض نہیں ہوا۔

مسئلہ: حاجیوں پر عید الاضحیٰ کی نماز لازم نہیں ہے، دسویں ذی الحجہ کو عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد ان کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ پہنچ کر جمرہ عقبہ کی رمی کرنے کا حکم ہے۔ (۲)

مسئلہ: احرام باندھنے کے بعد خضاب لگانا جائز نہیں، اگر کوئی لگائے گا تو اس پر دم جنایت لازم ہو جائے گا۔ (۳)

مسئلہ: جو شخص پیروں کا معذور ہے، بلا کسی سہارے کے نہیں چل سکتا ہے، تو اس پر حج فرض نہیں ہے، خواہ وہ کتنا ہی مال دار ہو اور نہ اسپر حج بدل کرانا فرض ہے۔ (۴)

(۱) الدرالمشور: ۵۹۹/۶، دار الفکر، بیروت

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۱۱/۱۲

(۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۰۱/۱۲

(۴) کتاب النوازل: ۷/۳۰۵

مسئلہ: سلسل بول کا مریض جو پیشاب کی دائمی بیماری میں مبتلا ہے، ایسے شخص پر حج کو جانا فرض نہیں ہے اگرچہ وہ مالدار ہی ہو، اسے چاہیے کہ اپنی طرف سے حج بدل کر ادے، بعد میں اگر یہ مرض ختم ہو جائے اور وہ صاحب استطاعت ہو تو پھر اسے خود حج کرنا ہوگا۔ (۱)

مسئلہ: مسواک ہر حال میں کرنا مسنون و مستحب ہے؛ لہذا حالت احرام میں مسواک کرنے شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۲)



(۱) کتاب النوازل: ۷/ ۳۰۲

(۲) کتاب النوازل: ۷/ ۳۵۲

احرام

فوجی اور ڈاکٹر کا احرام

سعودی فوجی اور ڈاکٹرس کو اپنی ڈیوٹی پر رہتے ہوئے حج کا احرام باندھنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ وقت ان کا امانت ہے اور مستاجر (اجرت پر لیے ہوئے) کی ملکیت ہے اس کی اجازت کے بغیر حج کا احرام نہیں باندھ سکتا، لیکن کوئی فوجی یا ڈاکٹر اپنے اجیر کی اجازت کے بغیر محرم ہو جائے البتہ لباس ڈیوٹی کا پہنے یا حج کی اجازت تول جائے لیکن فوجی یا ڈاکٹری کی ذمہ داری لگ جائے اور ڈیوٹی والے یا احرام باندھنے کے بعد فوجی یا ڈاکٹری کی ذمہ داری لگ جائے اور ڈیوٹی والے لباس میں ہو تو ان تینوں صورتوں میں فدیہ واجب ہوگا یہ صورتیں قابل عذر قابل معافی نہ ہوگا۔ (۱)

عورت کا احرام اور پردہ

یہ بات سمجھنی چاہیے کہ عورت کے لیے نامحرموں سے پردہ کرنا ایک الگ حکم ہے اور حالت احرام میں چہرہ کو کپڑا لگنے سے بچانا الگ حکم ہے، حالت احرام میں دونوں احکام پر بیک وقت عمل کرنا ضروری ہے جو کہ ممکن ہے اور صحابیات کے زمانہ سے اس پر عمل بھی ہوتا چلا آ رہا ہے، احرام کی حالت میں بھی اجنبی مردوں سے پردہ نہ کرنا اسی طرح گناہ ہے جیسے عام حالات میں، نفس و شیطان جیسے یہاں ساتھ ہیں وہاں بھی ہوتے ہیں،

آخر حضور ﷺ کی موجودگی میں حجۃ الوداع میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی عورت پر نگاہ پڑ سکتی ہے تو آج کے مسلمان کس شمار میں ہیں، اب اس حکم کی انجام دہی کے لیے عورت حسب سہولت کوئی بھی ایسی صورت اختیار کر لے کہ پردہ بھی ہو جائے اور احرام کی پابندی پر عمل بھی ہو جائے۔

مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”یہ صحیح ہے کہ احرام کی حالت میں چہرہ کو ڈھکنا جائز نہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ احرام کی حالت میں عورت کو پردہ کی چھوٹ ہوگئی نہیں! بلکہ جہاں تک ممکن ہو پردہ ضروری ہے یا تو سر پر کوئی چھجاسا لگایا جائے اور اس کے اوپر سے کپڑا (نقاب) اس طرح ڈالا جائے کہ پردہ ہو جائے مگر کپڑا چہرہ کو نہ لگے یا عورت اپنے ہاتھ میں پنکھا وغیرہ رکھے (جہاں مردوں کا سامنا ہو) اُسے چہرہ کے آگے کر لیا کرے، اس میں شبہ نہیں کہ حج کے طویل اور پرہجوم سفر میں عورت کے لیے پردہ کی پابندی بڑی مشکل ہے، لیکن جہاں تک ہو سکے پردہ کا اہتمام کرنا ضروری ہے اور جو اپنے بس سے باہر ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے“۔ (۱)

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: حجاج کے قافلے ہمارے پاس سے گزرتے اور ہم رسول اللہ ﷺ کیساتھ احرام کی حالت میں تھیں، چنانچہ جیسے ہی قافلہ ہمارے قریب ہوتا تو ہر خاتون اپنی اوڑھنی کو سر کی جانب سے چہرے کے آگے لٹکالیتی، اور جب قافلہ گزر جاتا تو ہم چہرہ کھول لیا کرتی تھیں۔

”قالت عائشة رضي الله عنها: كَانَ الزُّكْبَانُ يَمْزُونَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مُحْرِمَاتٍ، فَإِذَا حَادَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا

جَلْبَابُهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا، فَإِذَا جَاوَزْنَا كَشَفْنَاهَا“ (۱)
 مذکورہ حدیث میں چہرے پر نقاب ڈالنے کی تشریح میں مشکوٰۃ کی مشہور شرح
 مرقاة کے مصنف ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاة میں لکھتے ہیں کہ چہرہ پر نقاب ڈالنا اس طرح ہوتا
 تھا کہ وہ چہرے کی جلد کو مس (Touch) نہیں کرتا تھا۔ ”(مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا):
 بِحَيْثُ لَمْ يَمَسَّ الْجِلْبَابُ بِشَرَةِ الْوَجْهِ. (۲) قرآن و حدیث اور مذکورہ روایات
 کی روشنی میں معلوم ہوا کہ خواتین کے احرام میں دو باتیں ہیں، ایک چہرہ پر کپڑے کا نہ
 لگنا اور دوسرا پردے کا مستقل حکم جو احرام کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا۔

عورت کا احرام چہرے میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِحْرَامُ الْمَرَاةِ فِي
 وَجْهِهَا“ (۲) اس لیے چہرے پر کوئی کپڑا لگانا درست نہیں اس سے احرام کی خلاف
 ورزی ہوگی، عام حالات میں چہرہ کھلا رکھنے میں حرج نہیں لیکن اجنبی مردوں کے سامنے
 چہرہ کا پردہ بھی ضروری ہے، یاد رہے کہ جو عورت حج میں پردہ کا اہتمام نہیں کرتی وہ زندگی
 میں کبھی بھی پردہ کا اہتمام نہیں کر سکتی جس طرح جو مرد حج میں عورتوں کو تاکنے سے نہیں بچتا وہ
 زندگی میں کبھی بھی بد نظری سے نہیں بچ سکتا ہے، نیز علماء نے لکھا ہے کہ مسجد حرام و مسجد نبوی
 میں کسی نیک کام پر جیسے ثواب زیادہ ہے تو اسی طرح خلاف شریعت کام پر گناہ بھی زیادہ
 ہوگا، اس لیے خواتین حج کے مکمل سفر میں پردے کا خاص اہتمام فرمائیں تاکہ اس سفر کا
 مقصد اصلی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور حج مقبول کا ثواب حاصل ہو جائے، اور احادیث میں
 حج مقبول کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس میں کسی قسم کا گناہ نہ کیا جائے۔

”مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَزِفْهُ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ“ (۳)

(۱) سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في المحرمة تغطي وجهها، حديث نمبر: ۱۸۳۳، یہ

حدیث سند حسن درجہ ہے۔

(۲) مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح: ۵/۱۸۵۲

(۳) صحیح بخاری: ۲۷۴

نیز مردوں کی نظر پڑنا یا ہوا سے بار بار نقاب کا اڑنا اور چہرے پر لگنا، اس کو عذر نہیں کہا جاسکتا، جس کی وجہ سے واجب ہی ترک کر دیا جائے، نیز یہ سفر اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جس میں ہر حکم پر عمل کرنے کی تھوڑی بہت مشقت سے اللہ آزمالیتے ہیں اور اس کے بقدر اجر بھی زیادہ دیتے ہیں، اس لیے احرام کی رعایت کے ساتھ پردہ کرنے کی مشقت گوارا کی جائے، مگر واجب ترک نہ کیا جائے۔

”وأما ترك الواجبات بعذر ثم مرادهم بالعذر ما يكون من

الله تعالى فلو كان من العباد فليس بعذر“ (۱)

اور اجنبی مرد میں صرف انجان لوگ ہی داخل نہیں ہیں بلکہ تمام غیر محرم داخل ہیں خواہ وہ چچا، خالو، پھوپھی، مامو کا لڑکا، بہنوئی، دیور وغیرہ کیوں نہ ہو۔

”قال (ولا بأس بأن تسدل الخمار على وجهها من فوق رأسها على وجه لا يصيب وجهها) وقد بينا ذلك عن عائشة رضی اللہ عنہا لأن تغطية الوجه إنما يحصل بما يماس وجهها دون ما لا يماسه ويكره لها أن تلبس البرقع لأن ذلك يماس وجهها“۔ (۲)

یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ حکم صرف احناف کے ہاں ہی نہیں بلکہ چاروں ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ بدایۃ المجتہد لابن رشد مالکی میں ہے:

”وأجمعوا على أن إحرام المرأة في وجهها وإن لها أن تغطي رأسها وتستر شعرها وأن لها أن تسدل ثوبها على وجهها من فوق رأسها سداً خفيفاً تستتر به عن نظر الرجال إليها

(۱) غنية الناسك في بغية المناسك ص: ۲۳۹ ط: إدارة القرآن

(۲) کتاب المبسوط للسرخسی: ۴/۱۴۱، ط: دار الكتب العلمية، فتح القدیر: ۲/۵۱۴،

کنحو ماروي عن عائشة رضی اللہ عنہا الخ“ (۱)

الفقه المالکی المیسر میں ہے:

”واباح المالکیۃ لہا سترو جہہا عند الفتنة بلا غرز للساتر بآبرۃ ونحوہا وبلا ربط لہ برأسہا‘ بل المطلوب سد لہ علی رأسہا ووجہہا أو تجعلہ كاللثام وتلقى طرفیہ علی رأسہا بلا غرز ولا ربط“ (۲)

فقہ شافعی کی کتاب ”الحاوی الکبیر“ میں ہے:

”إن إحرام المرأة في وجهها فلا تغطيه كما كان إحرام الرجل في رأسه فلا يغطيه‘ لرواية موسى ابن عقبة عن نافع عن ابن عمر: أن رسول الله ﷺ نهى أن تنتقب المرأة وهي محرمة وتلبس القفازين“ - (۳)

الفقه الحنبلی المیسر للزحیلی میں ہے:

”ومن المحظورات في الاحرام: تعمد تغطية الوجه من الأثنى‘ لكن تسدل علی وجہہا لحاجة لقوله: لا تنتقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازين قال الشرح: فيحرم تغطية لا نعلم فيه خلافا ولا يضر لس السدل وجہہا خلافا للقاضی أبی یعلی‘ قال فی الاقناع: إن غطته لغير حاجة فدت وعلی هذا إحرام المرأة فی وجہہا فتحرّم تغطيته بنحو برقع ونقاب وتسدل لحاجة كمرور رجال بها الخ“ (۴)

(۱) بداية المجتهد: ۳/۲۷۸، ط: دار الكتب العلمية

(۲) الفقه المالکی المیسر للزحیلی: ۱/۲۹۵، ط: دار الكلم الطیب

(۳) الحاوی الکبیر للماوردی: ۴/۳، ط: دار الكتب العلمية

(۴) الفقه الحنبلی المیسر: ۲/۷۵، ط: دار القلم دمشق

اگر کپڑا ہوا کی وجہ سے بار بار چہرے پر پڑ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی کوئی دم وغیرہ لازم آئے گا، چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

”وإحرام المرأة في وجهها وإجاز الشافعية والحنفية ذلك بوجود حاجز عن الوجه فقالوا: للمرأة أن تسدل على وجهها ثوبا متجافيا عنه بخشبة ونحوها، سواء فعلته لحاجة من حر أو برد أو خوف فتنة ونحوها أو لغير حاجة فان وقعت الخشبة فأصاب الثوب وجهها بغير اختيارها ورفعته في الحال، فلا فدية“ (۱)

البتہ اگر مستقل لگا رہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ تھوڑی دیر (ایک گھنٹہ سے کم وقت) کے لیے عورت کے چہرے کو لگا رہے، یا چہرہ کے چوتھائی حصہ سے کم کو لگا رہا تو اس صورت میں اس پر ایک مٹھی گندم صدقہ کرنا واجب ہے اور اگر ایک گھنٹہ یا اس سے زائد وقت اور ایک دن یا ایک رات (یعنی بارہ گھنٹے) سے کم لگا رہے تو اس صورت میں پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر بارہ گھنٹہ یا اس سے زیادہ وقت پورا چہرہ یا اس کا چوتھائی حصہ کو نقاب سے لگا رہا تو اس صورت میں ایک دم واجب ہوگا۔

احرام کی حالت میں ستر کا حکم

طواف واجبات میں ستر چھپانا بھی شامل ہے، جن اعضاء کو نماز میں چھپانا واجب ہے ان کو طواف میں چھپانا بھی واجب ہے، مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا چہرہ اور ہتھیلی اور قد میں کو چھوڑ کر باقی پورا بدن ستر میں شامل ہے، لہذا اگر چوتھائی عضو کھلا رہے گا، طواف اعادہ واجب ہوگا، اور اگر اعادہ نہیں کرے گا تو دم دینا لازم ہو جائے گا۔ (۲) یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حج کا طواف مکمل یا چار شوط میں چوتھائی

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳/۲۳۳: دار الفکر

(۲) زبدۃ المناسک جدید: ۳۷۴

عضو یا اس سے زائد کھلا رہنے کی حالت میں کیا ہے تو طواف کے اعادہ یا دم میں سے کوئی ایک عمل لازم اور واجب ہے ہو جاتا ہے اور طواف عمرہ میں سے ایک شوط میں بھی دم لازم ہو جاتا ہے، اور بہت سے مردوں کو دیکھنے میں آتا ہے کہ احرام کی چادر لنگی کی جگہ پہنتے ہیں اسے ناف کے نیچے پہنتے ہیں یا اس طرح پہنتے ہیں کہ چلتے ہوئے ران تک کھل جاتی ہے اور بہت سی عورتوں کے سر کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے یہ سب جائز نہیں ہے، اگر چوتھائی حصہ یا اس سے زائد کھل جائے گا تو طواف زیارت اور طواف وداع اور طواف عمرہ اور طواف نذر میں دم دینا لازم ہو جائے گا، یا طواف کا اعادہ لازم ہو جائے گا، اور اگر طواف قدوم یا طواف نفل اور طواف تحیۃ ہے تو ایک صدقہ دینا لازم ہو جائے گا۔ (۱)

مرد کی لنگی کا ناف سے گھٹنے تک ہونا ضروری ہے، اگر لنگی ناف سے نیچے ہو اور احرام کی چادر سے وہ حصہ ڈھکا ہوا نہ ہو تو طواف صحیح نہیں ہوگا، اگر طواف صحیح نہ ہو تو حج و عمرہ بھی صحیح نہیں ہوگا۔ (۲)

بچہ کا احرام

(۱) نابالغ و بے شعور بچہ احکام کا مکلف نہیں ہے، اگر وہ احرام باندھے تو احکام کی خلاف ورزی پر کوئی دم یا صدقہ واجب نہیں ہوگا تاہم ممنوعات سے بچا کر رکھنا چاہئے، بچہ کے لیے وہی احرام ہوگا جو مردوں کا احرام ہے بچہ اگر احکام احرام کے مطابق حج کر لے تو وہ نفل حج ہوگا، اعمال حج کی نیت بچہ کے والد کر لے تو وہی اس کی طرف سے تمام مناسک ادا کرے، اپنے طواف میں بچہ کے طواف کی نیت بھی کر لے اور بچہ کو ساتھ اٹھا کر طواف کر لے تو دونوں کا طواف ادا ہو جائے گا، البتہ طواف کی دو رکعتیں نہیں پڑے گا کیونکہ یہ بچہ کے ذمہ سے ساقط ہیں۔

”وَأَمَّا غَيْرُ الْمُمِيزِ فَلَا يُصَحُّ أَنْ يَحْرِمَ بِنَفْسِهِ لِأَنَّهُ لَا يَعْقِلُ النِّيَّةَ

(۱) غنیۃ جدید: ۲۷۳، انوار مناسک: ۳۶۶

(۲) مناسک حج شافعی: ۱۶۱، بحوالہ: مستند مسائل حج و عمرہ: ۲۱۲

- ولا يقدر التلفظ بالتلبية وهما شرطان في الإحرام“ (۱)
 (۲) اور اگر بچہ باشعور و سمجھدار ہے تو احرام معتبر ہے اور تمام ارکان خود ہی ادا کرے گا
 نیابت درست نہیں ہے۔

”ولما كان الصبي غير مخاطب كان إحرامه غير لازم....
 فلمميز لا يصلح النيابة عنه في الإحرام ولا في أداء الأفعال
 إلا في ما لم يقدر عليه فيحرم بنفسه ويقضى المناسك كلها
 بنفسه ويفعل كما يفعل البالغ“ (۲)

- (۳) بچہ حج کا احرام باندھنے کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے بالغ ہو گیا تو مذکورہ حج کے احرام
 سے فرض حج ادا نہیں ہوگا بلکہ نفل حج ہی ادا ہوگا، البتہ بالغ ہونے کے بعد وقوف عرفہ
 سے پہلے احرام کی تجدید کر لے فرض حج ادا ہو جائے گا، یہی حکم پاگل پن کا ہے۔
 ”ولو جددہ بعد بلوغه قبل الوقوف بعرفة ونوى
 الفرض أو أطلق أجزاء“ (۳)

- (۴) بچہ میقات سے بغیر احرام کے گزرے اور حرم میں آنے کے بعد بالغ ہو جائے
 تو بچہ کے میقات سے بغیر احرام کے گزرنے سے اس کے ولی پر کوئی دم واجب
 نہیں ہوگا، اسی طرح بچہ حالت احرام میں کسی ممنوع کار تکاب کر لے تو ولی
 پر کوئی دم واجب نہیں ہوگا بشرطیکہ بچہ نا سمجھ و نابالغ ہو۔

”صبي أحرم عنه أبوه وجنبه ما يجنب المحرم فلبس ثوبا أو
 أصاب طيباً أو صيدا فليس عليه شيء عندنا“ (۴)

(۱) فتاویٰ شامی: ۳/۳۶۷، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۳۶، البحر الرائق: ۲/۵۵۳

(۲) فتاویٰ شامی: ۳/۳۶۷، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۳۶، البحر الرائق: ۲/۵۵۳

(۳) بدائع الصنائع: ۲/۲۹۵، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۳۱۷

(۴) المبسوط للسرخسی: ۴/۱۳۰

- (۵) اگر نابالغ بچہ میقات سے بغیر احرام کے حرم میں داخل ہو جائے اور میقات سے گزر کر حل میں داخل ہونے کے بعد حل ہی سے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو عمرہ ادا ہو جائے گا اور میقات سے بغیر احرام کے گزرنے پر دم بھی واجب نہ ہوگا۔
- (۶) نابالغ بچہ میقات سے گزرنے کے بعد حد و حرم میں بالغ ہوا اور حل سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کر لیا تو عمرہ ادا ہو جائے گا، میقات سے بغیر احرام کے گزرنے پر بچہ پر یا اس کے ولی پر کوئی دم واجب نہیں ہوگا۔ (۱)

مجنوں و دماغی معذور کا احرام

- (۱) پاگل شخص کا حکم ناسمجھ بچہ کی طرح ہے، اس کی طرف سے اس کا ولی احرام باندھے گا اور وہی تمام ارکان ادا کرے گا۔ ”والمجنون كالصبي الغير المميز في جميع ما ذكرنا“ (۲)

- (۲) دماغی معذور (جو پوری طرح پاگل نہ ہو) کا حج بچہ کے حج کے حکم میں ہے کہ اس پر حج فرض نہیں لیکن اگر کر لے تو نفل حج ادا ہوگا۔

”انه كالصبي العاقل في كل الأحكام تبعا لغير الإسلام“

حتى لو اداه يصح منه“ (۳)

گونے شخص کا احرام

- جو شخص بولنے پر قادر نہ ہو اس کے لیے صرف احرام کی نیت کر لینا کافی ہے، زبان سے تلفظ ضروری نہیں ہے، البتہ تبلیہ کے وقت زبان ہلا لے تو بہتر ہے۔ ”ولا يلزم العاجز عن النطق كأخرس وأمي تحريك لسانه“ (۴)

(۱) عمرہ کے فضائل و مسائل: ۷۶

(۲) فتاویٰ شامی: ۳/۲۶۸، البحر الرائق: ۲/۵۵۴، غنیۃ الناسک: ۸۴

(۳) فتاویٰ شامی: ۳/۲۵۶

(۴) فتاویٰ شامی: ۲/۱۸۱

بے ہوش کا احرام

اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کی نیت کرتے وقت بے ہوش ہو جائے تو اس کے ساتھی کا اس کی طرف سے بھی احرام کی نیت کر لینا کافی ہے، خواہ بے ہوش ہونے والے نے نائب بنایا ہو یا نہ بنایا ہو، اسی طرح حالت ہوش میں احرام باندھنے کے بعد بے ہوش ہو جانے سے احرام میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

”من خرج يريد حجة الاسلام فاغمی عليه قبل الإحرام

..... ولبی عنه رفيقه او غيره.... جاز عندنا“ (۱)

تلبیہ زبان سے کہنا شرط ہے

تلبیہ زبان سے اس طرح پڑھنا شرط ہے کہ حروف صاف صاف ادا ہو اور کم از کم خود کو سنائی دے، اور اگر دل ہی دل میں یا بہت ہی آہستہ آواز سے پڑھا تو تلبیہ ادا نہ ہوگا، البتہ جو شخص گونگا ہے اس کے لیے زبان ہلانا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔

”و شرط التلبیة أن تكون باللسان فلو ذكرها بقلبه لم يعتد

بها وكذا لو صحح الحروف بلسانه ولم يسمع نفسه لم يعتد

بها على الصحيح“ (۲)

احرام کی حالت میں چہرے پر ماسک باندھنا

احناف اور مالکیہ کے نزدیک چہرے کو ڈھانپنا حرام ہے اور اس سے فدیہ واجب ہوتا ہے، یہی قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے اور علامہ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۳)

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک چہرہ چھپانا جائز ہے اور اس سے فدیہ بھی واجب نہیں ہوتا،

(۱) فتاویٰ شامی: ۵۲۸/۳، فتاویٰ ہندیہ: ۲۷۷/۱

(۲) غنیۃ الناسک: ۷۴، فتاویٰ شامی: ۴۹۰/۳

(۳) النوازل فی الحج: ۲۳۳-۳۴۳

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے مذہب کے مطابق ”محرم“ مرد اپنا چہرہ ڈھانپ سکتا ہے اس پر فدیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اور جمہور علماء کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں محرم کے لیے جیسے سر ڈھانپنا جائز نہیں ہے اسی طرح چہرہ ڈھانپنا بھی جائز نہیں ہے، ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے کہ حالت احرام میں ایک آدمی اپنے اونٹ سے گر کے فوت ہو گیا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس کے سر اور چہرے کو مت چھپانا“ اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ آپ کہا کرتے تھے (ٹھوڑی کے اوپر سر کے کسی بھی حصے کو ”محرم“ نہ چھپائے) ہمارے علماء کی دلیل امام مالک اور امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن ابوبکر انہوں نے عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عثمان کو گرمیوں کے موسم میں ”عرج“ کے مقام پر دیکھا کہ حالت احرام میں انہوں نے اپنا چہرہ سرخ لکیروں والے کپڑے سے چھپایا ہوا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (۱)

لہذا شوافع اور حنابلہ کے اعتبار سے سانس کے ذریعے پھیلنے والی مختلف بیماریوں سے بچاؤ کی خاطر اگر عازمین حج کو میڈیکل ماسک کی ضرورت پڑے تو اس ضرورت کے پیش نظر ان کے لیے جواز کے قول پر عمل کرنا جائز ہوگا، اور اس کے استعمال سے فدیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ماسک پہننے کی گنجائش نکل سکتی ہے یہی محمد بن عتیمین رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے۔ (۲)

لیکن احناف کے نزدیک احرام میں فیس ماسک کا استعمال کہ جس سے کامل چہرہ یا چوتھائی چہرہ چھپ جائے تو مرد و عورت دونوں کے لیے اس کا استعمال ناجائز ہے، اور جزاء کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ”ماسک“ اتنا چوڑا ہے کہ اس سے چوتھائی چہرہ ڈھک جاتا ہے اور یہ ”ماسک“ ایک دن یا ایک رات کے بقدر لگا رکھا مثلاً سات گھنٹے

دن میں اور پانچ گھنٹے رات میں تو دم واجب ہے، اور اگر ”ماسک“ کی چوڑائی چوتھائی چہرے سے کم ہو یا اسے ایک دن یا ایک رات کی مقدار سے کم لگایا تو صدقہ فطر کے برابر صدقہ دینا واجب ہوگا، اس لیے احرام کی حالت میں ”ماسک“ لگانا ممنوع ہے، اور یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے۔ اور اگر حالت احرام میں مسلسل ماسک لگا تو نہیں رکھا لیکن متفرق اوقات میں لگایا کبھی دو گھنٹے کبھی تین گھنٹے تو دیکھا جائے گا کہ اس کی مجموعہ مقدار کتنی ہوئی اگر بارہ گھنٹے ہوئے تو دم واجب ہوگا، ورنہ صدقہ واجب ہوگا۔

”ولو عصب رأسه أو وجهه يومًا وليلة فعليه صدقة إلا أن

يأخذ قدر الربع قدم“ (۱)

فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں ہے کہ

عورتوں کو عام حجاب استعمال کی اجازت نہیں ہے، اگر پورا ایک دن استعمال کیا تو دم واجب ہوگا، اس وجہ سے عورتوں کا احرام چہرہ میں ہے یعنی اصل یہ ہے کہ چہرہ کھلا ہونا چاہیے، کوئی کپڑا چہرے سے مس نہ ہو، اور یہ بات ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے آپ اس طرح فرمایا کرتی تھیں، اگر حرج ہے تو چند دن خوشی سے برداشت کر لیا جائے کہ سفر حج تو ہے ہی مشقتوں کا سفر اور قاعدہ ہے ”الاجر بقدر التعب“ مشقت کے بقدر ثواب ملتا ہے، لہذا اس کو مشقت اور حرج نہ سمجھیں، علاوہ ازیں اگر عورتیں عام لوگوں کے مجمع میں برقع استعمال نہیں کیا، لہذا دم لازم نہیں ہوگا، البتہ ایک دن سے کم چہرہ ڈھانپنا گیا اس وجہ سے صدقہ فطر کی مقدار فیہ واجب ہوگا۔

سنن ابی داؤد میں ہے:

حدثنا أحمد بن حنبل، عن عائشة، قالت: كان

الركبان يمرّون بنا ونحن مع رسول الله ﷺ محرمات، فإذا

حاذوا بنا سدلت إحدانا جلبابها من رأسها على وجهها

فإذا جاوزونا كشفناه (۱)

- ☆ اور مکمل یہی حدیث مسند احمد میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (۲)
- ☆ اور مسند امام شافعی رحمہ اللہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی عبارت کے الفاظ یہ ہیں:
- ولكن تسدلها على وجهها كما هو مسدود ولا تقبله ولا تضرب ولا تعطفه۔ (۳)

سنن کبریٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی عبارت الفاظ یہ ہیں۔ وتسدل الثوب على وجهها إن شاءت۔ (۴)

مذکورہ بالا احادیث میں نیز مؤطا امام مالک (۳۳۴) اور الحلی بالاثار (۹/۷۹)، (۷۸) میں بھی ”سدل“ کا لفظ مذکور ہے جس کے معنی لٹکانے کے ہیں، اور لٹکانا تب ہوگا جب چہرے کے ساتھ نہ لگے، ورنہ اس کو چہرے پر پڑنا کہتے ہیں۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

سدل الشعر والثوب والستر يسدله وأسدله أي أرخاه وأرسله، وقال أبو عبيد: السدل المنهي عنه في الصلاة هو إسبال الرجل ثوبه من غير أن يضم جانبيه فإن ضمهما فليس بسدل (۵)

- (۱) سنن ابی داؤد، باب فی المحرمة تغطي وجهها، حدیث نمبر: ۱۸۳۳، البانی اور محقق شیعہ ارتووط نے ضعیف کہا۔
- (۲) دیکھئے: مسند أحمد، مسند الصدیقہ، حدیث نمبر: ۲۴۰۲۱
- (۳) مسند امام الشافعی ومن کتاب المناسک: ۲/۲۱۲، حدیث نمبر: ۸۵۵
- (۴) السنن الكبرى للبيهقي، باب المرأة لا تتقب في إحرامها ولا تلبس القفازين، حدیث نمبر: ۹۰۵۰
- (۵) تاج العروس: ۱۱/۳۴۳، وكذا في السان العرب: ۳۳۳، مزيد تفصيل کے لیے دیکھیے: فقہ حنفی کی بدائع الصنائع: ۲/۱۸۲، ارشاد الساری: ۳۴۳، اور فقہ مالکی میں حاشیۃ الدسوقي: ۸۶، اور فقہ شافعی کی شرح مہذب: ۷/۲۵۰ اور فقہ حنبلی کی المغنی: ۳/۳۰۵، فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳۸۰/۳

حج کا برقع کیسا ہو؟

حرم میں اکثر عورتیں ایک طرح کا برقع پہنتی ہیں، کبھی اپنی مستورات کو پہچاننے میں دشواری ہو جاتی ہے، اور اپنی مستورات کی چکر میں کئی عورتوں پر نظر ڈالتے پھرتے ہیں کہ شاید یہ ہوگی، شاید یہ ہوگی، اس لیے سفر حج میں نیا برقع بنوالیں اور کچھ ممتاز بنائیں جس سے بسہولت پہچان ہو سکے، لیکن بھڑکیلا برقع نہ ہو کہ سب لوگ برقع ہی کی طرف دیکھنے لگیں، ممتاز کا مطلب کوئی خاص علامت ایسی ہو جس سے آپ پہچان جائیں۔

حالت احرام میں زیورات پہننا

عورت کا حالت احرام میں زیورات، سلا، ہوا کپڑا، موزے وغیرہ پہننا جس سے بدن چھپا رہے بلا کراہت درست ہے، البتہ دستانے پہننا حنفیہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ ”وتلبس الحریر والذهب وتتحلی بأی حلی شاءت“ (۱)

عورت کا حالت احرام میں مہندی لگانا

(۱) حالت احرام میں اپنی ہتھیلی میں مہندی لگانا درست نہیں اس سے دم واجب ہوگا۔ (۲)

(۲) اسی طرح حالت احرام میں سر پر گاڑھی مہندی لگانا جس سے سر یا سر کا چوتھائی حصہ ڈھکا رہے تو دم واجب ہوگا۔ (۳)

احرام میں عورت کا دستانے پہننا

احرام کی حالت میں عورت کو ہاتھوں میں دستانوں کا پہننا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اور نہ پہننا بہتر ہے۔

(۱) غنیۃ الناسک: ۹۲، فتاویٰ شامی: ۵۵۱/۳، حاشیۃ الطحطاوی: ۷۳۸

(۲) بدائع الصنائع: ۴۱۹/۲، ملتقى البحر: ۴۳۱/۱، فتاویٰ ہندیہ: ۲۴۱/۱

(۳) فتاویٰ شامی: ۵۷۵/۳، غنیۃ الناسک: ۲۵۰

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر اکثر فقہائے کرام کے نزدیک احرام کی حالت میں عورت کو ہاتھوں میں دستانوں کا پہننا جائز نہیں۔

لبس القفازین: يحظر على المرأة المحرمة لبس القفازين عند المالكية والحنابلة وهو المعتمد عند الشافعي، وذهب الحنفية وهو رواية عند الشافعية إلى أنه يجوز لها اللبس كيفيها كالقفاز وغيره، ويقتصر إحرامها على وجهها فقط، استدلل الجمهور بحديث ابن عمر بزيادة ولا تنتقب المرأة المحرمة، ولا تلبس القفازين واستدل الحنفية بحديث ابن عمر قال: إحرام المرأة في وجهها، وماوردت آثار عن الصحابة وكان سعد ابن وقاص يلبس القفازين وهن محرمات، ورخص فيه على وعائشة. وهو قول عطاء وسفيان، يجوز للمحرمة تعظمة يدها فقط من غيرها شد، وأن تدخل يديها في إكمامها وفي قميصها (۱)

حائضہ کے احرام اور عمرہ کا حکم

اگر کوئی عورت عمرہ کا احرام شروع کرنے کے وقت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو، تو اس کو عمرہ کا احرام شروع کرنا جائز ہے، لیکن اسے حیض یا نفاس کی حالت میں عمرہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ عمرہ میں بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اور طواف کے لیے پاک ہونا ضروری ہے، نیز عورت کو حیض و نفاس کی حالت میں دوسری مساجد کی طرح مسجد حرام میں داخل ہونا بھی جائز نہیں۔

اس لیے اگر عمرہ کا احرام شروع کرتے وقت عورت کو حیض و نفاس جاری ہو، تو اسے احرام شروع کرنے کی ممانعت نہیں، اسی طرح عمرہ کا احرام شروع کرنے کے بعد

اور عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے اگر عورت کو حیض یا نفاس جاری ہو جائے، تب بھی اس کے احرام میں کوئی خلل و خرابی پیدا نہیں ہوتی، لیکن ان دونوں صورتوں میں اس کو طواف کرنا جائز نہیں ہوتا، ایسی صورت میں اس عورت کو چاہیے کہ وہ احرام کی حالت میں رہ کر حیض یا نفاس سے پاک ہونے کا انتظار کرے، اور احرام کی پابندیوں پر عمل کرتی رہے، اور پھر پاک ہونے کے بعد غسل کر کے طواف کرے۔

البتہ عمرہ طواف کرنے کے بعد حیض یا نفاس جاری ہو اہو۔ تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں، بلکہ اسے اسی حال میں سعی کر کے اور اپنے بال ترشوا کر عمرہ مکمل کرنا اور احرام سے نکلنا جائز ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے طواف کے چار چکر رکن ہیں، اور بقیہ تین چکر واجب ہیں، اس لیے حنفیہ کے نزدیک اگر طواف کے کم از کم چار چکر مکمل کرنے کے بعد کسی عورت کو حیض یا نفاس جاری ہوا ہو، جس کے بعد اس نے طواف کے مزید چکر پورے نہیں کیے اور اسی حال میں اس نے سعی کر کے بال کٹوا لیے اور حرام سے نکل گئی، تو اس کا عمرہ مکمل ہو جائے گا۔

مگر اس پر دم واجب ہوگا، لیکن اگر اس نے وہ تین چکر پاک کر ہو کر پورے کر لیے تو اس کا دم بھی ساقط ہو جائے گا، البتہ بعض حضرات کے نزدیک اس کو طواف کے چکروں کے ساتھ سعی کو لوٹانے کی صورت میں دم ساقط ہوگا، جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک طواف کے ساتویں چکر مکمل کرنے اور سعی کرنے سے پہلے اس کا عمرہ مکمل نہیں ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک طواف کے تمام چکر رکن میں داخل ہیں، حنفیہ کی طرح چار چکر رکن اور باقی واجب نہیں ہے۔

آج کل حج عمرہ پر جانے والوں کے لیے سفر کے معاملات حکومت اور انتظامیہ کی طرف سے طے ہونے تک، جن کی خلاف ورزی کرنے کی قانونی طور پر اجازت نہیں ہوتی۔

اور ایسی صورت میں بعض اوقات عمرہ کرنے والے کو حرم پہنچنے کے بعد ہمیں جلد ہی مدینہ منورہ جانے کی پابندی ہوتی ہے۔

ایسی صورت حال میں اگر کسی عورت کو احرام شروع کرنے کے بعد حیض یا نفاس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے عمرہ کرنے سے پہلے مدینہ منورہ جانا پڑ جائے، اور اس کو پاک ہونے اور عمرہ کرنے تک حرم میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ملے، تو اس کو مدینہ منورہ احرام کی حالت میں چلے جانا اور وہاں سے واپس حرم لوٹ کر اسی سابقہ احرام سے عمرہ کرنا جائز ہوگا اور اس صورت میں اس پر نہ تودم ہوگا، اور نہ ہی وہ گنہگار ہوگی، البتہ اسے مدینہ منورہ رہتے ہوئے آرد و رقت کے وقت احرام کی پابندیاں اختیار کرنی پڑیں گی۔

اور اگر کسی عورت کو عمرہ کا احرام شروع کرتے وقت حیض یا نفاس جاری اور اسے معلوم ہو کہ حرم پہنچنے کے بعد حیض یا نفاس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اسے عمرہ کا موقع نہیں مل سکے گا، اور اسے اسی حالت میں مدینہ منورہ جانا پڑے گا، اور اس طرح اس کے احرام کا دورانیہ غیر معمول لمبا ہو جائے گا، اور اس کی پابندیوں نبھانا اس کے لیے مشکل ہوگا۔

تو اس طرح کی مجبوری میں مبتلا عورت اگر میقات سے احرام کے بغیر حرم میں داخل ہو جائے اور پھر وہاں سے عمرہ کیے بغیر اسی حالت میں مدینہ منورہ چلی جائے اور وہاں سے واپس آتے وقت ”ذوالحلیفہ“ یا کسی اور آفاقی میقات سے احرام باندھ کر حرم میں داخل ہو کر عمرہ کرے، تو اس کا دم ساقط ہو جائے گا۔

کیونکہ میقات کے باہر سے عمرہ کی غرض سے حرم میں آنے والا فرد اگر بغیر احرام کے میقات سے گزر جائے، اور حرم میں داخل ہو جائے، تو اس پر دم لازم ہوتا ہے لیکن اگر وہ بعد میں کسی بھی میقات پر چلا جائے، اور وہاں سے باقعدہ احرام باندھ کر دوبارہ حرم میں داخل ہو تو اس کا دم ساقط ہو جاتا ہے۔

بلکہ صاحبین اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی میقات سے بغیر احرام کے

تجاوز کرنے کے بعد احرام باندھے اور پھر کوئی نسک مثلاً طواف ادا کیے بغیر میقات کی طرف لوٹ کر آجائے، اور پھر دوبارہ احرام کی تجدید کے بغیر حرم میں پہنچ کر عمرہ وغیرہ کرے، تو بھی دم ساقط ہو جاتا ہے۔

اور مذکورہ صورت میں اس عورت کا ذوالحلیفہ کی میقات کی طرف جانا اور وہاں سے احرام باندھ کر آنا پایا جاتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بلا عذر اس کو ایسا کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اور مذکورہ صورت میں ہمارے نزدیک اس عورت کے لیے معقول عذر پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے امید ہے کہ وہ گناہ گار نہ ہوگی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میقات سے قصداً و عمداً بغیر احرام کے گزرنا گناہ ہے، اور میقات کی طرف عود کرنا واجب ہے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے عود ترک کیا جائے تو گناہ نہیں، لہذا جب عذر کی وجہ سے عود کو ترک کرنے سے گناہ نہیں ہوتا، تو امید ہے کہ ابتداءً بغیر احرام کے عذر کی وجہ سے گزرنے میں بھی گناہ نہ ہو، خاص طور پر جبکہ ہماری زیر بحث صورت میں عود کر کے اس وجوب کی خلاف ورزی کی تلافی بھی پائی جاتی ہے۔

پھر بھی اگر کوئی عورت احتیاط پر عمل کرتے ہوئے احرام کی حالت میں حرم میں داخل ہو، اور وہ عمرہ کرنے تک احرام کی پابندیوں کو نبھائے، جیسا کہ پہلے گزرا، تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اور یہ تمام تفصیل مجبوری کی صورت میں ہے۔

اور اگر کسی عورت نے اپنے وطن سے حرم میں جا کر عمرہ کر لیا، اور پھر وہ مدینہ منورہ گئی، اور وہاں سے واپسی پر اسے قانونی پابندی کی وجہ سے حرم شریف پہنچنا ضروری ہو، اور وہ اس وقت حیض کی حالت میں ہو، اور عمرہ بھی نہ کرنا چاہتی ہو، یا پاک ہونے سے پہلے اسے وہاں سے قانونی طور پر واپس اپنے وطن لوٹنا ضروری ہو، تو اسے امام شافعیؒ کے نزدیک ذوالحلیفہ سے بغیر احرام کے حرم جانا جائز ہے، کیونکہ ان کے نزدیک احرام باندھنا اسی کے لیے ضروری ہے، جو عمرہ یا حج کی نیت سے حرم کی حدود میں جانا چاہتا ہو

اور جو کسی اور غرض سے جانا چاہتا ہو، اس کو احرام باندھنا ضروری نہیں۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک دونوں کے لیے احرام ضروری ہے۔

اور بامر مجبوری امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔ (۱)

درد یا زخم کی وجہ سے پٹی باندھنے کا حکم

اگر کسی نے سر اور چہرہ کے علاوہ کسی اور عضو مثلاً گھٹنے، ٹخنے، یا کہنی یا گٹے یا کمر، یا گردن وغیرہ پر کسی عذر جیسے درد، زخم وغیرہ سے حفاظت کی خاطر پٹی یا بلٹ (Belt) یا نوم کالر باندھی، خواہ تھوڑے عضو پر ہو یا زیادہ عضو پر، تو یہ نہ تو مکروہ ہے، اور نہ اس پر کوئی کفارہ وغیرہ واجب ہے، بشرطیکہ وہ پٹی باندھی گئی ہو، خواہ باندھ کر گرہ لگائی گئی ہے یا پن، میچک وغیرہ لگایا گیا ہو، اور جو پٹی گول آستین نما سیلی ہوئی ہوتی ہے، اس کا عضو پر چڑھانا جائز نہیں، اور ایسی پٹی کو اگر درمیان سے کاٹ کر مذکورہ طریقہ پر باندھ لیا جائے، تو بھی کچھ واجب نہیں، اور عذر کی صورت میں مکروہ بھی نہیں۔

اور اگر آستین نما پٹی کو عذر کی وجہ سے کسی عضو پر پہن لیا، اور وہ لگاتار ایک دن یا ایک رات یا اس سے زیادہ دیر تک پہنے رکھا، تو فدیہ واجب ہے، اور اس سے کم وقت کے لیے پہنا، تو صدقہ فطر کے بقدر صدقہ واجب ہے۔

ولو عصب شيئا من جسده لعله أو غير علة لا شيء عليه؛ لأنه

غير ممنوع عن تغطية بدنه بغير المخيط، ويكره أن يفعل

ذلك بغير عذر؛ لأن الشد عليه يشبه لبس المخيط (۲)

فلا شيء عليه لو عصب موضعاً آخر من جسده، ولو كثر

لكنه يكره من غير عذر كعقد الأزار وتخليل الرداء (۳)

(۱) عمرہ فضائل و احکام: ۶۹/۷۵

(۲) بدائع الصنائع: ۱۸۷/۲، کتاب الحج

(۳) البحر الرائق: ۳/۹۰، کتاب الحج، عمرہ کے فضائل و احکام: ۹۰

حالت احرام میں نیکر پہننا

نیچے جو نیکر وغیرہ پہنا جاتا ہے وہ سلا ہوا ہوتا ہے، اس لیے حالت احرام میں نیچے نیکر وغیرہ پہننا ناجائز اور موجب دم ہوگا۔ (۱)

احرام میں سردی کی ٹوپی لگانا

سردی سے بچنے کے لئے آج کل بازار میں جو پٹی دستیاب ہے باندھنا منع ہے اگر ایک دن مکمل باندھے رہا تو دم واجب ہوگا، اور اگر بارہ گھنٹے سے کم باندھے رہا تو صدقہ واجب ہے، چونکہ وہ پٹی چوتھائی سر کو ڈھانک لیتی ہے۔ ”وان غطی المحرم ربع راسه او وجهه یوما فعليه دم وان كان دون ذلك فعليه صدقة“ (۱) احرام میں سلی ہوئی لنگی پہننا

احرام کے کپڑے سلے ہوئے نہ ہوں، لنگی کے ایک کونے کو دوسرے کونے سے سلوالنا نہیں چاہئے اگر سلوالیا تو جائز ہے اور کوئی جزا لازم نہیں آئیگی۔

”والأفضل أن لا يكون فيه خياطة وإن زرر أحدهما أو خلله بخلال أو ميل أو عقده بأن ربط طرفه بطرفه الآخر أو شده على نفسه بحبل ونحوه اساء ولا شيء عليه“ (۳)

احرام کے کپڑے کو پن لگانا

احرام کے کپڑے کو پن نہیں لگانا چاہئے، چونکہ اس میں سلائی کے کپڑے سے مشابہت ہے، لیکن پن لگا لینے پر دم یا صدقہ واجب نہیں ہوگا ”ومع هذا لو فعل لا شيء عليه“ (۴)

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/۱۹۷

(۲) المبسوط: ۴/۱۲۸

(۳) غنیۃ الناسک: ۷۱، فتاویٰ شامی: ۳/۴۹۹

(۴) البحر الرائق: ۳/۷۷

حالت احرام میں بالوں کا ٹوٹ جانا

حالت احرام میں وضو یا غسل کرتے وقت خود بخود بال ٹوٹ جائیں تو ہر بال کے بدلے ایک کھجور یا ہر تین بال کے بدلے ایک مٹھی غلہ صدقہ دینا واجب ہے۔

”فلو سقط من رأسه أو لحيته ثلاث شعرات عند الوضوء

أو غيره فعليه كف من طعام.... أو تمرّة لكل شعرة“ (۱)

احرم اور خوشبو کا حکم

محرم کا حالت احرام میں [۱] خوشبو لگانا [۲] یا خوشبو لگے ہوئے کپڑے پہننا [۳] یا خوشبودار چادر اوڑھنا [۴] یا کپڑے میں خوشبو باندھنا جبکہ اس پر خوشبو طول و عرض میں ایک بالشت سے زیادہ لگی ہوئی ہو تو ایک دن یا ایک رات استعمال کرنے سے دم واجب ہوگا، اور اگر ایک دن سے کم پہننا جائے تو صدقہ واجب ہوگا۔

”ظاہرہ ان مازاد علی الشبر کثیر لکن لا اعتبار الکثرة

من الثوب بل لکثرة الطیب حیثئذ عرفا فان مکث یوما

فعلیہ دم او اقل منه فهو صدقة و حیثئذ اذا کان الطیب فی

نفسه کثیر الزم الدم وان اصاب من الثوب اقل من شبر...

ولوربط مسکا او کافورا او عنبرا کثیرا من طرف ازاره

اور داء و دام علیہ یومالزمہ دم“ (۲)

احرام کے کپڑے پر ایسی خوشبو لگانا جس کا اثر بعد میں باقی رہے جائز نہیں، بہتر ہے کسی طرح کی خوشبو کپڑوں کو نہ لگائے۔

”أما الثوب فلا یجوز أن یطیب بما تبقی عینہ بعد الإحرام

الخ والأولی أن لا یطیب ثوبه“ (۳)

(۱) غنیۃ الناسک: ۲۵۷، فتح القدیر: ۳۲/۳

(۲) غنیۃ الناسک: ۲۴۵، فتاویٰ شامی: ۵۷۵/۳

(۳) فتاویٰ شامی: ۲۸۸/۳، البحر الرائق: ۵۶۲/۲

احرام کی حالت میں خوش بودار مرہم لگانا

بغیر خوشبو کا مرہم نہ ملنے کی صورت میں خوشبودار مرہم لگانا درست ہے، مرہم لگانے میں علاج اصل ہوتا ہے خوشبو تابع ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ صحت مند آدمی بغرض خوشبو خوشبودار مرہم لگانا پسند نہیں کرتا

”وَإِذَا دَهَنَ شِقَاقَ رِجْلِهِ بَزَيْتٍ أَوْ شَحْمٍ أَوْ سَمْنٍ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ، لِأَنَّهُ قَصَدَهُ التَّدَاوِيَّ وَالتَّدَاوِيَّ غَيْرُ مَمْنُوعٍ فِي حَالِ الْإِحْرَامِ“ (۱)

حالت احرام میں بدن پر خوشبو لگانا

حالت احرام میں بدن پر لگائی جانے والی خوشبو تین طرح کی ہے [۱] وہ اشیاء جو خالص خوشبو ہیں [۲] وہ اشیاء نہ خالص خوشبو ہیں اور نہ ان سے خوشبو بنائی جاتی ہے [۳] وہ اشیاء جو خالص خوشبو تو نہیں ہیں لیکن ان سے خوشبو بنائی جاتی ہے۔ پہلی قسم:

جو اشیاء خالص خوشبو ہیں جیسے مشک، عنبر، زعفران، عطر وغیرہ کے استعمال سے بہر صورت دم واجب ہوگا خواہ بطور دو استعمال کئے جائیں، اور لگا کر فوراً نکال دی جائیں۔

”أَنَّ الْأَشْيَاءَ الَّتِي تَسْتَعْمَلُ فِي الْبَدَنِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ: نَوْعٌ هُوَ طِيبٌ مُحَضَّرٌ مَعْدٌ لِلطِّيبِ بِهِ كَالْمَسْكِ وَالْكَافُورِ وَالْعَنْبَرِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَتَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ عَلَى أَيِّ وَجْهِ اسْتَعْمَلَتْ حَتَّى قَالُوا لَوْدَاوِي عَيْنَهُ بِطِيبٍ تَجِبُ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ“ (۲)

(الف) پس اگر حالت احرام میں کامل بڑے عضو کو خوشبو لگا لیا جائے مثلاً: سر، چہرہ، داڑھی، پنڈلی، ران، بازو، پیٹ، پیٹھ، وغیرہ تو ایک دم واجب ہوگا، البتہ اگر

(۱) المبسوط: ۴/۱۲۳

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۴۱۷، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۴۰

ایک ہی مجلس میں کئی اعضاء پر خوشبو لگائی تو ایک ہی دم واجب ہوگا، اور اگر الگ الگ مجلسوں میں الگ اعضاء پر یا الگ الگ مجلسوں میں ایک ہی عضو پر خوشبو لگائی تو ہر مرتبہ ہر مجلس پر الگ الگ دم واجب ہوگا۔

”فإن طيب عضوا كبيرا كاملا من أعضائه فما زاد كالرأس والوجه و اللحية والفم والساق الخ فعليه دم.... ولو طيب جميع أعضائه في مجلس واحد كفاه دم.... وفي مجالس لكل طيب كفارة“ (۱)

ب) اور کسی چھوٹے عضو پر خوشبو لگائی مثلاً: ناک، کان، آنکھ، انگلی، مونچھ وغیرہ تو صدقہ واجب ہوگا، اور اگر بدن مختلف حصوں پر اتنی خوشبو لگائی کہ سب کو فرض جمع کرنے سے ایک کامل عضو کے بقدر ہو جاتی ہے تو ایک دم واجب ہوگا، یا ایک ہی چھوٹے عضو پر اتنی خوشبو لگائی کہ کامل عضو پر لگائی جاسکتی ہے تو بھی دم واجب ہوگا۔

”ولو طيب مواضع متفرقة يجمع ذلك فلو بلغ عضوا كاملا فعليه دم والافصدقة“ (۲)

فائدہ: احرام سے پہلے کسی عضو پر لگائی گئی خوشبو احرام کے بعد دوسرے عضو پر لگ گئی تو کوئی جزاء لازم نہیں ہوگی۔

”لو طيب عضوا ثم احرام فانتقل منه الى مكان اخر من بدنه فلا شئ عليه اتفاقا“ (۳)

دوسری قسم:

(۱) غنية الناسك: ۲۴۴، بدائع الصنائع: ۲/۱۶، البحر الرائق: ۳/۴

(۲) البحر الرائق: ۳/۴، بدائع الصنائع: ۲/۱۵، غنية الناسك: ۲۴۴

(۳) غنية الناسك: ۲۴۵، البحر الرائق: ۳/۳، فتح القدير: ۳/۲۴

دوسری قسم کی اشیاء جیسے چربی، چکنائی، وغیرہ کے استعمال سے کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی۔

”وَنَوْعٍ لِّسِ بِطِيبٍ بِنَفْسِهِ وَلَا فِيهِ مَعْنَى الطِّيبِ وَلَا يَصِيرُ طِيبًا بَوَاحٍ كَالشَّحْمِ لَا تَجِبُ الْكَفَّارَةُ“ (۱)
تیسری قسم:

تیسری قسم کے اشیاء استعمال کرنے سے جیسے زیتون کا تیل، تل کا تیل وغیرہ بنیت خوشبو استعمال کرنے سے جزا لازم ہوگی اور بنیت غذا استعمال کرنے سے کوئی جزا لازم نہیں ہوگی۔

”وَنَوْعٍ لِّسِ بِطِيبٍ بِنَفْسِهِ لَكِنَّهُ أَضْلُ الطِّيبِ يُسْتَعْمَلُ عَلَى وَجْهِ الطِّيبِ وَيُسْتَعْمَلُ عَلَى وَجْهِ الْإِدَامِ كَالزَّيْتِ وَالشَّيْرَجِ فَيَعْتَبَرُ فِيهِ الْإِسْتِعْمَالُ فَإِنْ أَسْتَعْمَلَ اسْتِعْمَالَ الْأَذْهَانِ فِي الْبَدَنِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الطِّيبِ وَإِنْ أَسْتَعْمَلَ فِي مَأْكُولٍ أَوْ شَقَاقٍ رَجُلٍ لَا يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الطِّيبِ كَالشَّحْمِ“ (۲)
حالت احرام میں تیل کا استعمال

۱۔ حالت احرام میں خوشبودار تیل استعمال اگر کامل بڑے عضو پر کیا جائے تو دم واجب ہوگا، اور اگر پورے عضو پر نہ کیا جائے تو صدقہ واجب ہوگا۔

”وَلَوْ أَدَهْنُ بَزَيْتٍ بَحْتٍ أَوْ خَلَّ بَحْتٍ غَيْرِ مَطْبُوحٍ كُلِّ مِنْهُمَا وَأَكْثَرُ فَعَلِيهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَدَقَةٌ عِنْدَهُمَا“ (۱)

۲۔ تیل خوشبودار نہیں ہے مثلاً زیتون کا تیل وغیرہ تو جزاء لازم نہیں ہے۔

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۴۱۷، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۴۰

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۴۱۷، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۴۰

(۳) غنیۃ الناسک: ۲۴۸

حالت احرام میں سرمہ کا استعمال

۱۔ سرمہ اگر خوشبودار ہے تو ایک بار کے استعمال سے صدقہ واجب ہوگا اور بار بار کے استعمال سے دم واجب ہوگا۔

۲۔ سرمہ اگر خوشبودار نہیں ہے تو اس کے استعمال سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوگی۔

”إذا اكتحل بالكحل المطيب فعليه صدقة فإن فعل ذلك

مرار كثيرة فعليه دم، ولو اكتحل بكحل ليس فيه الطيب

فلا بأس به“ (۱)

خوشبودار غذا کھانے کا استعمال

(۱) حالت احرام میں ثابت زعفران، الایچی، وغیرہ خوشبودار چیزیں جو کسی کھانے

میں ملائی گئی نہ ہو اور اتنی مقدار میں کھالی کہ منہ کے اکثر حصہ میں لگ گئی تو دم

واجب ہوگا، اور اگر کم مقدار میں لگی تو صدقہ واجب ہوگا۔

”فلو أكل طيبا كثيرا وهو أن يلتصق بأكثر فمه يجب الدم

وإن كان قليلا بأن لم يلتصق بأكثر فمه فعليه الصدقة“ (۲)

(۲) کھانے میں ملا کر پکائی گئی خوشبودار کھانے سے کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی، پکنے

کے بعد خواہ اس سے خوشبو آتی ہو، جیسے بریانی میں زعفران، الایچی وغیرہ ملا کر

پکادی گئی۔

”فلو جعله في الطعام وطبخه فلا بأس باكله لانه خرج

من حكم الطيب وصار طعاما“ (۳)

(۳) کھانا پکادینے کے بعد اوپر سے خوشبو چھڑکی گئی تو اس خوشبودار چیز کا کھانا مکروہ

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۳۱۸، البحر الرائق: ۳/۴، غنیۃ الناسک: ۲۴۴

(۲) غنیۃ الناسک: ۲۴۶، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۴۲، بدائع الصنائع: ۲/۴۱۷

(۳) غنیۃ الناسک: ۲۴۶، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۴۲، بدائع الصنائع: ۲/۴۱۷

جبکہ کم مقدار میں کھایا اور اگر زیادہ مقدار میں کھالیا تو جزاء واجب ہوگی۔
 ”وإن لم يطبخ بل خلطه بما يؤكل بلا طبخ كالملح وغيره فإن
 كانت رائحته موجودة ولا شئ عليه إذا كان مغلوباً فإنه
 كالمستهلك إما إذا كان غالباً فهو كالزعفران الخالص
 فيجب الجزاء“ (۱)

خوشبودار مشروب کا استعمال

- (۱) حالت احرام میں خوشبودار ملا ہوا مشروب زیادہ مقدار میں پینے سے جزاء لازم ہوگی جبکہ خوشبودار غالب ہو، اور اگر خوشبودار مغلوب ہو اور کم مقدار میں پیاجائے تو صدقہ واجب ہوگا، اور اگر کم مقدار کئی مجلسوں میں پی گئی تو جزاء واجب ہوگی۔
- (۲) کولڈرنک (سیوان اپ، اسپرائٹ وغیرہ) پینے سے دم واجب نہیں ہوگا، البتہ ان مشروبات کا پینا کراہت سے ونقصان سے خالی نہیں ہے۔
- (۳) شربت روح افزاء پینا جبکہ وہ پانی میں زیادہ مقدار میں ملایا گیا ہو موجب دم ہے۔
- (۴) چائے میں لونگ، الائچی ڈال کر پینا جس سے خوشبودار مہک رہی ہو موجب دم ہے۔

”وإن خلطه بمشروب كالهيل والقرنفل بالقهوة فالحكم
 للطيب مائعا كان أو جامدا فإن كان الطيب غالباً تجب دم
 إن شرب كثيراً ولا فصدقة وإن كان مغلوباً فصدقة إلا أن
 يشربه مراراً فدم إن اتحد المجلس والافل كل مرة صدقة“ (۲)

خوشبودار دوائی کا استعمال

- (۱) حالت احرام میں خوشبودار دوائی استعمال کرنے سے جزاء لازم ہوگی جبکہ

(۱) غنیۃ الناسک: ۲۴۶، فتاویٰ ہندیہ: ۱/۲۴۲، بدائع الصنائع: ۲/۴۱۷

(۲) غنیۃ الناسک: ۲۴۷

- بے خوشبودار و اسلین (vaciline) کے استعمال سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوگی۔
- (۲) دیسی دواء پانی میں ابال کر پیا جس میں خوشبو غالب تھی تو محرم کو اختیار ہے خواہ دم دے یا چھ مسکینوں کو صدقہ دے (کھانا کھائے) یا تین روزے رکھے۔ ”فان کان للتداوی خیر“ (۱)
- (۳) خوشبودار دوائی کامل عضو یا عضو کے کسی حصہ پر بار بار لگانے سے دم واجب ہوگا ورنہ صدقہ واجب ہوگا۔

”ولو تداوی بالطیب او بدواء فیہ طیب غالب ولم یکن مطبوخا فالزرقہ بجراحتہ یلزمہ صدقۃ إذا کان موضع الجراحة لم يستوعب عضو أو أكثر إلا أن يفعل ذلك مراراً فیلزمہ دم“ (۲)

صابن و شیمپو کا استعمال

- ۱۔ خوشبودار صابن ایک دو بار استعمال کرنے سے صدقہ واجب ہوگا اور بار بار استعمال کرنے سے دم واجب ہوگا، جبکہ بغیر خوشبو کا صابن استعمال کرنے سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوگی۔

- ”غسل رأسه بالخرض والصابون السدر ونحوه إلى ممالا رائحة فیہ لاشیء علیہ ای بالإجماع“ (۳)
- ۲۔ شیمپو عموماً خوشبودار ہوتا ہے اس لیے حالت احرام میں اس کے استعمال سے دم واجب ہوگا۔

”وأما المطيب منهما وهو ما ألقى في الأنوار كدهن البنفسج والياسمين والورد والبان والخیری وما أشبه ذلك فإذا

(۱) البحر الرائق: ۵/۳، غنیۃ الناسک: ۲۴۵

(۲) غنیۃ الناسک: ۲۴۷

(۳) مناسک ملا علی قاری: ۳۲۳

ادھن بہ عضو اکبیر اکاملاً فعلیہ دم بالاجماع“ (۱)

بال نکالتے وقت صابن و شیمپو کا استعمال

بال نکالنے کے لیے نائی وغیرہ اگر بالوں پر خوشبودار صابن یا شیمپو استعمال کرے
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لکے بقول دم واجب ہوگا، جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک صرف صدقہ
واجب ہوگا، حلق کے وقت اکثر لوگ اس بات کا بہت کم دھیان رکھتے ہیں، جبکہ اس عمل
سے احتراز واجب ہے۔ ”ولو غسل رأسه بالخطی فعلیہ دم عند أبي حنيفة
وقال اصدقة“ (۲)



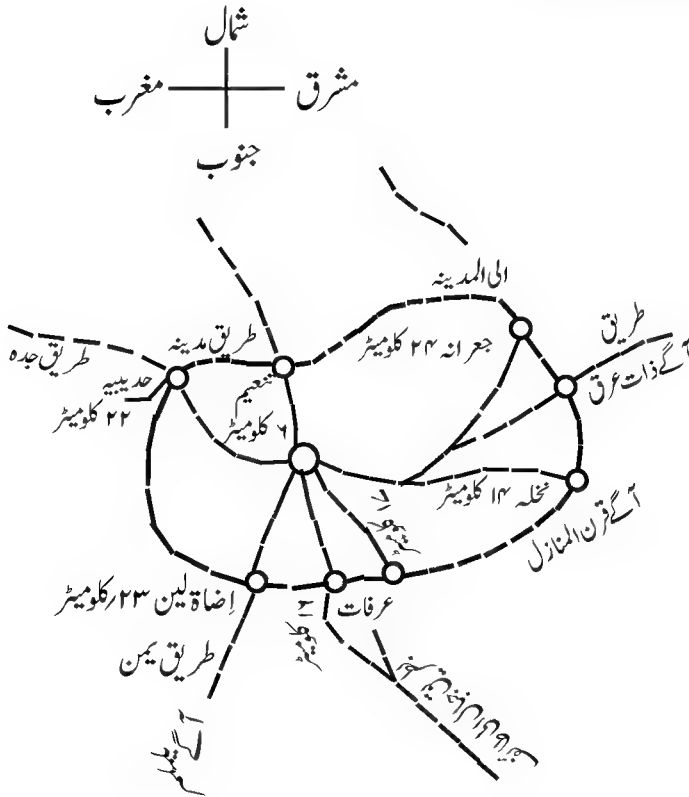
(۱) غنیۃ الناسک: ۲۴۸، بدائع الصنائع: ۲/۴۱۶

(۲) غنیۃ الناسک: ۲۴۹، بدائع الصنائع: ۲/۴۱۹، فتح القدیر: ۳/۲۸

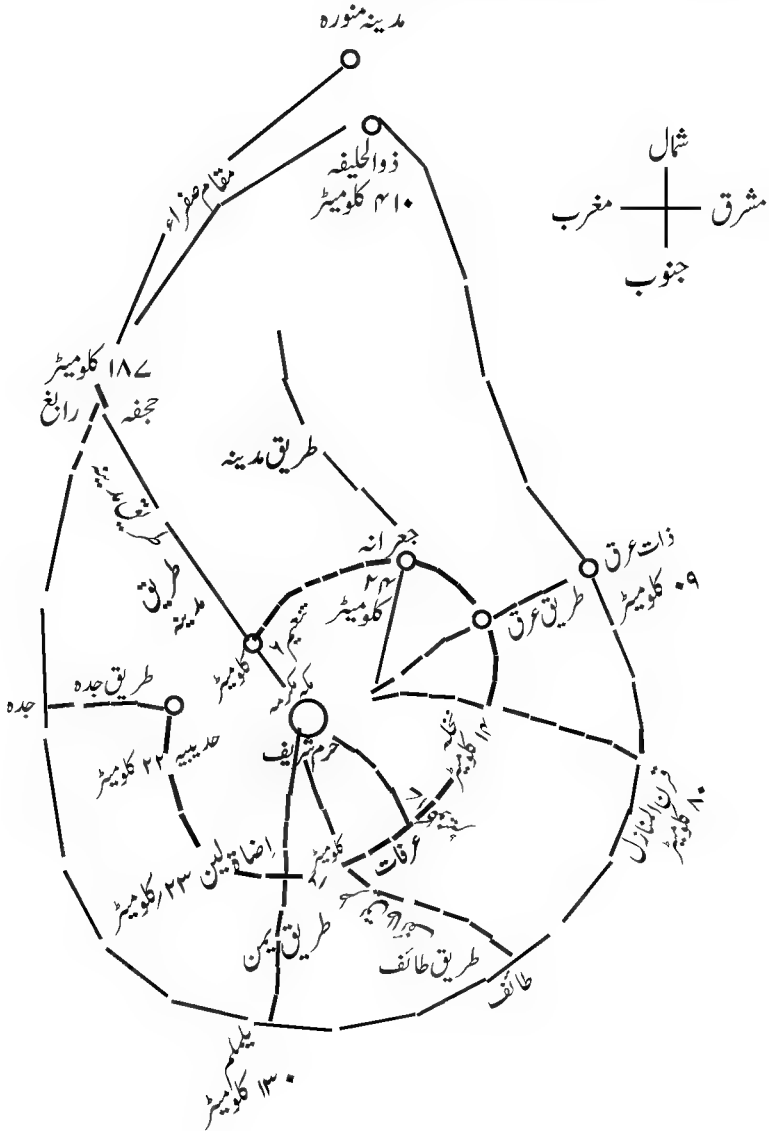
حدود حرم کی پیمائش

تتعییم مسجد	مخلہ	إضاة لین	جعرا نہ	حدید یہ	عرفات	بطریق جبال
عائشہ	۱۴ رکو میٹر	۲۳ رکو	۲۴ رکو	۲۲ رکو	سے قبل	الی طائف
۶ رکو میٹر	میٹر	میٹر	میٹر	میٹر	۷ رکو میٹر	۱۶ رکو میٹر

حدود حرم کا جغرافیائی نقشہ



حدود حرم اور حدود میقات کا جغرافیائی نقشہ



میقات

میقات سے متعلق کچھ اہم مسائل کو مستحضر کر لینا چاہیے، پھر اس کی روشنی میں جدہ کی میقاتی حیثیت پر گفتگو کی جائے گی۔
جو شخص دو میقات سے گزرے

(۱) اکثر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میقات چھوڑ کر غیر میقات سے احرام باندھنا و معذور پر دم واجب کرتا ہے اور غیر معذور گنہگار ہوگا۔

(۲) فقہاء کرام کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ جو افاتی دو میقات سے گزرتا ہے اُسے پہلی میقات سے ہی احرام باندھنا چاہیے۔

(۳) اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے جب افاتی دو میقاتوں سے گزرتا ہو اور پہلے سے گزر کر دوسری میقات سے احرام باندھتا ہو چاہیے دوسری میقات اس کے ملک کی طے ہو یا نہ، اس بارے میں پانچ اقوال میں حنفیہ کی ایک روایت شوافع، حنابلہ، ظاہریہ اور بن باز و ابن عثمین وغیرہ کی یہ رائے ہے کہ پہلی میقات چھوڑ کر دوسری میقات کسی حال میں جانا جائز نہیں ہے ان کی دلیل وہی روایت ہے جس میں رسول ﷺ نے مختلف علاقوں کے لیے چار میقات طے فرمائے، یہ میقات کا احترام ہونا چاہیے پہلی میقات بھی دیگر میقاتوں کی طرح ہے۔

جب دیگر مواقیت پر سے احرام کے بغیر نہیں گزرتا تو پہلی میقات سے کیوں

گزر رہا ہے، روایت کے الفاظ ہیں:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «وَقَتَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحَلِيفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجَحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلْمَنَ، فَهَنْ لَهْنٌ، وَلَنْ أُنَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ ذُوْنَهُنَّ، فَمَهْلُهُ مِنْ أَهْلِهِ، وَكَذَاكَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يَهْلُونَ مِنْهَا (۱)

دوسرا قابل ذکر قول حنفیہ رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ، ابن منذر رحمہ اللہ شافعی کا ہے کہ

پہلی میقات چھوڑ کر دوسری میقات سے احرام باندھا جاسکتا ہے۔ (۲)

گرچہ پہلے میقات سے احرام باندھنا افضل ہے دلیل یہ ہے کہ جب وہ دوسری میقات پہنچا تو وہاں کا بن چکا ہے اوپر کی ذکر کردہ حدیث میں چار میقات اُس شخص کے لیے بھی ہیں جو دوسری میقات سے گزر کر آ رہا ہے۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا عمل منقول ہے کہ انہوں نے ایک سال دو مرتبہ عمرہ کیا ہے ایک مرتبہ ذوالحلیفہ سے ایک مرتبہ جحفہ سے: ”مَرَّةً مِنْ ذِي الْحَلِيفَةِ وَمَرَّةً مِنَ الْجَحْفَةِ“ (۳) اگر پہلی میقات سے ہی احرام باندھنا ضروری ہوتا تو وہ دوسرے عمرہ میں ذوالحلیفہ چھوڑ کر جحفہ سے احرام کیوں باندھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی ”فُرْع“ نامی جگہ سے احرام باندھا۔ (۴)

ربذہ کے نواحی میں مکہ کے راستہ پر یہ گاؤں واقع ہے، جس میقات سے بھی احرام

(۱) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب مهل أهل الشام، حديث نمبر: ۱۵۲۶

(۲) إعلاء السنن

(۳) مسند الشافعي، باب ميقات العمرة المكاني والذماني، حديث نمبر: ۷۷۵، اس کے

رجال ثقہ ہیں۔

(۴) مؤطا امام مالك: ۱/۳۳۱، الام: ۳۶۰/۴، البيهقي: ۲۳/۵

باندھا جائے حرم کی تعظیم ہو جائے گی، چاہے قریبی میقات ہو یا دور والی میقات ہو۔
میقات سے گزر کر پھر واپس آجائے

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص میقات سے گزرے اور احرام نہ باندھے پھر واپس کہ وہاں سے یا کسی بھی میقات سے احرام باندھ لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کوئی دم نہیں۔

اختلاف اس مسئلہ میں جب اس نے میقات سے گزر کر احرام باندھ لیا پھر احرام باندھا پھر واپس میقات آیا مالکیہ حنابلہ کے نزدیک دم ساقط نہیں ہوتا حنفیہ شافعیہ کے نزدیک دم ساقط ہو جاتا ہے۔

مالکیہ حنابلہ کا خیال یہ ہے کہ جب میقات کا حق ادا نہیں کیا گیا تو یہ نقص واپس آنے سے ختم نہیں ہو سکتا دم دینا ہی پڑے گا میقات کے احترام کی پامالی کرے کے نتیجہ میں، دوسری دلیل میں من نسی من نسکھ شیئاً أو ترکہ فلیہرق دمًا (۱)
میقات کے بعد احرام باندھنے والا نسک کا چھوڑنے والا ہے اس لیے دیگر واجبات کی طرح دم واجب ہوتا، سلا ہو کپڑا پہننے ہے، خوشبو کے استعمال سے جو دم واجب ہوتا ہے وہ کپڑا اُتاتے یا خوشبو دھونے سے معاف نہیں ہوتا اسی طرح یہ دم بھی میقات واپس آنے سے معاف نہیں ہوتا۔

احناف و شوافع کی دلیل یہ ہے کہ میقات حالت احرام میں گزرنا مقصود دے، جیسے کوئی میقات سے احرام باندھ لے میقات حالت احرام میں گزر جائے تو کافی ہے اسی طرح واپس آ کر حالت احرام میں گزر جائے تو کافی ہے۔

اگر بغیر احرام باندھے داخل میقات سے واپس آ کر احرام باندھتا تو دم نہیں ہے۔
اگر وہ داخل میقات سے احرام باندھ کر آ رہا ہے تو دم بدرجہ اولی واجب نہیں ہونا چاہیے، عرفہ سے نکل کر واپس آ جانے سے دم معاف ہے اسی طرح میقات واپس

آنے پر دم معاف ہونا چاہیے۔

جدہ کی میقاتی حیثیت

اس سلسلہ میں علماء کرام کے پانچ قول ہیں:

(۱) علماء عرب، رابطہ عالم اسلامی کے تحت کام کرنے والی فقہ اکیڈمی سعودیہ افتاء کمیٹی وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ جدہ میقاتِ مکانی نہیں ہے، وہاں سے احرام باندھنا افاتی کے لیے درست نہیں اور وہاں کا باشندہ یا جس نے وہاں آ کر عمرہ حج کی نیت کی ہے صرف انہیں کے لیے وہاں سے احرام باندھنا درست ہے۔

بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۳۵۴ کتاب الحج بان مہل الشام میں ذکر کردہ روایت ہیں، اس کے راوی ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، چار میقاتوں کا ذکر ہے۔

جب میقات طے ہیں متعین، موقت اور مفروض ہیں کسی اور جگہ سے کیسے احرام باندھا جاسکتا ہے، سارے میقاتوں اور مکہ میں جتنا فاصلہ ہے جدہ اور مکہ میں اتنا فاصلہ نہیں ہے محاذی میقات بھی جب کہا جائے گا جب کہ افاتی کی اپنی میقات اور مکہ میں جتنا فاصلہ ہے اتنا فاصلہ اُس محاذی میقات اور مکہ میں ہونا چاہیے۔

علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن زیدیمینی، اکابر علماء دیوبند وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ محاذات میقات بھی میقات کے حکم میں ہے، اس بارے میں وہ خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے استدلال کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوفہ، بصرہ عراق، شام تو عراق والوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کل چار میقات متعین فرمائے ہیں ہم عراق سے آنے والے ایک دائیں طرف میقات پڑتا ہے ذوالحلیفہ اور ایک طرف میقات پڑتا ہے قرن المنازل ان دونوں میقاتوں میں جا کر احرام باندھنا ہمارے دشوار گزار رہا ہے، کہ ہم دائیں طرف کی میقات ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھیں پھر مدینہ والوں کی طرح وہاں سے مکہ روانہ ہوں یا بائیں طرف والی میقات قرن المنازل پہنچ کر احرام باندھیں پھر وہاں سے مکہ کے سے چلیں، یہ دونوں ہی

ہمارے لیے مشکل ہے، ہمارے سفر کی مسافت بڑھ جاتی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فانظر واحذوہافی طریقکم فحدلہم ذات عرق (۱)

تم اپنے راستہ کے سامنے یہ دو راستہ کے سامنے یہ دو میقات کے درمیان کے محاذ کو دیکھو جو جگہ دو میقاتوں کے درمیان کے محاذات میں پڑے گی وہی تمہارے لیے شرعی میقات بنے گا، چنانچہ ذات عرق میقات بن گیا، اس بنیاد پر جدہ بھی رابغ اور یلملم کے درمیان کے محاذی بھی میقات ہوں گے۔

لہذا ساحلی علاقے سے بحری جہاز کے ذریعہ پہنچنے والے مغربی ممالک سے بذریعہ ہوئی حجاز سے آنے والے عازمین مذکورہ علماء کرام کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ (۲)

ابن باز ابن عثیمین اور بعض حنابلہ و بعض شوافع کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جو شخص سمندری یا خشکی کے راستہ سے جدہ آ رہا ہے اور وہ اُس سے پہلے کسی میقات یا محاذی میقات سے نہ گزرتا ہو تو اُسے جدہ سے احرام باندھا جائز ہے جیسے سوڈان کے ساحلی شہر ”سواکن“ سے آنے والے۔ (۳)

احناف کے مطابق جدہ سے گزرنے والے آفاقی حجاج کرام کے لیے اس طرح تفصیل ہوگی:

”جو شخص آفاق سے ایسے راستہ سے جدہ پہنچے کہ اس کا گزر کسی عین میقات سے نہ ہو مثلاً مصر اور سوڈان سے بحری راستہ سے آنے والے لوگ، یا افریقہ اور مغرب وغیرہ سے ہوائی راستہ سے آنے والے حجاج تو ان کے لیے جدہ اکثر علماء کے نزدیک میقات کے حکم میں ہے، لہذا وہ

(۱) صحیح البخاری، باب ذات عرق لأهل العراق، حدیث نمبر: ۱۵۳۱

(۲) انوار مناسک: ۲۴۶

(۳) النوازل فی الحج: ۱۳۵

جدہ آگرا حرام باندھ سکتے ہیں، پہلے سے احرام باندھنا ان پر لازم نہیں ہے، لیکن جو حضرات مذکورہ پانچ متعینہ مواقیت میں کسی عین میقات سے گذر کر آئیں مثلاً مدینہ منورہ سے طریق البجرہ سے مکہ معظمہ جانے والا شخص یقیناً ”ذو الحلیفہ“ سے گزرے گا جو متعین میقات ہے اب اگر وہ ذو الحلیفہ سے احرام نہ باندھے بلکہ جدہ آگرا حرام باندھے تو اس کے لیے جدہ میقات نہیں ہے، کیونکہ فقہاء کا اصول ہے کہ ”عین میقات سے گذرنے والے کے لیے بعد میں محاذات سے گزرنے کا کوئی اعتبار نہیں“ اور جدہ عین میقات نہیں بلکہ محاذات یا مسافت کے اعتبار سے میقات کے حکم میں ہے، اس لیے مدینہ سے خشکی کے راستہ سے آنے والے شخص کے لیے جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہوگا، لہذا اگر وہ جدہ سے احرام باندھے گا تو مذکورہ اصل کے مطابق اس پر دم جنایات واجب ہونا چاہیے، البتہ مدینہ منورہ بذریعہ ہوائی جہاز جدہ آنے والے شخص کا گزر عین میقات ”ذو الحلیفہ“ سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ”ذو الحلیفہ“ کی محاذات سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے، لہذا ایسی صورت میں اگر چہ اولیٰ یہی ہے کہ پہلی محاذات سے قبل احرام باندھ لیا جائے لیکن دوسری محاذات تک مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے، لہذا مدینہ منورہ سے ہوئی سفر کر کے جدہ آگرا حرام باندھنے کی گنجائش ہوگی، ہند و پاک اور دیگر مشرقی علاقوں سے جو ہوائی جہاز جدہ جاتے ہیں ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ”قرن المنازل“ کی عین میقات سے گزرتے ہیں لہذا مذکورہ اصول کے تحت ہوئی سفر کرنے والے حجاج کے لیے ”قرن المنازل“ کی میقات سے قبل احرام باندھنا لازم ہے، اور جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ

جہاز کا گزر عین ”قرن المنازل“ سے نہیں ہوا بلکہ اس کی محاذات سے ہوا ہے تو ایسے لوگوں کے لیے جدہ جا کر بھی احرام باندھنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جدہ کلی طور پر میقات نہیں ہے بلکہ محاذات یا مسافت کے اعتبار سے ہی میقات کے حکم میں رکھا گیا ہے۔ (۱)

جدہ حل میں ہے یا آفاق میں؟

(۱) فقہاء نے جدہ کو ”حل“ کے اندر شمار فرمایا ہے اور آج تک لوگوں کا عمل بھی اسی پر ہے کہ جدہ کو حل میں داخل سمجھتے ہیں اور جدہ کے لوگ بے تکلف احرام کے بغیر مکہ معظمہ آتے جاتے ہیں اس لیے جدہ کو اقرب المواقیت یعنی ”قرن المنازل“ کے بقدر مسافت (۸۰ کلومیٹر) پر واقع ہونے کے اعتبار سے حل میں داخل ماننا چاہیے جو آفاق والوں کے لیے بحکم میقات ہے۔ (۲)

(۲) جدہ چونکہ حل میں ہے اور حل میں رہنے والے کا میقات خود حل ہے لہذا جدہ میں رہنے والا شخص مکہ معظمہ یا حد و حرم میں آ کر احرام نہ باندھے اور اگر حد و حرم میں آ کر احرام باندھے گا تو دم واجب ہوگا لیکن عرفات جاتے ہوئے حل سے گذرتا ہے اس لیے حل سے تلبیہ پڑھتے ہوئے گزرنے کی وجہ سے دم ساقط ہو جائے گا:

”فعلى من كان حنфия منهم أن يحرم بالحج قبل أن يدخل الحرم وإلا فعليه دم لمجاوزة الميقات بغیر إحرام“ (۳) لكن بعد توجههم إلى عرفات بنغى سقوطه عنهم بوصولهم إلى أول الحمل ملين“ (۴)

(۱) کتاب المسائل ۳/ ۱۰۳، رفیق حج و عمرہ: ۲۹

(۲) بحوالہ: کتاب المسائل ۳/ ۱۰۳

(۳) حاشیہ مناسک ملا علی قاری: ۸۳

(۴) غنیۃ الناسک: ۵۷

جدہ جانے کے لیے احرام باندھنا

(۱) گر کوئی آفاقی کسی کام سے جدہ جانا چاہتا ہے تو احرام باندھ کر جانا واجب نہیں ہے:

”أما لو قصد موضعاً من الحل كخليص وجده حل له

مجاوزتہ بلا احرام“ (۱)

(۲) اور اگر اپنے کسی کام سے جدہ جا کر وہاں سے عمرہ کا ارادہ ہو تو بھی اپنے مقام

سے احرام باندھ کر جانا واجب نہیں ہے، البتہ اگر اپنے مقام سے ہی عمرہ کا ارادہ

ہو تو احرام باندھ کر جانا واجب ہے:

”ومن جاوز وقته يقصد مكاناً في الحل ثم بداله أن يدخل

مكة فله أن يدخلها بلا إحرام“ (۲)

(۳) بعض حجاج کرام موسم حج میں مکہ مکرمہ سے اپنے بعض کاموں کے لیے جدہ آتے

ہیں، پھر وہیں سے مکہ مکرمہ واپس جاتے ہیں، تو ان پر احرام لازم نہیں ہوگا،

اس لیے کہ جدہ میقات ہے اور محض میقات میں داخل ہونے سے دوبارہ احرام

لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ میقات سے تجاوز نہیں پایا گیا، ہاں! جب جدہ سے

دوسری طرف نکل جائے تو میقات سے تجاوز ہونے کی بناء پر دوبارہ احرام

لازم ہوگا۔ (۳)

کاروباری حضرات کا بغیر احرام کے میقات سے گزرنا

کاروباری لوگ جنہیں بار بار مکہ مکرمہ میں تجارت کی غرض سے جاتے رہنا پڑتا

ہے، اسی طرح ٹیکسی ڈریوروں کو بار بار آنا پڑتا ہے، یا کسی کمپنی کا ملازم کمپنی کے کام سے

آتے رہتا ہے انہیں ہر بار احرام باندھنا سخت دشوار ہوتا ہے ایسے لوگوں کے لیے گنجائش

(۱) فتاویٰ شامی: ۳/۸۲، عنایہ مع الفتح: ۲/۴۶۶

(۲) البحر الرائق: ۳/۴۹، فتاویٰ تانار خانہ: ۳/۵۵۳، غنیۃ الناسک: ۵۷

(۳) اہم مسائل جن میں ابتلا عام ہے: ۳/۱۸۰

ہے کہ امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کریں اور جب حج یا عمرہ کا ارادہ ہو بھی احرام باندھ کر آئیں:

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: لا يدخل مكة أحد بغير إحرام إلا الخطابين والعمالين وأصحاب منافعهما“ (۱)
فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

۱۔ حدود میقات سے باہر رہنے والے ہوں یا مکہ اور حل میں رہنے والے اگر حدود میقات کے باہر سے مکہ کی نیت کر کے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں خواہ وہ حج اور عمرہ کی نیت سے جائیں یا کسی اور مقصد سے، موجودہ حالات میں جبکہ تجارت، دفاتر میں کام کرنے والے ٹیکسی چلانے والے اور دیگر پیشہ وارانہ کام کرنے والے کبھی ہر روز کبھی ہر دوسرے، تیسرے دن اور بعض لوگوں کو تو ایک دن میں ایک سے زائد دفعہ حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے ایسی حالت میں اس طرح کے لوگوں کو ہر بار احرام اور اداء عمرہ کی پابندی بے حد مشقت طلب اور دشوار ہے اس لیے ان حضرات کے لیے بغیر احرام باندھے حدود حرم میں داخلہ کی گنجائش ہوگی۔ (۲)



(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، من کرہ أن یدخل مكة بغير إحرام، حدیث نمبر: ۱۳۵۱۷

(۲) حج و عمرہ موجود حالات کے پس منظر میں ۳۸: ایضاً پبلیکیشنز جامعہ گزٹی دہلی

عمرہ

عمرہ کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے کہ تین آدمی اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، ایک غازی دوسرا حاجی تیسرا عمرہ کرنے والا ”وَفُذَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ثَلَاثَةُ الْغَازِي وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ“ (۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں جب وہ اللہ سے مانگتے ہیں تو اللہ ان کی دعاء قبول کرتا ہے اور اگر گناہوں سے معافی چاہتے ہیں تو انہیں معاف کر دیتا ہے۔ ”الْحَاجُّ وَالْعُمْرُ وَفُذَّ اللَّهُ إِنَّ دَعْوَهُ أَجَابَهُمْ وَإِنْ اسْتَغْفَرُوهُ غَفَرَ لَهُمْ“ (۲) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص کعبہ مقدسہ حاضر ہوا اور کوئی بے حیائی کی بات اور گناہ کا کام نہ کرے تو وہ اس طرح واپس ہوگا جیسے اس کی ماں نے اسے جنا ہوا یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا ”مَنْ أَتَى هَذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَفَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ“ (۳) اور رمضان کے عمرہ کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے چنانچہ منقول ہے کہ رمضان میں ایک عمرہ ایک حج کے برابر ہے ”عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَغْدِلُ حَجَّةً“ (۴)

(۱) سنن النسائي، باب الغزاة وفد الله تعالى، حدیث نمبر: ۳۱۲۱، حاکم نے اس حدیث کو مستدرک میں اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) سنن نسائی، حدیث نمبر: ۲۶۲۵، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۸۹۲۔

(۳) صحيح مسلم، باب في فضل الحج والعمرة، حدیث نمبر: ۱۳۵۰

(۴) سنن ترمذی، باب ما جاء في عمرة رمضان، حدیث نمبر: ۳۹۳، اما ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن اور غریب ہے۔

مذکورہ احادیث سے اس کی فضیلت بخوبی واضح ہے اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ جس قدر ہو سکے عمرہ کرنے کی کوشش کرے اور یہ اس کا فضل ہے جس کو وہ چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

عمرہ واجب ہے یا سنت؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری، حضرت عطاء، امام سفیان ثوری، اسحاق ابن راہویہ، امام نخعی، امام ابو ثور، علامہ کاسانی، صاحب الجوهرة النيرة، امام شافعی، وغیرہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ عمرہ واجب ہے اور وجوب کے سلسلہ میں حج کے جو شرائط ہیں وہی شرائط عمرہ کے ہیں، اس لیے زندگی میں کم از کم ایک بار ضرور عمرہ کر لینا چاہیے، احناف کے نزدیک عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے جو واجب کے حکم میں ہوتا ہے، واجب ہو یا سنت عمرہ زندگی میں ایک ہی بار سنت ہے، بقیہ زندگی کے تمام عمرے نفل شمار ہوں گے، اور جب حج فرض حرج کی وجہ سے مکرر فرض نہیں ہے تو عمرہ کا تکرار بھی حرج کی وجہ سے مکرر مسنون نہیں ہے، البتہ عمرہ مستقل عبادت ہے تو بار بار نفل عمرے کرنا مستحسن ہے۔ ”والعمرۃ فی العمر مرة سنة مؤکدة علی المذہب“ (۱)

رمضان المبارک میں عمرہ کی فضیلت

عمرہ پورے سال میں کبھی بھی کر سکتے ہیں، البتہ رمضان المبارک میں اعمال کا ثواب سترگنا زائد ہو جاتا ہے، اس لیے رمضان میں عمرہ کا ثواب بھی بڑھا دیا جاتا ہے، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ابو سلیم اور ان کے بیٹے مجھے چھوڑ کر حج پر چلے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام سلیم! رمضان میں عمرہ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے: ”یا ام سلیم!“

عمرہ فی رمضان تعدل حجة“۔ (۲)

(۱) المناسک لابن ابی عروبہ: ۹۰، المجموع للنووی: ۷/۷، بدائع الصنائع: ۳/۲۷۷،

ردالمحتار: ۳/۶۷۴

(۲) صحیح ابن حبان، ذکر البیان بأن العمرۃ فی رمضان تقدم مقام حجة، حدیث

نمبر: ۳۶۹۹، محقق شعیب الرئوط نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے "عمرۃ فی رمضان کحجۃ معی"۔ (۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت سے پوچھا: تمہارے لیے ہمارے ساتھ حج کرنے پر کیا رکاوٹ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہمارے پاس صرف دو اونٹ ہیں ایک پر میرا بیٹا اور اس کا والد حج کرنے چلے گئے اور دوسرا ہمارے لیے چھوڑ دیا تاکہ ہم اس سے کھیتی کو سیراب کرنے کا کام لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ماہ رمضان آئے تو اس میں عمرہ کر لینا، کیونکہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔ (۲)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ: میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ (۳)
مذکورہ فضیلت کس کے لیے ہے؟ اس میں اہل علم کے تین اقوال ہیں:

اول: یہ حدیث اسی عورت کے ساتھ خاص ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب تھے، یہ موقف سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ تابعی کا ہے۔ (۴) اس موقف کے لیے ام مفضل رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی دلیل لی جاسکتی ہے وہ کہتی ہیں: حج حج ہے اور عمرہ عمرہ ہے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمائی تھی، اب مجھے معلوم نہیں یہ میرے لیے خاص تھا یا کہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

یہ حدیث ابو داؤد نے روایت کی ہے، لیکن یہ اضافی الفاظ ضعیف ہیں۔ (۵)

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، و معاً سند أنس بن مالك، حدیث نمبر ۷۲۲، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، امیں ہلال بن موسیٰ ضعیف ہیں۔

(۲) بخاری شریف: باب عمرۃ فی رمضان: ۲/۶۳۱ حدیث نمبر ۱۶۹۰

(۳) مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۲۵۶

(۴) فتح الباری: ۳/۶۰۵

(۵) ابو داؤد، حدیث نمبر: ۱۹۸۹

دوم: یہ فضیلت اسے حاصل ہوگی جس نے حج کی نیت کی لیکن حج ادا کرنے سے عاجز ہو گیا، پھر اس کے عوض رمضان میں عمرہ کیا، چنانچہ حج کی نیت اور عمرے کی ادائیگی دونوں کاموں کے ملنے سے اسے نبی ﷺ کے ساتھ حج تام کرنے کا اجر حاصل ہو گیا۔

ابن رجب ”لطائف المعارف“ میں کہتے ہیں:

”واضح رہے کہ جو شخص نیکی کا کام نہ کر سکے، اس پر اسے حسرت بھی ہو اور اسے کرنے کی تمنا بھی کرے تو وہ نیکی کا کام کرنے والے کے ساتھ اجر میں شریک ہوگا... پھر انہوں نے اس کی بہت سی مثالیں ذکر کیں ان میں ایک یہ ہے کہ: ایک عورت نبی ﷺ کے ساتھ حج نہ کر سکی، جب آپ ﷺ واپس آئے تو اس عورت نے آپ سے سوال کیا کہ کون سا عمل اس حج کا متبادل بن سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: رمضان میں عمرہ کر لو کیونکہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے، دوسری روایت میں ہے ”میرے ساتھ حج کے برابر ہے“: ”تعدل ثلث القرآن“ (۱)

یہی بات ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کہی ہے۔ (۲)

اس قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ”مجموع الفتاویٰ ۲۶: ۲۹۳“ میں ایک احتمال کے طور پر ذکر کیا ہے۔

سوم: یہ قول مذاہب اربعہ کے بعض علماء اور دیگر اہل علم کا ہے کہ اس حدیث میں مذکور فضیلت عام ہے اور ہر اس شخص کو یہ حاصل ہو سکتی ہے جو رمضان کے مہینے میں عمرہ کرے، چنانچہ رمضان میں عمرہ تمام لوگوں کے لیے حج کے برابر ہے، چند

(۱) لطائف المعارف: ۲۴۹

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۵۳۱/۱

اشخاص یا مخصوص احوال کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ (۱)
ان اقوال میں سے آخری قول رائج ہے کہ یہ فضیلت ہر اس شخص کے لیے ہے جو
رمضان میں عمرہ کرتا ہے؛ کیونکہ:

(الف) یہ حدیث بہت سے صحابہ سے مروی ہے، چنانچہ امام ترمذی کہتے ہیں:
”یہ حدیث ابن عباس، جابر، ابو ہریرہ، انس اور وہب بن خنیش رضی
اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے، اور ان میں سے اکثر روایات میں
سوال کرنے والی عورت کا قصہ موجود نہیں ہے“

اور ہر زمانے میں صحابہ، تابعین، علما اور صالحین کا اس پر عمل رہا ہے چنانچہ وہ اس
اجر کو حاصل کرنے کے لیے رمضان میں عمرہ کرنے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔
(ب) اور یہ کہنا کہ یہ فضیلت اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو کسی رکاوٹ کی وجہ سے حج
کرنے سے عاجز آجائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کی نیت سچی ہو اور وہ کام
کرنے کے لیے پر عزم ہو اور اس نے اسباب بھی اختیار کر رکھے ہوں پھر بھی وہ
کسی سبب کے آڑے آنے سے عمل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت کی وجہ سے
ہی اسے اجر سے نواز دیتے ہیں، آپ اجر کے حصول کے لیے اس فضیلت کو کسی
زائد عمل یعنی رمضان میں عمرہ کی ادائیگی کے ساتھ کیسے منسلک کر سکتے ہیں جبکہ
اجر کے حصول کے لیے سچی نیت ہی کافی تھی!

(ج) جہاں تک رمضان میں عمرے کا حج کے برابر ہونے کا سوال ہے؟ اس کی تفصیل
حسب ذیل ہے۔

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ رمضان میں عمرہ کرنا، فریضہ حج کا متبادل نہیں
بن سکتا، یعنی جو رمضان میں عمرہ کر لیتا ہے اس سے فرض حج ساقط نہیں ہوگا جو کہ اللہ تعالیٰ

(۱) دیکھیں: رد المحتار: ۲/۴۷۳، مواہب الجلیل: ۲۹، المجموع: ۷/۱۳۸، المغنی: ۹۱،

کا حق ہے، اور حدیث میں رمضان کے اندر کیے گئے عمرے کو حج کے ساتھ اجر و ثواب میں مشابہت دی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رمضان میں عمرہ فرض کا متبادل ہے، بلکہ رمضان میں عمرہ اور حج کے ثواب میں برابری اور مساوات کا مطلب اجر کی مقدار ہے نہ کہ اجر کی جنس اور قسم، اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حج جنس عمل کے اعتبار سے عمرہ سے افضل ہے، لہذا جو رمضان میں عمرہ کرتا ہے اسے حج کے اجر کی مقدار کے برابر اجر تو حاصل ہو جائے گا لیکن عمل حج کی کچھ ایسی خوبیاں، فضائل اور امتیازی چیزیں ہیں جو عمرہ میں نہیں ہیں، جیسا کہ حج میں عرفہ کی دعا، ہجرات کو کنکریاں مارنا، اور جانور قربان کرنا وغیرہ اعمال ہیں، پس حج اور رمضان میں ادا کیا ہوا عمرہ دونوں ثواب کی مقدار میں تو برابر ہیں لیکن نوع اور کیفیت میں برابر نہیں ہیں۔

یہی توجیہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بیان کی ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ سورہ اخلاص کی تلاوت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: یہ حدیث رمضان میں عمرہ کے حج کے برابر والی حدیث ایسے ہی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھا تو اس نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا۔ (۱)

”مسائل الامام أحمد بن حنبل رواية أبي يعقوب الكوسج“ میں ہے کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا: جو کہتا ہے کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے، کیا یہ ثابت ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! بالکل ثابت ہے۔ (۲)

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ثابت ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا اور اس کا مطلب یہ کہ اس کے لیے حج کا اجر لکھا جاتا ہے لیکن وہ حاجی کے مقام و مرتبہ کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء في سورة الإخلاص، حدیث نمبر: ۲۸۹۹

(۲) مسائل الإمام أحمد بن حنبل رواية أبي يعقوب الكوسج: ۱/۵۵۳

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ تو معلوم ہے کہ آپ کے اس فرمان کا مطلب کہ تیرا رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے مساوی ہے اس وجہ سے ہے کہ وہ آپ کے ساتھ حج کا ارادہ کر چکی تھیں لیکن حج کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تو آپ نے صحابیہ کو اس چیز کی خبر دی جو حج کے قائم مقام ہو اسی طرح صحابہ میں سے جس کی یہ حالت تھی وہ بھی اس میں شامل ہو گا کوئی بھی عقل مند ایسا نہیں کہتا جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے کہ میقات یا مکہ سے ہم میں سے کسی کا عمرہ کر لینا حج کے برابر ہے کیونکہ یہ بات تو لازماً معلوم ہے کہ حج تا م رمضان میں عمرہ سے افضل ہے اور ہم میں سے اگر کوئی فرض حج کرے تو وہ آپ کے ساتھ حج کے برابر نہیں ہو سکتا تو عمرہ اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہے!! حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ہم میں سے کسی کا رمضان میں میقات سے کیا ہوا عمرہ حج کے برابر ہے۔ (۱)

عمرہ حج کا بدل ہر گز نہیں ہے

اس میں شک نہیں کہ عمرہ کی اپنی جگہ بہت فضیلت ہے لیکن سنت کبھی فرض کا متبادل نہیں ہو سکتا، فجر کی سنت پڑھ لینے سے فجر کی فرض نماز ساقط نہیں ہو جاتی، تین قل پڑھ لینے سے ایک قرآن کا ثواب مل جاتا ہے، لیکن پورا قرآن پڑھنے والا شمار نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ تین قل پڑھنے والا ۱۴۱ سجده نہیں کرتا ہے جبکہ پورا قرآن پڑھنے والا ۱۴۱ سجده کرتا ہے، اور حدیث میں رمضان کے اندر کیے گئے عمرے کو حج کے ساتھ اجر و ثواب میں مشابہت دی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ رمضان میں عمرہ فرض کا متبادل ہے، بلکہ رمضان میں عمرہ اور حج کے ثواب میں برابری اور مساوات کا مطلب اجر کی مقدار ہے نہ کہ اجر کی جنس اور قسم، اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حج جنس عمل کے اعتبار سے عمرہ سے افضل ہے، لہذا جو رمضان میں عمرہ کرتا ہے اسے حج کے اجر کی مقدار کے برابر اجر تو حاصل ہو جائے گا لیکن عمل حج کی کچھ ایسی

خوبیاں، فضائل اور امتیازی چیزیں ہیں جو عمرہ میں نہیں ہیں، جیسا کہ حج میں عرفہ کی دعا، جمرات کو نکلے مارنا، اور جانور قربان کرنا وغیرہ اعمال ہیں، پس حج اور رمضان میں ادا کیا ہوا عمرہ دونوں ثواب کی مقدار میں تو برابر ہیں لیکن نوع اور کیفیت میں برابر نہیں ہیں۔ پس عمرہ کر لینے کے بعد حج سے غفلت برتنا اور عمرہ پر مطمئن ہو جانا نہایت اہم فریضہ سے محرومی ہے، عمرہ خواہ عام دنوں میں کیا گیا یا ماہ رمضان میں وہ حج کا متبادل کسی صورت میں نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ نفل عمل فرض عمل کے قائم مقام نہیں ہے۔

کثرت عمرہ کا حکم

زندگی میں اگر موقع ملے تو بار بار عمرہ کا سفر کرنا بلا کراہت درست ہے، عمرہ کرنا ایک ایسی عبادت ہے جس کی شریعت میں کوئی تحدید نہیں کی گئی ہے، انسان پورے سال میں چند ایام کو چھوڑ کر جتنے چاہے عمرے کر سکتا ہے اور ایسی عبادتیں جن کی شریعت میں تحدید نہیں کی گئی ہے، ان میں کثرت مطلوب ہے، اس لیے ایک سے زائد عمرے کرنا ایک ہی سفر میں جائز ہے، اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں ہے، قرآن وحدیث سے اس کے بدعت ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، جو چیز فی نفسہ جائز ہو اس کو بلا دلیل بدعت یا ناجائز قرار دینا درست نہیں ہے۔

”لَاِنَّ الْاَصْلَ فِي الْاَشْيَاءِ الْاِبَاحَةُ، وَيُسْتَحَبُّ الْاِكْثَارُ مِنَ

العمرۃ - ولا باس بأن يعتمر في السنة مراراً (۱)

ایک احرام سے دو عمرے کرنے کا حکم

(۱) دو عمروں کے دو احرام (نیت وتلبیہ) ایک ساتھ باندھ لینا یا پہلے عمرہ کا طواف مکمل ہونے سے پہلے دوسرے عمرہ کی نیت کر لینا، اس سے دوسرا عمرہ خود بخود چھوٹ جائیگا، بلا نیت ترک یہ شخص دوسرے عمرہ کا تارک شمار ہوگا، جس سے اس

پرایک دم اور ایک عمرہ کی قضا لازم ہوگی۔

(۲) پہلے عمرہ کے طواف کے بعد سعی سے پہلے دوسرے عمرہ کی نیت کر لینے سے بھی یہی حکم ہے کہ ایک دم اور ایک عمرہ کی قضا لازم آئیگی۔

(۳) سعی کے بعد حلق سے پہلے دوسرے عمرہ کی نیت کر لیا تو دوسرے عمرہ کا ترک جائز نہیں ہے بلکہ پہلے عمرے کے حلق سے پہلے دوسرے عمرہ کے ارکان (طواف، سعی) سے فارغ ہو کر دونوں عمروں کا حلق ایک ساتھ کرنا لازم ہے، اور جمع بین العمرتین کی وجہ سے ایک دم لازم ہوگا، اور اگر دوسرے عمرے کے ارکان ادا کرنے سے پہلے، پہلے عمرہ کا حلق کر لیا تو بھی دوسرے عمرے کے ارکان ادا کرنا واجب ہے اور دوسرے عمرہ کے احرام میں پہلے عمرہ کا حلق کرنے کی وجہ سے ایک دم اور جمع بین العمرتین کی وجہ سے دوسرا دم دینا واجب ہے۔

عمرہ کا وقت مباح اور وقت مکروہ

(۱) عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے زندگی کے جس مرحلہ میں توفیق مل جائے عمرہ کرنا درست ہے، البتہ ایام حج (پانچ دن) ۹ رزی الحجۃ تا ۱۳ رزی الحجۃ میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے، چونکہ ان ایام میں حج میں مشغول رہنا ضروری ہے، البتہ مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک ان تین دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔

”إن وقت العمرة يتسع في جميع السنة... لكن يكره

أداؤها في خمسة أيام الخ“ (۱)

(۲) ایام حج میں عمرہ کا احرام باندھنا اہل مکہ و اہل جدہ جن کو حج نہیں کرنا ہے اور حاجی کا اعمال حج سے فارغ ہو کر ۱۰/۱۱/۱۲ رزی الحجۃ کو منیٰ میں قیام کرنے کے

بجائے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ سے فارغ ہو کر منی جانا، سودوں کے لیے ان ایام میں عمرہ منع ہے، جنہیں حج نہیں کرنا ہے ان کے لیے سارا سال عمرہ کے لیے پڑا ہے اس لیے ان ایام میں اعمال حج کرنے والوں کی عظمت میں عمرہ نہ کرنا واجب ہے، حاجی کو اعمال حج میں مشغول ہوئے بغیر اعمال عمرہ میں لگنا مکروہ

تحریمی ہے ”فشملت الکراہۃ للحاج وغیرہ تعظیماً لامر الحج“ (۱)

(۳) ایام مکروہہ (ایام حج) میں عمرہ کا احرام باندھ لے تو احرام کھول دینا لازم ہے اور احرام کھولنے کی وجہ سے ایک اور بعد میں قضا لازم ہے۔ ”فإذا رفضها

يلزمه دم للرفض وعمره مكانها لصحة الشروع“ (۲)

(۴) اگر ایام مکروہہ میں ہی عمرہ کر لے تو کراہت کے ساتھ عمرہ درست ہو جائیگا البتہ گناہ گار ہونے کے ساتھ ساتھ دم دینا واجب ہوگا۔ ”وعليه دم لارتكاب

النهي“ (۳)

(۵) اگر ایام مکروہہ گزرنے تک احرام کی حالت میں رکا رہا اور بعد میں عمرہ کر لیا تو عمرہ درست ہے اور کوئی دم واجب نہیں ہے۔ ”وإن لم يرفض ولم يطف

حتى مضى أيام التشريق ثم طاف لها أجزاء ولا دم عليه“ (۴)

(۶) ایام مکروہہ سے پہلے باندھے گئے عمرہ کے حرام سے ایام مکروہہ میں عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے، مثلاً قارن یا متمتع کا حج فوت ہونے پر ایام مکروہہ میں عمرہ کر کے احرام سے نکلنا درست ہے۔

”أما إذا أداها بإحرام سابق كما إذا كان قارناً ففاته الحج

(۱) غنية الناسك: ۱۹۷

(۲) البحر العميق: ۲۰۲۸/۴

(۳) غنية الناسك: ۱۸۷

(۴) البحر العميق: ۲۰۲۸/۴

وادی العمرة فی هذه الايام لا یکره (۱)

عمرہ کی میقات

عمرہ کی میقات حل ہے لہذا مکی و آفاقی کا حل سے احرام باندھنا درست ہے، لیکن اگر کوئی حد و حرم سے حل میں آجائے تو حد و حرم میں داخل ہونے کے لیے دوبارہ احرام باندھنا ضروری نہیں ہے۔

دوسرے کے لیے عمرہ کرنا

جس طرح عمرہ خود اپنے لیے کرنا عبادت اور ثواب کا کام ہے، اسی طرح دوسرے کو ثواب پہنچانے کے لیے بھی عمرہ کرنا جائز ہے۔

اور اگر کوئی شخص عمرہ پر قادر تھا، مگر اس نے عمرہ کرنے میں کوتاہی کی اور وہ عمرہ ادا نہیں کر سکا، یہاں تک کہ وہ عمرہ ادا کرنے سے قاصر و عاجز ہو گیا، اور آئندہ کے لیے اسے عمرہ کرنے کی قدرت نہ رہی، تو اسے حج بدل کی طرح دوسرے سے اپنا عمرہ کرانا یا عمرہ کی وصیت کرنا بھی جائز ہے، اور اس کے اخراجات بھی حج بدل کی طرح اس کے ذمہ ہیں اور اگر اس نے وصیت نہ کی ہو، تب بھی اس کو ثواب پہنچانے کے لیے اپنے مال سے اس کے لیے عمرہ کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر عمرہ پر جانے والے نے دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنے کا وعدہ کر لیا، تو اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس وعدہ کو پورا کرنا چاہیے۔ اور دوسرے کو ثواب پہنچانے کے لیے عمرہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عمرہ کر کے اس کو ثواب پہنچنے کی اللہ سے دعا کرے، یا احرام باندھتے وقت ہی دوسرے کی طرف سے عمرہ کی نیت کر لے۔ (۲)

کیا ایک سفر میں زیادہ عمرہ کر سکتے ہیں؟

حجاج کرام حج سے بہت پہلے حرم کی عبادت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے

(۱) البحر العمیق: ۴/۲۰۲۶

(۲) عمرہ کے فضائل و احکام: ۴۱

آجاتے ہیں اور بعض حج کے بعد بھی قیام کرتے ہیں اس مدت قیام جہاں دوسری عبادتیں درست ہیں وہیں متعدد عمرے کرنا بھی درست ہے، ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک وقفہ کی تحدید کتاب و سنت میں مذکور نہیں ہے۔ عمرہ کرنے والا جتنا وقفہ مناسب سمجھے اتنا وقفہ کر لے، لیکن بعض ظاہر پرست اپنی جہالت پر علم کا لبادہ چڑھا کر عام مجامع اور تقریروں میں کثرت عمرہ سے منع کرتے رہتے ہیں اس سلسلے میں احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمرہ ان تمام گناہوں کا کفارہ ہے جو موجودہ اور گذشتہ عمرہ کے درمیان سرزد ہوئے ہوں اور حج مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ" (۱)

یہ حدیث عام ہے مکہ مکرمہ میں مقیم اور مسافر دونوں کو شامل ہے اس حدیث کو دوسفروں میں دو عمروں کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ ہی حدیث میں۔

امام شوکانی کی تشریح:

امام شوکانی حدیث: "العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما" کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حدیث میں وضاحت ہے کہ کثرت عمرہ مستحب ہے برخلاف ان حضرات کے جو ایک سال میں ایک سے زائد عمرہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اور ان حضرات کے جو ایک مہینہ میں ایک سے زائد عمرہ کو مکروہ کہتے ہیں، مالکیہ کا استدلال یہ ہے کہ: آپ ﷺ نے کبھی ایک سفر میں ایک سے زائد عمرہ نہیں کیا اور آپ کا عمل یا تو واجب ہوگا یا سنت (اور جو اس

کے خلاف ہے ظاہر ہے وہ عمل سنت کے خلاف ہے) لیکن مالکیہ کی یہ دلیل غیر معتبر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ بہت سی مرتبہ مستحب عمل صرف امت پر مشقت کے خوف سے ترک فرمادیتے تھے:

”وفی الحديث دلالة على استحباب الاستكثار من الاعتبار خلافا لقول من قال: يكره أن يعتمر في السنة أكثر من مرة كالملكیة ولمن قال: يكره أكثر من مرة في الشهر من غيرهم واستدل المالکیة بأن النبي ﷺ لم يفعلها إلا من سنة إلى سنة، وأفعاله على الوجوب، أو الندب، وتعقب بأن المندوب لا ينحصر في أفعاله ﷺ، فقد كان يترك الشيء، وهو يستحب فعله لدفع المشقة عن أمته، وقد ندب إلى العمرة بلفظه، فثبت استحباب من غير تقييد“ (۱)

(۲) آپ ﷺ نے فرمایا: پے در پے حج اور عمرہ کرو۔ بے شک یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں، جس طرح (آگ کی) بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ حج مقبول کا ثواب صرف جنت ہے۔

”وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَتَفَيَّانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَتَفَيَّ الْكَبِيرُ حَبَثَ الْحَدِيدِ، وَالذَّهَبِ، وَالْفُضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ دُونَ الْجَنَّةِ“ (۲)

(۱) نیل الأوطار: ۲۸۳/۳-۲۸۴

(۲) مسند أحمد، مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، حديث نمبر: ۳۶۶۹، محقق شعيب

ارنوط نے اس روایت کو صحیح غیرہ کہا ہے۔

یہ حدیث بھی اپنی عمومیت کی وجہ سے ایک سفر میں متعدد عمروں کو شامل ہے۔
 (۳) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں! ان پر وہ جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں: حج اور عمرہ۔“

”وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَلْ عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ؟ قَالَ: نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيهِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ“ (۱)
 اس میں عمرہ کو جہاد کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور معلوم ہے کہ ایک سفر میں متعدد غزوات درست ہیں، جیسے ایک سفر میں متعدد غزوات درست ہیں وقفہ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔
 (۲) حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لگا تار حج اور یکے بعد دیگرے عمرے بری موت اور فقر کی تنگدستی کو دور کرتے ہیں: ”حجج تتری وعمر نسقا تقى ميتة السوء وعلية الفقر“ (۲) حافظ ابن حجر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ: باب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بکثرت عمرے کرنا مستحب ہے۔ ”وفی حدیث الباب دلالة استحباب الاستكثار من الاعتمار“ (۳)
 (۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ہر ماہ دو مرتبہ عمرہ کرو، حضرت انس رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے بعد اتنا وقفہ کرتے تھے کہ سر کے بال ظاہر ہونے لگیں، جب بال نکل آتے تو عمرہ کے لیے آجاتے۔ (۴)

(۱) سنن ابن ماجہ، باب الحج جہاد النساء، مسند أحمد، حدیث نمبر: ۲۹۰۱، مسند الصدیقة بنت الصدیق، حدیث نمبر: ۲۵۳۲۲، علامہ بوسیری نے البدو المنیر: ۳۶/۹ میں کہا ہے کہ اس روایت کو ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے، امام نووی نے شرح المہذب میں اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) مصنف عبدالرزاق، باب فضل الحج، حدیث نمبر: ۸۸۱۵

(۳) فتح الباری لابن حجر، باب غسل المذی والوضوء عنه: ۳/۷۹، دار المعرفۃ بیروت

(۴) مسند الشافعی، باب میقات العمرۃ المکانیو الزماني، حدیث نمبر: ۷۷۸

امام نووی کا فتویٰ: مذہب شافعی کے ترجمان مشہور محدث حضرت امام نووی فرماتے ہیں: حاجی کے لیے مناسب ہے کہ ارکان حج کے ادا کرنے کے بعد جتنے دن مکہ میں قیام کا موقع ملے اسے غنیمت سمجھے اور کثرت سے عمرہ اور طواف کرتا رہے:

"فینبغي للحاج أن يغتنم بعد قضاء مناسكه مدة مقامه بمكة"

ويستكثر من الاعتمار ومن الطواف في المسجد الحرام" (۱)

یہی فتویٰ حضرات صحابہ میں حضرت علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، عائشہ رضی اللہ عنہا، طاؤس، عکرمہ رضی اللہ عنہما کا ہے۔ (۲)

امام مالک کا مسلک: البتہ حضرت حسن بصری، ابن سیرین، اور امام مالک رحمہ اللہ نے سال میں دو مرتبہ عمرہ کرنے کو مکروہ کہا ہے: "لا أرى لأحد أن يعتمر في السنة مرارا" (۳) جبکہ جمہور علماء نے اور مالکی علماء میں سے بہت سے علماء نے بلا کراہت تکرار عمرہ کو جائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ حدیث ہے کہ "ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہے" علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جس نے اس تکرار عمرہ کو مکروہ قرار دیا ہے مجھے نہیں معلوم کہ اس کے پاس کتاب و سنت کی کوئی دلیل ہے جو واجب التسليم ہو:

"وأجاز الجمهور وكثير من المالكية التكرار بلا كراهة للحديث"

السابق العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما حتى بالغ ابن عبد

البر فقال: لا أعلم أحدا ممن كره ذلك حجة من كتاب ولا

سنة يجب التسليم" (۴)

(۱) الايضاح في مناسك الحج والعمرة

(۲) حج و عمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح: ۶۲

(۳) موطا مالک، کتاب الحج: ۲۵/۷

(۴) اوجز المسالك: ۲۵/۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چار عمرہ کرنا تحدید شرعی نہیں ہے

(۱) یہ بات کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سفر میں ایک عمرہ کرنا دلیل ہے کہ ایک سے زیادہ درست نہیں ہے یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ”ایک سفر میں ایک عمرہ کرنا“ اس لیے نہیں تھا کہ ایک سے زیادہ عمرہ درست نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا، عمر بھر میں چار عمروں سے زیادہ عمرے کرنا درست نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد چار ہی عمرے کیے ہیں اگر چار سے زائد درست ہوتے تو ضرور مزید عمرے کرتے۔

(۲) یہ بھی لازم آئے گا کہ حج کے سفر میں طواف وداع کے علاوہ چھ طواف سے زیادہ اور عمرے کے سفر میں ایک طواف سے زیادہ طواف کرنا درست نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کے سفروں میں اتنے ہی طواف کیے ہیں اور معلوم ہے کہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ لہذا ایک سفر میں متعدد عمرے درست نہ ہونے کا قول بھی صحیح نہیں ہے، پس زندگی میں چار عمروں سے زیادہ عمرے کرنا درست ہے اور ایک سفر میں ایک سے زیادہ عمرے کرنا بھی درست ہے۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”استحباب کا ہونا آپ کے کرنے پر منحصر نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بعض اوقات کسی عمل کو اس لیے چھوڑ دیتے تھے کہ امت مشقت میں نہ پڑ جائے، عمرہ کی تکرار آپ کے ارشادات کے بغیر کسی قید سے ثابت ہے، اسی لیے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام ایام میں عمرہ جائز ہے بشرطیکہ وہ حج کے مناسک میں مشغول نہ ہو، البتہ حنفیہ کے نزدیک یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق میں عمرہ مکروہ ہے“ (۱)

الحاصل اس مقدس سرزمین پر اس قسم کے مسائل میں الجھنا یا الجھانا دین کی

خدمت نہیں بلکہ دین سے بیزاری اور باہمی کشیدگی پیدا کرنا ہے جس سے اجتناب کلی ضروری ہے۔

نفل حج و عمرہ افضل ہے یا صدقہ؟

اگر ایک شخص فرض حج ادا کر چکا ہو تو اب اس کے حق میں نفل حج یا عمرہ کرنا بہتر ہے یا کسی ضرورت مند پر اس رقم کا صدقہ کر دینا، یا کسی اور ایسے شخص کو اپنی طرف سے حج یا عمرہ پر بھیجنا جس نے ابھی تک حج نہیں کیا ہے؟

اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بار بار حج و عمرہ کی استطاعت نہیں ہے اور اتفاق سے اس کی سہولت میسر آگئی ہے تو حج یا عمرہ کر لینا بہتر ہے، بشرطیکہ شریعت نے جو حقوق اس سے متعلق کیے ہیں وہ متاثر نہ ہوں، اگر اس کے اندر بار بار حج و عمرہ کی استطاعت ہو اور کسی ضرورت مند کی ضرورت سامنے ہو تو صدقہ کے ذریعہ اس ضرورت کو پورا کرنے میں زیادہ اجر و ثواب ہے، چنانچہ علامہ برہان الدین بخاری حنفی لکھتے ہیں:

”اگر کوئی شخص ایک بار حج کر چکا ہو پھر دوبارہ حج کرنا چاہے تو اس کے لیے دوبارہ حج کرنا افضل ہے یا صدقہ کرنا؟ تو راجح یہ ہے کہ صدقہ کرنا افضل ہے، اس لیے کہ صدقہ کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہے جبکہ حج کا نفع اس کی ذات تک محدود رہتا ہے۔“ (۱)

فقہ ابو الیث سمرقندی رحمہ اللہ نے بھی اس پر فتویٰ دیا ہے (۲) نیز سیدنا حضرت حسین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: میں مدینہ کے کسی گھروالوں کو ایک ماہ تک روزانہ ایک یا دو صاع کھانے کی چیز فراہم کروں یہ بات مجھے ایک حج کے بعد دوسرا حج کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۳) ایسی صورت میں اس کو صدقہ کا بھی اجر حاصل ہوگا اور چوں کہ

(۱) المحيط البرہانی: ۳/۹۹۹

(۲) فتاویٰ تاتارخانیہ: ۹/۲۸۶

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الحج، باب فی الصدقة والعق، حدیث نمبر: ۱۳۳۵۱

اصل ارادہ اس کا حج یا عمرہ کا تھا اس لیے ان شاء اللہ نیت کی وجہ سے اس کو حج یا عمرہ کا اجر بھی حاصل ہوگا۔

امام مالک سے پوچھا گیا کہ حج کرنا افضل ہے؟ یا صدقہ کرنا تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حج کرنا افضل ہے (جبکہ حج فرض ہو) لیکن اگر حج فرض نہ ہو بلکہ نفل ہو تب تو نفل حج کرنے سے صدقہ کرنا افضل ہوگا۔

”فقہی مواہب الجلیل: سئل مالک عن الحج والصدقة

أيهما أحب إليك فقال: الحج إلا أن تكون سنة جماعة“۔

اگر کوئی ایسا ضرورت مند شخص سامنے نہ ہو لیکن ایک شخص جس نے حج یا عمرہ نہ کیا ہے اور زیارت حرمین شریفین کا آرزو مند ہو تو خود نفل حج کرنے کے بجائے اس کو اپنا نائب بنا کر بھیج دینے میں زیادہ ثواب ہے، اس میں اس کو حج کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور ایک مسلمان کی آرزو پوری کرنے اور اس کی دلداری کرنے کا اجر بھی۔ (۱)

علامہ حطابی رحمہ اللہ کی عبارتوں کا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو نفل حج کرنا ہی افضل ہے لیکن اگر خود اپنے ذمہ میں مالی حقوق ہوں (جیسے قرض، بہنوں کی میراث، پارٹنرس کا مال، سالہا سال کی زکوٰۃ) یا رشتہ داروں میں سخت حاجت مند لوگ موجود ہوں یا علاقے میں قحط سالی بھوک مری ہو تو افضل یہ ہی ہے کہ صدقہ کیا جائے اس میں بھی شاید اگر اہل علم کا استثناء ہو سکتا ہے، کیونکہ ان کا فضل حج کے لیے بھی جانا عوام الناس کے حج کی درستگی کا ذریعہ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

”شرعی طریقہ پر حج کرنا اس صدقہ سے افضل ہے جو واجب نہیں، لیکن اگر اس کے اقرباء و رشتہ دار محتاج ہوں تو ان پر صدقہ کرنا افضل ہوگا، اور اسی طرح اگر کوئی قوم اس کے نفقہ کے محتاج ہوں، لیکن اگر دونوں

ہی نفلی ہوں تو اس حالت میں نفلی حج افضل ہوگا کیونکہ یہ بدنی اور مالی عبادت ہے۔ (۱)

قال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمہ اللہ: والحج على الوجه المشروع أفضل من الصدقة التي ليست واجبة - وأما إن كان له أقارب محاييج فالصدقة عليهم أفضل، وكذلك إن كان هناك قوم مضطرون إلى نفقته، فأما إذا كان كلاهما تطوعا فالحج أفضل لأنه عبادة بدنية مالية“

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے مندرجہ ذیل سوال پوچھا گیا:

کیا مسجد بنانے کے لیے چندہ دینا افضل ہے یا اپنے والدین کی جانب سے حج کی ادائیگی کرنا؟ شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب تھا:

جب مسجد کی تعمیر انتہائی ضروری ہو تو نفلی حج کے اخراجات اس مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنا افضل اور بہتر ہیں کیونکہ اس کا فائدہ زیادہ اور ہمیشگی والا ہے اور اس میں نماز کی ادائیگی میں مسلمانوں کا تعاون بھی ہے، لیکن اگر مسجد کی تعمیر میں وہ خرچہ یعنی نفلی حج کے اخراجات صرف کرنا انتہائی ضروری نہ ہوں وہ اس طرح کہ حج والے کے علاوہ کوئی اور بھی اس تعمیر کے اخراجات برداشت کرنے والا ہو اور وہ خود یا کوئی ثقہ آدمی اس کے والدین کی جانب سے حج بھی نفلی کرنا چاہتا ہو تو ان شاء اللہ افضل اور بہتر یہی ہے کہ حج کرے۔ (۲)

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نفل حج کرنے سے بہتر ہے کہ کسی کو اپنا فرض حج ادا کرنے کا موقعہ دیا جائے اس طرح بھی اس کو حج کرنے کا ثواب مل جائے گا۔

(۱) الاختیارات: ۲۰۶

(۲) مجموع فتاویٰ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ: ۱۶-۳۶۸

وقد أفتى العلامة العثيمين أن تمكين الغير من حج الفريضة
أولى من أن يحج الإنسان حجة التطوع.

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا واقعہ

عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ ایک دفعہ حج کے لیے نکلے تو راستہ میں ایک پرندہ مر گیا، آپ نے اسے کوڑے دان میں ڈال دینے کا حکم دیا، اس کے بعد ساتھی آگے نکلے، ابن مبارک وہیں ٹھہرے ہوئے رہے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ کوڑے دان پر ایک لڑکی آئی، اور اس مردہ پرندہ کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئی، عبداللہ بن مبارک اس کے پیچھے گئے، اس کے احوال دریافت کیے، تو لڑکی نے اپنی بد حالی کا تذکرہ کیا اور کہا کہ چند دنوں سے تو ایسی حالت ہو گئی کہ ہمارے لیے مردار حلال بھی ہو گیا ہے، ہمارے والد کے پاس جو کچھ مال تھا، لوگوں نے ظلم کر کے ان سے مال چھین لیا، اور انھیں قتل بھی کر دیا، ان حالات کے سننے کے بعد ابن مبارک نے خازن کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ نفقہ و خرچ کتنا ہے؟ خازن نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار، ابن مبارک نے فرمایا: ہمارے مرد تک پہنچنے کے لیے بیس (۲۰) دینار کافی ہیں، یہ رکھ لو، اور بقیہ رقم اس عورت کو دے دو، خازن نے اسی طرح کیا، اس کے بعد ابن مبارک نے فرمایا: اس سال ہمارے لیے حج کرنے سے زیادہ افضل یہ تعاون کرنا ہے۔ (۱)

غور کیجیے! ابن مبارک اپنے وقت کے محدث و فقیہ نے حج جیسی عظیم عبادت کے بجائے غریب کی امداد کو اہمیت دی، اور محتاج و مضطر کا تعاون فرمادیا، اور حج کا ارادہ ملتوی فرمادیا، نیز یہ بھی فرمایا کہ ایسے موقع پر جب کہ ہمارے ارد گرد ہمارے پڑوس میں محتاجوں کے گروہ رہتے ہوں، تو ہمیں نفلی حج کے لیے کوشش کرنے کے بجائے ان محتاجوں کی امداد پر توجہ دینا، ان فقراء کی خبر گیری کرنا، ان کی ضروریات پورا کرنا زیادہ افضل ہے، اس واقعہ میں ان مالداروں کے لیے انتہائی عبرت ہے کہ جو لاکھوں روپے

نفل حج و عمرہ میں لگانے میں مصروف ہیں، اور اپنے محتاج پڑوسیوں کی خبر گیری نہیں کرتے، اپنے غریب رشتہ داروں پر کچھ خرچ نہیں کرتے، پڑوس میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو سودی قرضوں میں مبتلا ہیں، کتنے ہی رشتہ دار اور محتاج ایسے ہیں جو ہسپتالوں کے چکر کاٹ رہے ہیں، کئی مریض تو ایسے ہیں جنہیں دوائی کے لیے رقم دستیاب نہیں ہے، کئی بے بس مریض تو اس حال تک پہنچ گئے ہیں کہ غربت کی وجہ سے امراض کا علاج کرانے سے عاجز ہیں اور موت ہی کے انتظار میں بسر مرگ پر پڑے ہوئے ہیں، ویسے میں زائد نفلی حج و عمرہ میں ایک کثیر تعداد میں مال صرف کرنا مزاج شریعت کے خلاف اور خواہش نفس کی تکمیل ہے، اس صورت میں عبد اللہ بن مبارک کا طرز عمل قابل اتباع ہے۔

حضرت ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی حج کے لیے جا رہے تھے۔ جب ہم کوفہ پہنچے میں ضرورت کا کچھ سامان لینے کے لیے بازار گیا بازار سے تھوڑا آگے ایک ویران سی جگہ پر میں نے ایک خچر مرا ہوا پڑا دیکھا اور ایک عورت اس کے پاس بیٹھی ہے اور وہ عورت چاقو سے اس خچر کا گوشت کاٹ کاٹ کر اپنی زنبیل میں ڈال رہی تھی، میں نے جب یہ سب دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے سوچا اس عورت کو دیکھنا ہوگا کہیں یہ عورت یہ گوشت لوگوں کو پکا کر کھلاتی نہ ہو۔ اصل بات جاننے کے لیے وہ اس عورت کے پیچھے خاموشی سے چلنے لگے آخر وہ چلتے چلتے ایک مکان کے پاس رکی اور اس نے دروازے پر دستک دی دروازہ ایک خستہ حال لڑکی نے کھولا عورت نے زنبیل اس کو دے کر کھا اس کو پکا لو اور خدا کا شکر ادا کرو۔ انہوں نے دروازے کی درز سے جھانکا تو معلوم ہوا کہ وہاں رہنے والے ایک خستہ حال اور غریب لوگ ہیں۔ لڑکی نے وہ گوشت لیا اور اسے کاٹ کر آگ پر بھوننے لگی یہ دیکھ کر حضرت ربیع کو بہت تکلیف ہوئی، انہوں نے باہر سے آواز لگائی، اے اللہ کی بندی! اللہ کے واسطے اس کو نہ کھانا۔ اس نے پوچھا تو کون

ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں ایک پردیسی ہوں۔ اس نے پوچھا تو ہم سے کیا چاہتے ہو؟ سال سے ہمارا کوئی مددگار نہ کوئی والی ہے تو کیا چاہتا ہے؟

آپ نے کہا، مجوسیوں کے ایک فرقے کے سوامردار کا کھانا کسی مذہب میں جائز نہیں ہے، وہ کہنے لگی، ہم خاندان نبوت کے شریف (سید) ہیں، میری چار بیٹیاں ہیں ان کے باپ کی خواہش تھی کہ وہ ان کا نکاح اپنے جیسے ہی لوگوں میں کر دے گا مگر اس کا انتقال ہو گیا۔ ہم جانتے ہیں کہ مردار کھانا جائز نہیں ہے لیکن اضطرار میں جائز ہوتا ہے۔ ہم چار دن کے فاقہ سے ہیں۔ حضرت ربیع ؓ یہ سن کر بہت بے چین ہو گئے وہ واپس گئے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے اپنے حج کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے اور تمام سامان حج کا چادریں اور احرام وغیرہ وہ سب لیا اور نقد چھ سو درم تھے وہ لیے اور ان میں سے سو درم کا اثا خرید اور باقی درم آٹے میں چھپا کر اس عورت کے گھر پہنچے اور یہ سب سامان اور اثا وغیرہ اس کو دے دیا، اس عورت نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا اے ابن سلیمان! اللہ تمہارے پچھلے گناہ معاف کرے اور تجھے حج کا ثواب عطا کرے اور تجھے جنت میں جگہ عطا کرے۔ اور ایسا بدلہ دے کہ تمہیں بھی ظاہر ہو جائے۔ حضرت ابن ربیع ؓ کہتے ہیں کہ حج کا قافلہ روانہ ہو گیا میں ان سے دعا کرانے وہیں رکا رہا حج پر نہ جانے کے دکھ اور صدمہ سے میری آنکھوں میں سے آنسو نکل آئے۔ جب میں قافلہ سے ملتا تو میں نے انہیں دعا دی کہ اللہ تمہارا حج قبول کرے اور تمہارے اخراجات کا بدلہ عطا فرمائے، وہ سب یہ سن کر بہت حیران ہوں۔

حضرت ربیع ؓ نے کہا یہ اس آدمی کی دعا ہے جو حاضری کے لیے دروازے سے واپس آ گیا، وہ کہنے لگے کہ کیا تم انکار کرتے ہو کہ تم عرفات کے میدان میں ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ تم نے ہمارے ساتھ طواف نہیں کیا؟ حضرت ربیع ؓ یہ سب سن کر بہت حیران ہوئے کہ میں توجج کے لیے گیا ہی نہیں مگر ان سب کے کہنے کے مطابق میں وہیں تھا کہ اتنے میں ان کے قافلہ کا ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے

لگا جب ہم باب جبریل سے باہر آرہے تھے لوگوں کی بکثرت موجودگی کی وجہ سے آپ نے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی، جس کی مہر پر لکھا ہوا ہے، جو ہم سے معاملہ کرتا ہے نفع کماتا ہے، یہ کہہ کر اس نے وہ تھیلی ان کو دے دی، آپ نے وہ تھیلی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اس کے بعد آپ گھر آئے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی تسبیحات مکمل کیں اور اسی سوچ بچار میں لیٹ گئے کہ ماجرہ کیا ہے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی اور آپ کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ، اے ربیع!، آخر ہم کتنے گواہ اس پر قائم کریں کہ تو نے حج کیا ہے؟ تو مانتا ہی نہیں، بات یہ ہے کہ، جب تو نے اس عورت پر، جو میری اولاد تھی، خرچ کیا اور اپنا حج کا ارادہ ملتوی کیا، تو اللہ نے اس کا نعم البدل تجھے عطا فرمایا، اللہ نے ایک فرشتہ تیری صورت بنا کر، اس کو حکم دیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے اور دنیا میں تجھے یہ عوض دیا گیا کہ چھ سو درم کے بدلے چھ سو دینار اشرفیاں عطا کیں، ربیع کہتے ہیں کہ جب میں سو کر اٹھا تو میں نے اس تھیلی کو کھول کر دیکھا تو اس میں چھ سو اشرفیاں تھیں۔ (۱)

کثرت عمرہ افضل ہے یا کثرت طواف؟

مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں کثرت عمرہ کے مقابلہ میں کثرت طواف بالاتفاق افضل ہے بشرطیکہ طواف میں عمرہ جتنا وقت صرف کرے چونکہ

[۱] طواف مستقل بالذات عبادت ہے کہ اس کے لیے نہ احرام شرط ہے، نہ سعی اور نہ ہی حلق جبکہ عمرہ میں یہ تمام اعمال ضروری ہیں۔

”اکثار الطواف أفضل من اکثار الاعتمار لكونه مقصودا

بالذات“ (۲) ”والطواف افضل من العمره اذا شغل به مقدار

(۱) فضائل حج، مولانا زکریا علیہ الرحمہ

(۲) غنیۃ الناسک ۲۰۰

زمن العمرة وتمامه في المنحة ورد المختار وقد قيل سبع

أسابيع من الاطوفة كعمرة“ (۱)

[۲] طواف ہر سال، ہر مہینہ، ہر وقت جائز ہے جبکہ عمرہ ایام حج میں منع ہے۔

”ولمشر وعيته في جميع الحالات“ (۲)

[۳] بعض علماء نے ایک سال میں ایک سے زائد عمرہ کو مکروہ قرار دیا ہے اگرچہ یہ قول

مرجوح ہے مگر اختلاف فقہاء موجود ہے۔ ”ولكرهه بعض العلماء

اکثارها في سنة“ (۳)

[۴] کثرت عمرہ بالذات مقصود نہیں ہے، اگر کثرت عمرہ بالذات مقصود ہوتا تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ کبھی اپنے سفر میں دو، تین عمرہ کر لیتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

سفر میں ایک عمرہ فرمایا ہے۔

اشہرج میں کثرت عمرہ

(۱) مکی وغیر مکی، حاجی وغیر حاجی کا اشہرج میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت درست

ہے، ممانعت صرف ایام حج میں عمرہ کرنے کی ہے۔

”لان العمرة جائزة في جميع السنة بلا كراهة الا في خمسة

ايام لا فرق في ذلك بين المكي والافاقى“ (۴)

(۲) حج تمتع کرنے والے کا اشہرج میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت درست ہے، بار بار کے

عمرہ سے تمتع باطل نہیں ہوگا بلکہ آخری عمرہ کے ذریعہ حج تمتع درست ہو جائے گا۔

”ويعتمر قبل الحج ماشاء“ (۵)

(۱) غنية الناسك: ۷۴

(۲) غنية الناسك: ۲۰۰

(۳) غنية الناسك: ۲۰۰

(۴) غنية الناسك: ۱۱۵

(۵) غنية الناسك: ۲۱۵

اشہر حج میں عمرہ کرنے سے حج کی فرضیت؟

اشہر حج یعنی حج والے مہینے جن میں حجاج کرام سفر حج کے لیے روانہ ہوتے ہیں اور حج کی تیاری میں لگے رہتے ہیں اور شریعت نے شوال ذیقعدہ ذی الحج کو اشہر حج قرار دیا ہے۔

ان مہینوں اور ایام میں اگر کوئی شخص عمرہ کر لیتا ہے (پہلے سے وہاں مقیم رہنے کے باعث یا انہی دنوں میں عمرہ میسر ہونے کے باعث جیسے بھی ہو) تو ان اشہر حرم میں عمرہ کر لینے سے حج فرض نہیں ہوتا۔

اس میں کسی عالم کا اختلاف بھی نہیں ہے، چاہے اسی سال اس کی حج کی نیت بھی ہو یا نہ ہو۔

تجاوز العمرة في أشهر الحج من غير خلاف بين العلماء، لا فرق في ذلك بين أن ينوي الحج في عامة أو لا ينوي ذلك.

خود اللہ کے نبی ﷺ کا عمل دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ چار عمرہ ادا کیے چاروں کے چاروں اشہر حج میں ادا کیے۔ تین ذیقعدہ میں اور ایک حج کے ساتھ ذی الحج کے مہینہ میں (لیکن جس کا احرام بھی وہ ذیقعدہ میں شروع ہو چکا تھا)۔

عن أنس رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ اعتمر أربع عمر كلهن في ذي القعدة الا التي مع حجته۔ الخ (۱)

اگر شہر حج میں عمرہ کرنا فرضیت حج کا سبب ہوتا تو حضور اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بعد ضرور حج بھی ادا کرتے۔

شارح مسلم علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء اس حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ذیقعدہ میں عمرہ کرنا، اس مہینہ کی فضیلت کی وجہ سے تھا، نیز زمانہ جاہلیت کی اس رسم کی مخالفت میں تھا جس کو کفار و مشرکین ذیقعدہ میں عمرہ کرنے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے،

تو اس رسم کی مخالفت و ابطال کے لیے حضور نے ذیقعدہ میں عمرہ ادا کیا ہے۔

قال العلماء وإنما اعتمر النبي ﷺ هذه العمره في ذي القعدة الفضيلة هذا الشهر ولمخالفة الجاهلية في ذلك فإنهم كانوا يرونه من أفجر الفجور... ففعله ﷺ مرات في هذه الأشهر ليكون أبلغ في بيان جوازه فيها وأبلغ في إبطال ما كانت الجاهلية عليه۔ (۱)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

”بعض اوقات لوگ شوال، ذوالقعدہ میں مکہ مکرمہ آجاتے ہیں ان پر فرض ہوتا ہے، لیکن ان کا ویزا زمانہ حج کا نہیں ہوتا ہے اور قانونی اعتبار سے وہ حج تک نہیں رک سکتے، ایسی صورت میں اگر ان پر حج فرض باقی ہو تو تب تو آب کو پوری پوری کوشش کرنی چاہیے کہ کس طرح وہ حج کر لی، لیکن اگر قانونی مجبوری کے تحت حج تک اس کا قیام ممکن نہ ہو تو پھر حج اس پر فرض نہیں ہوگا، اس لیے کہ استطاعت سبیل جس کو قرآن نے حج فرض ہونے کے لیے شرط قرار دیا ہے، اس کے حق میں مفقود ہے، نیز بعض حضرات کی غلط فہمی کے پیش نظر عرض ہے کہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ حج ادا کر چکے ہیں ان پر حج کے زمانہ میں عمرہ کرنے کی وجہ سے دوبارہ حج فرض نہیں ہو جاتا ہے۔“ (۲)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

”اگر شوال وہیں شروع ہو گیا اور اس کے پاس حج کے مصارف بھی ہوں تو حج فرض ہو جائے گا، اگر حکومت کی طرف سے حج تک ٹھہرنے کی

(۱) النووی فی شرح

(۲) جدید فقہی مسائل: ۲۵۲، نعیمیہ

اجازت نہ ہو تو فرضیت حج میں اختلاف ہے، رائج یہ ہے کہ اس پر حج بدل کرانا فرض ہے مکہ مکرمہ ہی سے حج کرادئے، بعد میں خود حج کی استطاعت ہوگئی تو دوبارہ کرے۔“ (۱)

زبدۃ المناسک میں ہے:

”جب مکہ مکرمہ میں آکر داخل ہوا اور کعبۃ اللہ شریف میں آپہنچا تو اب اس پر فرضیت حج متعین ہو جائے گی بالاتفاق۔۔۔ لیکن اس فقیر پر یہ فرضیت حج بالاتفاق تب ہوگی جب اشہر حج میں آکر کعبۃ اللہ شریف میں پہنچا ہو اور ایام حج کا خرچہ کھانے کا بھی رکھتا ہو اور عرفات پر پیادہ جانے کی قدرت بھی رکھتا ہو الخ“ (۲)

الغرض اشہر حج مثلاً: شوال میں عمرہ کرنے کے بعد ایام حج تک رکنے کے مصارف و اسباب مہیا ہو جائیں تو حج فرض ہے ورنہ حج فرض نہیں ہے، البتہ اسباب تو مہیا ہیں لیکن حکومت کی طرف سے اجازت نہیں مثلاً ویزا ختم ہو گیا ہے تو بعض فقہاء نے اس صورت میں فرضیت حج کا فتویٰ دیا ہے جبکہ بعض فقہاء نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ (۳)

حج سے پہلے عمرہ کی ممانعت کی حیثیت

ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ رسول ﷺ نے حج سے پہلے عمرہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر اولاً تو اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور دوسرے صحیح احادیث میں نبی ﷺ سے حج سے پہلے عمرہ کرنا ثابت ہے اس لیے یہ حدیث صحیح احادیث کے بھی خلاف ہوئی۔ البتہ اگر اس حدیث کا یہ مطلب مراد لیا جائے کہ جس پر حج فرض ہو اور اس کو حج کرنے سے کوئی عذر بھی نہ ہو، تو اسے حج کا فرض ترک کر کے عمرہ کرتے رہنا منع ہے، تو

(۱) احسن الفتاویٰ: ۵۱۹/۴، فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳۶۸/۳

(۲) زبدۃ المناسک: ۲۱، فتاویٰ عثمانی: ۶۰۲/۲، حاشیہ

(۳) ملخص از: کتاب المسائل: ۸۴/۹، نیز دیکھیے: عمرہ کے فضائل احکام: ۳۰

اس حد تک اس حدیث کا مفہوم درست ہو سکتا ہے۔ (۱)

عمرہ کے سفر سے واپسی پر طواف و داع کا حکم

طواف و داع یعنی رخصت ہوتے وقت طواف و داع کرنے کا اصل حکم توج کرنے والے کے لیے ہے۔ جہاں تک عمرہ کرنے والے کے لیے واپسی کے وقت طواف و داع کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک عمرہ کرنے والے کو واپسی کے وقت طواف و داع واجب یا سنت نہیں، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے۔ اور حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عمرہ سے فارغ ہو کر واپس جانے والے کو طواف و داع واجب یا سنت ہے۔ بہر حال اختلاف سے بچنے کے لیے عمرہ کرنے والے کو واپسی کے وقت ایک طواف کر لینا بہتر ہے، ضروری نہیں۔

تعمیم سے عمرہ کی شرعی حیثیت

آج کل زائرین حرم اور حجاج کرام کے درمیان بعض حضرات یہ غلط فہمی پھیلاتے رہتے ہیں کہ تعمیم سے عمرہ درست نہیں، بدعت ہے، حالانکہ جمہور امت کے نزدیک تعمیم (مسجد عائشہ) سے عمرے کرنا جائز ہے، افضلیت میں اختلاف ہے، کہ مکہ کا رہنے والا (چاہے باہر سے وہاں آیا ہو یا مستقل مقیم ہو) عمرہ کا احرام حل میں سے کہاں سے باندھے؟ صرف علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ اور امام طاووس رحمہ اللہ کی رائے تھو پنا وحدت امت کو بکھیرنے کی مذموم کوشش ہے، ذیل میں اس موضوع کو ہر طرح مدلل کیا گیا ہے۔ واللہ هو الہادی الی سواء السبیل۔

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص مکۃ المکرمہ میں ہو خواہ وہ مکہ سے باہر کا رہنے والا ہو یا خود مکہ کا رہنے والا ہو، اگر عمرہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو حل (حدود حرم اور میقات عمرہ کے درمیانی جگہ) سے احرام باندھنا لازم ہوگا (۲) البتہ مقام جعرانہ سے

(۱) عمرہ فضائل و احکام: ۲۸-۲۹

(۲) الفقہ علی المذاهب الاربعہ: ۱/۶۱۸

عمرہ کا احرام باندھنا شوافع اور مالکیہ کے نزدیک افضل ہے اور فقہاء احناف و حنابلہ کے نزدیک تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے (۱) اور مطلقاً جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے؛ چنانچہ صحابہ میں حضرت عائشہ، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، ام الدرداء، جابر بن عبد اللہ، ابن عمر، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عکرمہ وغیرہم کا، اور تابعین میں حضرت قاسم بن محمد، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، طاووس وغیرہم رضی اللہ عنہ کا، اور چاروں اماموں کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ:

مذہب فقہاء

مسک حنفی: مکی اور آفاقی کے لیے عمرہ کا میقات حل ہے البتہ تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے:

"مِيقَاتُ الْعُمْرَةِ لِمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ الْحُلِّ وَأَفْضَلُهُ التَّنْعِيمُ لَوْ رُوِيَ" (۲)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقہاء کی ایک جماعت کا تو مسلک یہ ہے کہ مکی کا میقات عمرہ کے لیے صرف تنعیم ہے:

"ذَهَبَ قَوْمٌ إِلَى أَنَّهُ لَا مِيقَاتَ لِلْعُمْرَةِ لِمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ إِلَّا التَّنْعِيمُ" (۳)

مسک مالکی: فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونة الکبریٰ میں ہے کہ مکہ کا میقات عمرہ کے لیے جعرانہ یا تنعیم ہے "مِيقَاتُ الْعُمْرَةِ لِمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ الْجَعْرَانَةِ أَوْ التَّنْعِيمِ" (۴) حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء کے نزدیک عمرہ کا احرام حل کے علاوہ (حرم) سے باندھنا درست نہیں ہے، مکی اور غیر مکی اس حکم میں برابر ہے البتہ حل میں دور یعنی

(۱) الفقہ علی المذاهب الاربعہ: ۱/۶۱۸، بحوالہ فتاویٰ قاسمیہ: ۲۲۶/۱۴

(۲) المبسوط: ۴/۱۷، الہدایہ: ۱/۱۲۶، بدائع الصنائع: ۲/۱۶۶، البحر الرائق: ۳/۳۳

(۳) فتح الباری لابن حجر: ۳/۶۰۶، نیل الاوطار للشوکانی: ۵/۲۶

(۴) المدونة الکبریٰ: ۲/۵۰۰

میقات سے احرام باندھنا افضل ہے اور حل میں قریب سے احرام باندھنا جائز ہے، اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے: ”وہذا مما لا خلاف فیہ“ (۱)
مسئلہ شافعی: مکی کا میقات عمرہ کے لیے حل ہے، اور جعرانہ یا تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے:

”میقات العمرة لمن كان بمكة الحل، والأفضل أن يحرم من الجعرانة أو التنعيم“ (۲)

مسئلہ حنبلی: حسن بن محمد کہتے ہیں کہ عمرہ کہاں سے کرنا چاہیے؟ تو آپ نے فرمایا: ”میقات سے احرام باندھنا افضل ہے جس طرح حضرت ابن عمر، ابن زبیر، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا اور اگر تنعیم سے احرام باندھے تو یہ افضل عمرہ ہے“:

”فإن أحرم من التنعيم فهو عمرة وذاك أفضل“ (۳)

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ مکی عمرہ حل سے اور حج مکہ سے کریگا اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے: ”وإن أراد العمرة فمن الحل لا نعلم في هذا خلافا“ (۴) علامہ شافعی فرماتے ہیں کہ ”مکی کے عمرہ احرام حل سے باندھنے کے جواز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور اس پر کئی لوگوں نے اجماع نقل کیا ہے: ”وحكي عليه غير واحد الإجماع“ (۵) شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ مکی وغیر مکی عمرہ کا احرام حل سے باندھنے اور حل میں قریب تر جگہ تنعیم ہے:

(۱) الاستذکار: ۱۱/۲۵۶

(۲) کتاب الأم: ۲/۱۳۳، المہذب: ۱/۲۰۳، المجموع: ۷/۱۷۹-۱۸۰، اعانة الطالبین: ۲/۳۰۳

(۳) شرح العمدة: ۲/۳۳۰، المبدع: ۳/۱۰۹، الانصاف للمرداوی: ۴/۵۵، كشف القناع: ۲/۲۰۱

(۴) المغنی: ۳/۱۱۱

(۵) أضواء البیان: ۵/۳۲۸

"وإذا أراد المكي وغيره العمرة أهل من الحل، وأدناه من

التنعيم" (۱)

دیگر علماء کی آراء

ابن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ: جب تم مکہ میں ہو تو عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے حل میں کسی بھی جگہ مثلاً تنعیم جعرانہ وغیرہ سے باندھنا کافی ہے میقات جانا ضروری نہیں ہے:

"وإذا كنت في مكة كفى الإحرام بالعمرة من الحل

كالتنعيم والجعرانة، ولا حاجة إلى الذهاب للميقات،

لأن النبي ﷺ أمر عائشة رضي الله عنها أن تحرم بالعمرة

من التنعيم، وهو أقرب من الحل إلى مكة" (۲)

حدیث عائشہ سے تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے، لیکن اس شخص کے لیے جس کے لیے تنعیم قریب ہو:

"وكونها إحرام من التنعيم لا يوجب ذلك أن يكون هو

الميقات الشرعي ويدل على الاستحباب كما قاله بعض

أهل العلم، لأن في بعض الروايات من حديثها، أن النبي

ﷺ أمر عبد الرحمن يعمرها من التنعيم وذلك - والله

أعلم - لكونه أقرب الحل إلى مكة جمعاً بين الروايات" (۳)

شیخ عثیمین رحمہ اللہ کا فتویٰ: مکی کو احرام کہاں سے باندھنا چاہئے اپنے گھر سے یا تنعیم سے؟ مکی کو حج کا احرام مکہ سے باندھنا ہے اور عمرہ کا احرام حل سے، حل میں خواہ تنعیم سے ہو یا کسی اور جگہ سے:

(۱) شرح العمدة لابن تيمية: ۲/۳۲۷

(۲) مجموع فتاوى ابن باز: باب اسئلة وأجوبة عن بر الوالدین: ۸/۳۳۸

(۳) مجموع فتاوى ابن باز: ۲۷/۱۷۷

"لا يجوز لأحد أن يحرم من مكة لأهل مكة ولا غيرهم إلا في الحج فقط، وأما العمرة فلا بد أن يخرجوا إلى التمتع أو إلى غيره من الحل إلى قوله لأن المقصود أن يحرم من الحل سواء من التمتع أو من غيره" (۱)

نواب صدیق حسن صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”عمرہ کا میقات حل ہے، یعنی حرم سے باہر نکل کر احرام باندھ کر پھر مکہ میں آئے، یہ تین جگہیں ہیں، جعرانہ، تنعیم، حدیبیہ، افضلیت کی بھی یہی ترتیب ہے، مگر فتاویٰ عالمگیری میں تنعیم کو افضل لکھا ہے (اس کے بعد علامہ ابن تیمیہ و علامہ ابن القیم کے اقوال نقل کرنے بعد لکھتے ہیں) میرے نزدیک بھی یہ بات ہے کہ جو امر معتبر پر آسان ہو وہ کرے، اس تانتے میں کہیں یہ نہ ہو کہ بالکل عمرہ بجالانے سے محروم رہ جائے، بشرط امن راہ و حصول رفقہ تنعیم تک جاوے، کیا ڈر ہے، ورنہ مکہ ہی سے احرام باندھ کر معتبر ہو جائے“ (۲)

نواب صاحب کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن القیم وغیرہ کا منشا یہ نہیں کہ مقيم مکہ با انتظار حج بالکل عمرہ ہی نہ کرے، بلکہ ان کا صرف یہ منشا ہے کہ تنعیم کے بجائے مکہ ہی سے احرام باندھ کر عمرہ کرے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ تنعیم سے احرام باندھنے میں کسی امام کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ سب کا جواز پر اجماع ہے، اور ائمہ اربعہ کا کسی امر پر اتفاق کر لینا اس بات کی علامت ہے کہ یہ بات درست اور قرآن و حدیث کی روح سے قریب تر ہے، دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مجموع فتاویٰ و رسائل العثیمین: ۳۷۵/۲۱

(۲) ایضاح الحج: ۴۴

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”ہم لوگ حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر چلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس کے ساتھ ہدی کا جانور ہے وہ حج اور عمرہ کی نیت کر لے، اور دونوں عبادتوں سے فراغت کے بعد احرام سے نکلے“، پس جن کے ساتھ ہدی کا جانور نہیں تھا وہ عمرہ کی نیت سے چلے عمرہ کے اعمال سے فارغ ہو کر حلال ہو گئے، اور ایام حج میں حج کا احرام باندھ کر مناسک حج اور طواف زیارت سے فارغ ہو گئے، اور ہدی ساتھ لانے والے حج قرآن کر لیے، میں جب مکہ مکرمہ پہنچی تو حائضہ ہو چکی تھی تو عمرہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی نہ کر سکی، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنگی وغیرہ کر کے احرام سے نکل جاؤ، اور حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ ترک کر دو، میں تعمیل حکم میں ارکان حج سے فارغ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے بھائی) عبدالرحمن بن ابوبکر کے ساتھ تنعیم سے عمرہ کرنے کے لیے بھیجا اور فرمایا: ”یہ جگہ تمہارے عمرہ کی ہے“:

"فلما قضينا الحج أرسلني رسول الله مع عبد الرحمن بن أبي

بكر إلى التنعيم فاعتمرت فقال: هذه مكان عمرتك" (۱)

اگر یہ کہا جاوے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تنعیم سے عمرہ عذر کی وجہ سے کیا تھا تو یہ بات صحیح ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جب حج کے لیے مکہ آتی تھیں اور حج کے بعد مکہ سے باہر جا کر احرام باندھ کر آتی تھیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی مرجانہ روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کے بعد ذی الحجہ کے مہینہ میں مکہ مکرمہ سے عمرہ کرتی تھیں؛ لیکن بعد میں ذی الحجہ کے مہینہ میں عمرہ کرنا ترک کر دیا (چونکہ امیر المومنین کا حکم تھا کہ حج اور عمرہ کے درمیان فصل رکھو اور فصل اس طرح کہ حج

(۱) صحیح بخاری، کتاب الحيض باب امتشاط المرأة عند غسلها من الحيض،

کے مہینہ میں عمرہ کا احرام نہ باندھے) اس لیے محرم کا چاند دیکھنے سے پہلے مکہ مکرمہ سے نکلتیں اور جحفہ تشریف لائیں اور محرم کا چاند طلوع ہونے کے بعد عمرے کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ تشریف لائیں اور عمرہ مکمل کرتیں، اگر نبی کے عہد مبارک میں عذر تھا تو بعد میں مکہ سے نکل کر عمرہ کرنا تو کسی عذر سے تو نہیں تھا، پس تنعیم سے عمرے کے جواز کی دلیل خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل ہے: "وکفی بها قدوة" اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعد میں بھی تنعیم سے اس لیے عمرہ کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کر چکی تھیں اور صحابہ و صحابیات کی عادت تھیں کہ نبی کے عہد مبارک میں جو کیا کرتے تھے اس پر بعد میں بھی پابندی کرتے تھے نبی نے انہیں جس حال میں چھوڑا تھا وہ اسی حال پر باقی رہتے تھے، یہ بات صحیح ہے لیکن سائل کے بزعم تنعیم سے عمرہ تو بلا عذر بدعت ہے اگر تنعیم سے عمرہ بدعت ہے تو کیا صحابیات بدعت پر بھی دوام کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تنعیم سے عمرہ بدعت ہونے کے باوجود بھی کرتی تھیں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کا تنعیم سے عمرہ کرنا مطلق جواز کی دلیل ہے نہ عذر کی وجہ سے اور نہ یہ بدعت ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تنعیم سے عمرہ کرنا دلیل مشروعیت ہے کہ تنعیم سے عمرہ جائز ہے: "وبعد أن فعلته عائشة بأمره دل على مشروعيته" (۱)

- (۲) حضرت عمر بن عوس فرماتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمن بن ابی بکر نے خبر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کراؤں "أن النبي أمره أن يردف عائشة ويعمرها من التنعيم" (۲)
- (۳) حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت

(۱) فتح الباری: ۶۰۶/۳، دارالمعرفة، بیروت، ملخص از: نوادر الفقه: ۹۵

(۲) صحیح بخاری کتاب الحج باب عمرۃ التنعیم، حدیث نمبر: ۱۷۸۳، صحیح مسلم

کتاب الحج باب بیان وجوب الاحرام: ۸۸۰/۲، حدیث نمبر: ۱۲۱۲

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا:

"عن هشام بن عروة عن أبيه أنه رأى عبد الله بن الزبير
أحرم بعمرته من التنعيم، قال ثم رأيت يسعى حول البيت
الأسواط الثلاثة" (۱)

(۴) حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے لیے تنعیم کو میقات قرار دیا ہے:

"بلغنا أن رسول الله وقت لأهل مكة التنعيم" (۲)

(۵) حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مکہ کی عمرہ کا احرام تنعیم یا جعرانہ سے
باندھے البتہ حج کے میقات سے باندھنا افضل ہے:

"من أراد العمرة ممن هو من أهل مكة أو غيرها فليخرج
إلى التنعيم أو إلى الجعرانة فليحرم منها، وأفضل ذلك أن
يأتي وقتاً، أي ميقاتاً من مواقيت الحج" (۳)

(۶) امام فاکہی رحمہ اللہ حضرت عمرو بن دینار کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: حضرت
عطاء تنعیم سے عمرہ کرتے تھے، پھر جب وہ بوڑھے و کمزور ہو گئے تو اسے ترک
کر دیا۔ (۴)

(۷) حضرت سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن (حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے
پوتے امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے متعلق "الحجة، الفقيه قاضي المدينة،

(۱) موطا مالك، باب الرمل في الطواف، حديث نمبر: ۱۱۰

(۲) فتح الباری: ۶۰۶/۳

(۳) فتح الباری: ۶۰۶/۳

(۴) اخبار مكة للفاکھی: ۶۰/۵

کان من کبار العلماء“ لکھا ہے) کے حوالے سے امام فاکہی نقل فرماتے ہیں آپ نے فرمایا: جو لوگ تنعیم سے عمرہ کرنے کو منع کرتے ہیں، واللہ اگر میرا ان پر بس چلتا تو میں انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے کر کے قید و بند کی سزا دیتا۔ (۴)

(۸) علی بن عبد اللہ البارقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص اپنی بیوی کو لایا اور مسئلہ معلوم کرنے لگا کہ ہم حج کے تمام اعمال کر چکے لیکن طواف زیارت سے قبل ہمبستری ہو گئی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا آئندہ سال حج کی قضا کرنا ضروری ہے، اس شخص نے کہا ہم عمان کے باشندے ہیں (آئندہ سال آنا دشوار ہے) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تو بھی قضا لازم ہے، وہ شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہما نے اس شخص کو تنعیم سے عمرہ کرنے کا حکم فرمایا: "فأمرهما: أن يأتيَا التَّعْصِيمَ فِيهِمَا مِنْهُ بِعُمْرَةٍ" (۲)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ مکی و آفاقی کے لیے حل عمرہ کا میقات ہے، اور حل میں تنعیم (سے احرام باندھنا) افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کرنے کا حکم فرمایا، یہ تمام دلائل اگر طلب حق کی نیت سے پڑھیں جائیں تو اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرنے کے لیے کافی و ثانی ہیں یا کم از کم کسی پر تکبر نہ کرنے کے لیے کافی ہیں، صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دینا ہی کسی پر تکبر نہ کرنے اور خاموش رہنے کے لیے کافی ہیں۔

نوٹ: پورے ذخیرہ احادیث میں کوئی ایک حدیث ایسی نہیں ملی جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ نے حرم مکہ ہی سے عمرہ کا احرام باندھا ہو۔ (۳)

(۱) اخبار مکة لفاکھی: ۵/۵۹

(۲) شرح العمدة لابن تیمیہ: ۳/۲۳۸

(۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۴/۲۲

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے:

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی مکہ سے باہر جا کر عمرہ کرنا ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی صحابی سے ثابت ہے، اس لیے مکہ کا حرم کے باہر (تعمیم یا جعرانہ) جا کر عمرہ کا احرام باندھنا مشروع نہیں ہے (۱) شیخ عثیمین نے رحمہ اللہ بھی اپنے ایک فتویٰ میں یہی کہا ہے۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کی رائے:

آپ نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ جو لوگ تعمیم سے عمرہ کرتے ہیں انہیں ثواب ملے گا کہ عذاب ملے گا، لوگوں نے پوچھا کہ عذاب کیوں ہوگا؟ فرمایا کہ بیت اللہ جیسی عظمت والی جگہ اور اس کا طواف چھوڑ کر چار میل آنے اور چار میل جانے میں جس قدر وقت لگتا ہے اس وقت میں دو سو طواف کر سکتے ہیں:

"قال طاؤس: الذين يعتمرون من التعميم ما أدري
يوجرون عليها أو يعذبون، قيل له: فلم يعذبون؟ قال:
لأنه يدع الطواف بالبیت ويخرج إلى أربعة أميال ويحيى
وإلى أن يحيى من أربعة أميال قد طاف مائتي طواف" (۲)
علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے کی حقیقت:

(الف) جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حرم مکہ کے باہر سے عمرہ اگرچہ عملاً ثابت نہیں ہے لیکن قولاً ثابت ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمانا کہ پاک ہونے تک انتظار کرنا اور پاک ہونے کے بعد تعمیم جا کر احرام باندھ کر عمرہ کر کے فلاں مقام پر ہم سے مل جانا: "انتظري فإذا طهرت فأخرجي

(۱) زاد المعاد اردو: ۱/۳۹۲

(۲) المغنی: ۳/۹۱، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۲۶/۲۶۵، سبیل السلام للصنعانی:

إلى التعميم فأهملی ثم اثبتنا بمكان كذا“ (۱) اور کسی عمل کے مشروع ہونے کے لیے آپ سے قولاً ثابت ہونا کافی ہے۔

(ب) آنحضرت ﷺ سے نفل حج کرنا بھی عملاً ثابت نہیں ہے اور اس سے نفل حج کی مشروعیت ختم نہیں ہوتی یہی حکم تنعیم سے عمرہ کا ہے۔

(ج) تنعیم سے عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت علی، ابن عباس، جابر، عبد اللہ ابن زبیر، انس بن مالک، عکرمہ اور حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں کئی صحابہ سے ثابت ہے جیسا کہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔ (۲)

(د) بالفرض صحابہ سے عملاً ثابت نہ ہونا بھی حدیث قولی کے معارض نہیں ہوگا، حدیث سے ثابت شدہ حلت اپنی جگہ باقی رہے گی۔

(ه) جب حل میں کسی بھی جگہ سے عمرہ کا احرام باندھنا بالاجماع درست ہے اور تنعیم حل میں سے ہے تو پھر تنعیم سے عمرہ کیوں مشروع نہیں ہے؟ علامہ طاؤس رحمہ اللہ کی رائے کی حقیقت:

عمرہ پر طواف کی افضلیت منصوص امر نہیں ہے اور افضلیت اجتہاد و رای سے ثابت نہیں کی جائیگی:

(۱) بلکہ مسلمان کا احرام کی حالت میں آتے جاتے کئی اعمال خیر میں شریک ہونا بہتر ہے ایک عمل میں لگے رہنے سے۔

(۲) نفس طواف کو عمرہ پر فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ کثرت طواف کو عمرہ پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ نفس طواف تو عمرہ میں بھی ہے جیسے نماز روزے سے بہتر ہے یعنی کثرت نماز روزے سے بہتر ہے ورنہ دو رکعت نماز دن بھر کی عبادت

(۱) صحیح بخاری: کتاب العمرة باب اجر العمرة علی قدر النصب، حدیث نمبر: ۱۷۸۷،

صحیح مسلم: کتاب الحج باب بیان وجوہ الإحرام، حدیث نمبر: ۱۲۱۱

(۲) نضرة التعميم فی حکم العمرة من التعميم

روزے سے کیونکر افضل ہو جائیگی اور کثرت طواف جس طرح اسلاف سے ثابت ہے اسی طرح کثرت عمرہ بھی ثابت ہے حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے ہی پوچھا گیا کہ ایام تشریق کے بعد عمرہ کرنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا اگلے سال تک جب چاہے عمرہ کر سکتے ہو:

"عن لیث عن طاؤس أنه سئل عن العمرة فقال: إذا مضت

أيام التشریق فاعتمر متى شئت إلى قابل" (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روزانہ ایک عمرہ کرتے تھے آپ نے اپنی حیات میں ہزار عمرے کئے:

"عن ابن عمر أنه كان يعتمر كل يوم من أيام ابن الزبير

وروى عنه أنه اعتمر ألف عمرة" (۲)

(۳) جگہ کا تقدس بالذات نہیں ہے مکان سے مکین مقدس نہیں ہوتا ہے بلکہ مکین کو اس کا عمل مقدس بناتا ہے خواہ وہ کسی بھی مکان میں رہے، جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو لکھا:

"أن الأرض لا تقدس أحدا ولا تطهره من ذنوبه ولا

ترفعه إلى أعلى الدرجات، وإنما يقدر الإنسان عمله

الصالح في أي مكان" (۳)

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ کی دلیل میں غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ آپ کے قول کا منشاء کیا ہے، آپ کا مقصد تنعیم سے عمرہ کے بدعت یا گناہ ہونے کو بتانا نہیں ہے بلکہ

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، فی العمرة من قال: فی کل شهر، حدیث نمبر: ۱۲۷۲۲

(۲) مواہب الجلیل: ۲/۲۶۷

(۳) صفوة الصفوة لابن جوزی: ۱/۵۲۸، شرح الزرقانی: ۴/۹۳، مجموع فتاویٰ ابن

تیمية: ۲۷/۴۵، مغنی المحتاج للشرینی: ۴/۳۷۲

طواف چھوڑ کر عمرہ کرنے پر تنبیہ کرنا مقصود ہے جس پر آپ کی بات واضح ہو جائے پھر بھی حجت بازی کرے تو کم علمی یا کم فہمی کی بات ہوگی، چنانچہ آپ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال شيخ الإسلام ابن تيمية - رحمه الله - : قال أبو طالب : قلت لأحمد قال طاوس : "الذين يعتمرون من التمتع لا أدري يؤجرون أو يعذبون" ، قيل له : لم يعذبون ؟ قال : لأنه ترك الطواف بالبيت ، ويخرج إلى أربعة أميال ، ويخرج إلى أن يجيء من أربعة أميال قد طاف مائتي طواف ، وكلما طاف بالبيت كان أفضل من أن يمشي في غير شيء . فقد أقرَّ أحمد قول طاوس هذا الذي استشهد به أبو طالب لقوله ، رواه أبو بكر في الشافي . (۱)

کیا تتعیم سے عمرہ کرنا حضرت عائشہ ؓ کے ساتھ خاص ہے؟

بعض حضرات کا یہ کہنا کہ ”تتعیم سے عمرہ کرنا حضرت عائشہ ؓ کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے لیے یہ مشروع نہیں ہے“ بے اصل ہے، کیونکہ تخصیص احتمال اور اجتہاد سے نہیں بلکہ نص سے ثابت ہوتی ہے اور یہاں تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ عدم تخصیص کی دلیل ہے، جس طرح آپ کا ہارگم ہو جانے پر اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم و نعمت عطا فرمادیا اسی طرح اس سفر میں آپ کو عارضہ امر نسوانی پیش آجانا تتعیم سے عمرہ کی نعمت کا سبب بن گیا، اور نعمت تیمم جس طرح بوقت ضرورت عام ہے اسی طرح یہ نعمت بھی عام ہے، جیسا کہ تیمم کے موقع پر حضرت اسید بن حضیر ؓ نے فرمایا:

”جزاك الله خيرا، فوالله ما نزل بك أمر تكرهينه إلا جعل

الله ذلك لك وللمسلمين فيه خيرا“ (۲)

(۱) مجموع الفتاوى: ۲۶۵/۲۶

(۲) صحيح بخاری : كتاب التيمم : ۱/ ۱۲۵، حديث نمبر: ۳۳۴، صحيح مسلم : كتاب

الحیض باب التيمم : ۱/ ۲۷۹، حديث نمبر: ۳۶۷

سوال: اس عمرے کے لیے سیدہ عائشہ کو آپ سے کیوں اجازت لینی پڑی ہے، یہ اگر دین میں کوئی پسندیدہ اور مشروع عمل ہوتا تو آپ کو اجازت حاصل کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہ پڑتی۔

جواب: اگر یہ عمل مشروع نہ ہوتا تو آپ ﷺ کیوں اجازت دیتے، بالفرض تنعیم سے عمرہ اگر پہلے مشروع نہ تھا لیکن آپ کی اجازت کے بعد اب یہ عمل مشروع ہو گیا ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غیر مشروع عمل آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کی موجودگی میں کرنا لازم آئے گا جس کا کوئی قائل نہیں۔ ”حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مختصر جواب منکرین کے لیے بہت معقول جواب ہے آپ لکھتے ہیں: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس کو کیا ہے تو یہ اس کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

”وبعد ان فعلت عائشة بأمر دل على مشروعيتها“ (۱)

سوال: سیدہ کی طلبِ اجازت اور اُن کے اصرار کی وجہ اصلاً وہ عمرہ تھا جس کا احرام باندھ کر وہ مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں؛ لیکن اپنی نسوانی معذوری کی بنا پر اُسے ادا نہ کر سکی تھیں۔ اُن کے ساتھ یہ معاملہ اگر نہ ہوا ہوتا تو اس عمرے پر اصرار اور اس کا قصد وہ قطعاً نہ کرتیں۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ حجۃ الوداع کے اُس موقع پر بشمول نبی ﷺ کے کسی بھی شخص نے مزید عمرہ کرنے کی کوئی خواہش تک ظاہر نہیں کی۔

جواب: ”سیدہ کا اصرار تھا“ یہ کس حدیث میں لکھا ہوا ہے؟ بالفرض اصرار کے بعد کیا غیر مشروع عمل مشروع ہو جائیگا؟ دیگر صحابہ کے عمرہ کی خواہش ظاہر نہ کرنے سے عمرہ کا غیر مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے؟

سوال: واقعہ یہ ہے کہ اُس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ، جن کے ساتھ وہ تنعیم تک گئی ہیں؛ اور جن کے لیے موقع تھا کہ صورتِ حال سے فائدہ

اُٹھاتے ہوئے وہ بھی مزید ایک عمرہ کر لیتے؛ نبی ﷺ نے انہیں اس عمرے کی کوئی ترغیب دی، نہ اپنی دینی بصیرت کی بنا پر خود انہوں نے اسے کوئی عمل مشروع سمجھا۔ چنانچہ سیدہ کی رفاقت کے باوجود انہوں نے کوئی عمرہ ادا نہیں کیا۔

جواب: کیا حضرت عبدالرحمن ؓ سے حضرت عائشہ ؓ کے ساتھ عمرہ کا احرام نہ باندھنے کی کوئی دلیل موجود ہے؟

سوال: سیدہ عائشہ ؓ کے اس واقعہ سے زیادہ سے زیادہ یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ حج کے کسی سفر میں اگر کسی خاتون کو وہی صورت حال پیش آجائے جو سیدہ عائشہ ؓ کو پیش آئی تھی تو اس کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ حج کے بعد، قصد کیا ہوا اپنا عمرہ ادا کر لے۔

جواب: پھر تو یہ اجازت صرف اس عورت کے لیے ہوگی جو مدینہ سے احرام باندھ کر نکلے چونکہ حضرت عائشہ ؓ مدینہ سے احرام باندھ کر نکلی تھیں اور عمرہ کے لیے اس عورت کو تنعیم لے جانے کا حق صرف اس کے بھائی ہی ہوگا چونکہ حضرت عائشہ ؓ کو آپ کے بھائی عبدالرحمن ؓ لے کر گئے تھے۔

دورانِ عمرہ حیض آجائے تو تکمیلِ عمرہ کی شکل

(۱) عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد طوافِ عمرہ سے قبل حیض آجائے تو پاکی کے ایام کا انتظار کرے اور پاک ہونے کے بعد عمرہ کر لے۔

(۲) طوافِ عمرہ کے بعد سعی سے قبل حیض آجائے تو سعی کر لے، سعی کے لیے پاکی شرط نہیں ہے۔

(۳) اگر طوافِ عمرہ سے قبل حیض آجانے کی صورت میں تکمیلِ عمرہ کرنے کے بجائے حل میں جا کر دوسرے عمرہ کا احرام باندھنا درست نہیں اگر اس طرح کر لے تو واجب ہے کہ دوسرے عمرہ کے ترک کی نیت کر کے پہلے عمرہ کی تکمیل کی نیت

سے عمرہ کے اعمال مکمل کرے، اور اگر یہ نیت کیے بغیر عمل کرے تو بھی پہلے عمرہ کے ہی اعمال شمار ہونے، اس کے بعد دوسرے عمرہ کے اعمال کر لے اور جمع بین العمرتین کی وجہ سے دم دینا واجب ہے، پس اس صورت میں کل دو عمرے اور ایک دم واجب ہے۔

”فإذا حرم بهما معا وعلى التعاقب بأن أحرم بأخرى قبل
أن يفرغ من السعي للأولى لزمه جميع ذلك ويرفض
إحداهما في المعية والثانية في التعاقب“ (۱)

حیض روکنے کی دواء استعمال کی جاسکتی ہے؟

موجودہ دور میں سفر حج اپنے اختیار کا نہیں رہا بلکہ قانونی طور پر جس دن کا ٹکٹ بنا ہے اس دن بہر صورت نکل جانا پڑتا ہے، اس انتظامی مجبوری کی وجہ سے اگر کوئی عورت عین دوران طواف ایسے حالات پیش آنے سے پیشگی احتیاط کے طور پر اگر مانع حیض دواء استعمال کر لیتی ہے تو گنجائش ہے بلکہ ڈاکٹر کے مشورہ سے ایسی دوائی استعمال کر لینے میں ایسی دشواری سے بچنے کا بہتر راستہ ہے، لیکن یہ فطری نظام میں تبدیلی کرنا ہے جو نقصان دہ ہو سکتا ہے اس لیے خدائی فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے، تاہم [۱] اگر کوئی عورت حیض شروع ہونے سے قبل دوائی استعمال کر لے اور ایام میں خون نہ آئے تو وہ پاک ہی شمار ہوگی [۲] اسی طرح حیض شروع ہونے کے بعد دوائی استعمال کی لیکن ایام عادت میں تین دن سے کم مسلسل یا وقفہ وقفہ سے خون آکر رک گیا اور پندرہ دن تک نہیں آیا تو بھی پاک ہی شمار ہوگی [۳] اسی طرح حیض شروع ہونے کے بعد تین دن سے قبل دوائی استعمال کرے اور خون بند ہو جائے تو بھی پاک شمار ہوگی، اس عورت کا اعمال حج طواف زیارت وغیرہ کرنا درست ہے [۴] البتہ دوائی استعمال کرنے کے بعد بھی ایام حیض میں تین دن سے زیادہ مسلسل یا وقفہ وقفہ سے خون جاری رہا تو وہ عورت حسب قاعدہ ناپاک ہی

شمار ہوگی اسکا طواف وغیرہ کرنا درست نہیں ہے۔ (۱)

مشورہ: جو عورت پہلے حیض روکنے والی دوا کا تجربہ کر چکی ہے وہ ان ایام میں حیض روکنے والی دواء استعمال کر لے تو نقصان دہ نہیں ہے لیکن جو عورت اس سے قبل اس کا تجربہ نہیں کی اگر وہ دوائی استعمال نہ کرے تو بہتر ہے، کیونکہ بعض مرتبہ حیض روکنے کے بجائے پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے جس سے دیگر اعمال بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔

تنبیہ: اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ، اسی طرح معمول کی عادت سے اتنا زیادہ کہ دس دن سے بڑھ جائے، آنے والا خون استحاضہ کا ہے، اس میں وضو کر کے اچھی طرح کپڑا باندھ کر مسجد حرام میں داخل ہو کر نماز طواف وغیرہ امور ادا کر لیں، بعض عورتیں اس کو بھی دم حیض شمار کر کے نماز ترک کر دیتی ہیں جبکہ یہ سراسر غلط ہے۔



طواف

فجر و عصر کے بعد طواف کی دو رکعت کا حکم

طواف کی دو رکعت فجر اور عصر کے بعد پڑھنا امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہے مکروہ نہیں ہے۔ ان حضرات کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ وہ نوافل جن کا سبب وقتی ہوتا ہے وہ نمازیں ان اوقات میں ادا کرنا درست ہے جیسے عصر و فجر کے بعد جنازہ آیا، یا آیات سجدہ تلاوت کر لیا، اسی طرح اس وقت طواف مکمل ہوا تو ان اوقات میں نماز ادا کرنا درست ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک طواف کی دو رکعت ان اوقات میں مکروہ ہے، ان حضرات کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) طواف کی دو رکعت اپنی اصل کے اعتبار سے نفل ہیں مگر طواف کی وجہ سے واجب ہیں، طواف کرنا اور کس وقت طواف کرنا یہ بندہ کے اختیار میں ہے لہذا اس اعتبار سے یہ دو رکعت نماز وتر کی طرح اللہ کی طرف سے واجب کی ہوئی نہیں ہیں بلکہ بندہ نے طواف کر کے اپنے ذمہ واجب کر لیا ہے جس طرح نفل کی منت مان کر واجب کر لیتا ہے، اور نماز جیسی عبادت بھی بعض اوقات میں شرعاً منع ہے، عین طلوع آفتاب، عین غروب آفتاب، اور عین استواء آفتاب کے وقت:

"ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن

أو أن نقبر فيهن موتانا، حين تطلع الشمس بازغة حتى

ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين
تضيق الشمس للغروب حتى تغرب" (۱)
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان
سے غروب ہوتا ہے، اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں:

"فإنها تغرب بين قرني الشيطان وحينئذ يسجد لها الكفار" (۲)
(۲) امام طحاوی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز کے بعد
بیت اللہ کا طواف کیا اور طواف کی دو رکعت ادا کیے بغیر مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے،
جب مقام ذی طوی میں پہنچے تو سورج بلند ہو چکا تھا آپ نے نماز ادا فرمائی۔
(۳) حضرت ابوالزبیر کی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ عصر کی
نماز کے بعد طواف کرتے ہیں اور اپنے گھر چلے جاتے ہیں، پھر میں نہیں جانا تھا کہ
وہ کیا کرتے ہیں؟ ظاہر ہے اگر وہ اس وقت نماز ادا کرتے تو مقام ابراہیم کے پاس
ہی ادا کرتے، مقام ابراہیم پر ادا کرنے کے بجائے گھر میں ادا کرنے کو ترجیح نہ
دیتے یہ دلیل ہے کہ آپ اس وقت یہ دو رکعت نہیں پڑھتے تھے۔ اس لیے کوشش
کی جائے کہ طواف کی دو رکعت ان اوقات میں نہ کی جائے تاکہ کسی طرح
اختلاف سے بچا جاسکے۔ (۳) لیکن پڑھنے کی اجازت اور گنجائش تو ہے۔

طواف زیارت و طواف عمرہ میں فرق

عمرہ کا طواف عمرہ میں، اور طواف زیارت حج میں رکن ہے، اس لیے اگر بغیر وضو
کے پورا حصہ یا زیادہ حصہ، یا کم حصہ انجام دے، تو دم واجب ہوگا اور دم میں ایک بکرا
دینا ہوگا۔

(۱) صحیح مسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، حدیث نمبر: ۸۳۱

(۲) صحیح مسلم، باب استحباب التكبير بالعصر، حدیث نمبر: ۶۲۲

(۳) مستفاد: حج و عمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح: ۵۵

طواف زیارت اور طواف عمرہ میں فرق یہ ہے کہ اگر غسل کی حاجت ہو یا عورت حالت حیض یا نفاس میں ہو، اور اس حالت میں طواف زیارت کیا جائے، بطور دم اوٹنی واجب ہوگی، اور طواف عمرہ کی صورت میں ایسے شخص پر بکرا واجب ہوگا۔ (۱)

دوران طواف وضو ٹوٹ جائے

اگر دوران طواف کسی شخص کا وضو ٹوٹ جائے، تو جہاں وضو ٹوٹا وہیں سے وضو کرنے کو چلا جائے، اور وضو کر کے دوبارہ وہیں سے طواف شروع کر کے سات چکر پورے کر لے، وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس سے پہلے کیے جانے والے چکر ضائع نہیں ہوں گے، بلکہ ان کو شمار کرتے ہوئے سات چکر پورے کر لے، البتہ اگر کوئی شخص بلا وضو طواف زیارت ادا کر لے، تو اس پر دم (ایک بکرا) لازم ہوگا، اور اگر وہ ایام نحر میں یا اس کے بعد طواف کا اعادہ کر لے، تو دم معاف ہو جائے گا۔ (۲)

دوران طواف حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟

طواف کی حالت میں پاک رہنا واجب ہے اگر طواف کے درمیان کوئی ایسی باتیں آجائے جو غسل کو توڑنے والی ہو تو اس کا طواف فاسد ہو جائیگا، ایسی عورت کو چاہیے کہ مطاف سے باہر نکل جائے اور پاک ہونے کے بعد طواف مکمل کرے یا از سر نو طواف کرے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ پاک ہونے تک مکہ مکرمہ میں رکنا ممکن ہو اور اگر سرکاری کارروائی کی وجہ سے رکنا ممکن نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ طواف کے کتنے چکر کر چکی ہے اگر چار چکر کر چکی ہے اور تین چکر باقی ہیں تو ان تین چکر کے چھوٹ جانے کی وجہ سے ایک بکرے کی قربانی دینا واجب ہوگا، خواہ وہ طواف زیارت ہو کیونکہ طواف کے اکثر چکر مکمل کر لینے کے بعد بقیہ چکر فرض کی حیثیت سے باقی نہیں رہتے بلکہ بقیہ چکر کی حیثیت واجب کی ہوتی اور واجب چھوٹنے پر دم واجب ہوتا ہے، اور اگر چار چکر سے کم

(۱) حوالہ سابق: ۱۰۸/۹

(۲) اہم مسائل جن ابتلا عام ہے: ۱۰۹/۹

کی ہے اور قانونی مجبوری کی وجہ سے مکہ میں پاک ہونے تک رکنا ممکن نہ ہو تو شرمگاہ کے آس پاس اچھی طرح کپڑے باندھ لے تاکہ خون نکلنے سے مسجد آلودہ نہ ہو اور طواف کر لے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے، البتہ حالت حیض میں طواف کرنے کی وجہ سے ایک بڑا جانور قربانی دینا واجب ہوگا اور یہ قربانی حدودِ حرم میں دینا واجب ہے، اگر حدودِ حرم کے باہر ذبح کیا، تو کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ ”والثامن ذبحہ فی الحرم، فلو ذبح فی غیرہ لایجزئہ عن الذبح“ (۱)

البتہ اگر طواف طواف وداع ہو اور درمیان میں حیض آگیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ طواف وداع حائضہ پر واجب نہیں ہے اور درمیان میں شروع ہوا اور ترک کیا تو بھی قضا واجب نہیں ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: «أمر الناس أن يكون

آخر عهدهم بالبيت، إلا أنه خفف عن الحائض (۲)

اور تبیین الحائق میں ہے: ولو حاضت: عند الصدر تركه كمن اقام بمكة (۳)

حالت حیض میں طواف زیارت کے احکام

(۱) اگر عورت طواف زیارت بحالت مجبوری مثلاً تارتخ رواگی میں تاخیر ممکن نہ ہو کہ مزید رک کر پاک ہونے کی حالت میں طواف کر سکیں تو اسی حالت میں پیپر (pamper) باندھ کر طواف کر لے تو یہ طواف معتبر ہوگا اور عورت حلال ہو جائے گی لیکن ناپاکی کی حالت میں طواف کرنے کی وجہ سے ایک اونٹ یا گائے حدودِ حرم میں قربان کرنا واجب ہوگا، البتہ اگر دم جنایت دینے سے پہلے پاکی کی حالت میں

(۱) غنیۃ الناسک: ۲۶۲

(۲) بخاری: ۲۳۶/۱، باب طوائف الوداع

(۳) تبیین الحقائق: ۵۱/۲، فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳۹۸/۳

طواف زیارت دوبارہ کر لینے کا موقع مل گیا تو یہ دم ساقط ہو جائے گا۔

”ولو طاف للزيارة جنبا أو حائضا أو نفساء أو كلبها وأكثره
ويقع معتدا به في حق التحلل ويصير عاصيا فإن أعاده
سقطت عنه البدنة“ (۱)

(۲) اگر طواف زیارت کے اکثر چکر حالت حیض یا حالت جنابت میں کر لے تو بھی
یہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہے۔

(۳) اگر کسی عورت کو موت تک طواف زیارت کا موقع نہ ملا تو موت پر ایک اونٹ کی
وصیت کرنا لازم ہے۔ (۲)

(۴) طواف زیارت (حج کا طواف) کا وقت ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ کے غروب
آفتاب تک ہے، بعض علماء نے ۱۳ ذی الحجہ تک وقت تحریر کیا ہے، ان ایام
میں اگر کسی عورت کو ماہواری آتی رہی تو وہ طواف زیارت نہ کرے بلکہ پاک
ہونے کے بعد ہی کرے، اس تاخیر کی وجہ سے کوئی دم واجب نہیں۔ البتہ طواف
زیارت کیے بغیر کوئی عورت اپنے وطن واپس نہیں جاسکتی ہے، اگر واپس چلی گئی تو
عمر بھر یہ فرض لازم رہے گا اور شوہر کے ساتھ صحبت کرنا اور بوس و کنار حرام رہے گا
یہاں تک کہ دوبارہ حاضر ہو کر طواف زیارت کرے، لہذا طواف زیارت کیے
بغیر کوئی عورت گھر واپس نہ جائے اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو
ماہواری آجائے اور اس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی گنجائش نہ ہو کہ
وہ پاک ہو کر طواف زیارت کر سکے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح کی
کوشش کرے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تاکہ وہ پاک ہو کر طواف
زیارت (حج کا طواف) ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جاس کے (عموماً معلم

(۱) غنیۃ الناسک: ۲۷۲، البحر العمیق: ۱۱۲/۲، فتاویٰ شامی: ۵۸۱/۳

(۲) احسن الفتاویٰ: ۴/۵۳۹، کتاب المسائل: ۳۰۷/۳

حضرات ایسے موقع پر تاریخ بڑھادیتے ہیں، لیکن اگر ایسی ساری ہی کوششیں ناکام ہو جائیں اور پاک ہونے سے پہلے اس کا سفر ضروری ہو جائے تو ایسی صورت میں ناپاکی کی حالت میں وہ طواف زیارت کر سکتی ہے، یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا اور وہ پورے طور پر حلال ہو جائے گی لیکن اس پر ایک بدنہ (یعنی پورا اونٹ یا پوری گائے) کی قربانی بطور دم حدود حرم میں لازم ہوگی، یہ دم اسی وقت دینا ضروری نہیں بلکہ زندگی میں جب چاہے دیدے۔

اگر کوئی خاتون اپنی عادت یا آثار و علامت سے جانتی ہے کہ عنقریب حیض شروع ہونے والا ہے اور حیض آنے میں اتنا وقت ہے کہ وہ مکہ جا کر طواف زیارت (طواف زیارت کے وقت میں) کر سکتی ہے تو فوراً کر لے، تاخیر نہ کرے، اور اگر اتنا وقت بھی نہیں کہ طواف کر سکے تو پھر پاک ہونے تک انتظار کرے، طواف زیارت، رمی، قربانی اور بال کٹوانے سے پہلے یا بعد میں کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔

فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض یا نفاس آجائے اور اس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی گنجائش نہ ہو کہ وہ حیض و نفاس سے پاک ہو کر طواف زیارت کر سکے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح اس کی کوشش کرے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تاکہ وہ پاک ہو کر طواف زیارت ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جاسکے، لیکن اگر ایسی ساری ہی کوششیں ناکام ہو جائیں اور پاک ہونے سے پہلے اس کا سفر ناگزیر ہو جائے تو ایسی حالت میں وہ طواف زیارت ادا کر سکتی ہے، یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا، اور وہ پورے طور پر حلال ہو جائیگی، لیکن اس پر ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی بطور دم جنایت حدود حرم میں لازم ہوگی۔ (۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کے

مطابق عجز کی وجہ سے حالت حیض میں طواف کر لیا تو دم واجب ہوگا، کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں اور غسل بھی کر لے تو اچھا ہے۔ (۱)

جدید فقہی مباحث میں ہے:

”اُسی عورت کے لیے مجبوری کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں طواف کر لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ دوبارہ اس کا وطن واپس آ کر طواف کرنا دشوار ہے، اور جب تک طواف نہ کرے وہ اپنے شوہر کے لیے حرام ہے اور فقہاء حنفیہ کے یہاں ناپاکی کی حالت میں طواف کیا جائے تب بھی طواف ہو جاتا ہے“۔ (۲)

البتہ دم واجب ہوگا اور دم میں بدنہ واجب ہوگا۔ (۳)

حالت استحاضہ میں طواف کے احکام

اگر کسی عورت کو بیماری کا خون آرہا ہے، تو وہ نماز بھی ادا کرے گی اور طواف بھی کر سکتی ہے، اس کی صورت یہ ہے ایک نماز کے وقت میں وضو کرے اور پھر اس وضو سے اس نماز کے وقت میں جتنے چاہے طواف کرے اور جتنی چاہے نمازیں پڑھے۔ دوسری نماز کا وقت داخل ہونے پر دوبارہ وضو کرے۔ اگر طواف مکمل ہونے سے پہلے ہی دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے تو وضو کر کے طواف کو مکمل کرے۔

مجبوری میں طواف وداع ساقط ہے

عورت اگر طواف وداع نہ کر سکی کہ واپسی کا وقت آ گیا تو اس پر سے طواف وداع

ساقط ہو جائے گا۔ (۴)

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۳/۲۴۳، دار العربیہ بیرات

(۲) تاتارخانیہ: ۵۱۶/۲، ۵۱۷

(۳) جدید فقہی مباحث: ۱۳/۱۳۵، ادارۃ القرآن، فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳۹۸/۳

(۴) فتاویٰ شامی: ۳۸۹/۳

چھوٹے ہوئے طواف زیارت یا طواف وداع کے لیے احرام باندھنا
 (۱) اگر کسی شخص کا طواف زیارت چھوٹ گیا اور وہ میقات سے باہر چلا گیا ہو تو واپس
 آکر طواف زیارت کرنے کے لیے از سر نو احرام باندھنا درست نہیں ہے، اگر
 از سر نو احرام باندھے گا تو دم واجب ہوگا کیونکہ یہ شخص پہلے ہی سے احرام میں
 ہے اس لیے کہ جب تک طواف زیارت ادا نہیں ہوتا یہ شخص بیوی کے حق میں
 احرام کی حالت ہی میں ہے:

”ولو ترك طواف الزيارة كله أو أكثره فهو محرم أبدا في حق
 النساء حتى يطوف.... فعليه حتما أن يعود بذلك الإحرام
 ويطوفه“ (۱) ولا يجوز إحرام العمرة على أفعال الحج“ (۲)
 (۲) اور اگر کوئی شخص طواف وداع کے بغیر میقات سے باہر چلا گیا ہو تو طواف کی
 ادائیگی کے لیے از سر نو احرام باندھ کر آنا واجب ہے ورنہ دم واجب ہوگا۔
 ”ولو ترك كله أو أكثره.... يخير بين أراقه الدم والرجوع
 بإحرام جديد بعمرة“ (۳)



(۱) غنية الناسك: ۲۷۳

(۲) مناسك ملا علی قاری: ۳۴۵

(۳) غنية الناسك: ۲۷۵

مسعی

جدید مسعی

جیسے علماء عجم میں منی میں قصر و اتمام کا مسئلہ وغیرہ مسائل کافی بحث و مباحثہ کا عنوان بنے ہیں، اور اُس سے ایک علمی ذخیرہ تیار ہو گیا، کئی ایک مسائل منقح ہو گئے اسی طرح جہرات مسعی، جدہ کی میقات حیثیت پر علماء عرب میں کافی رسائل، مخصوص کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں، حدیث، فقہ، آثار، تاریخ اور سفر ناموں سے استدلال، جواب، جواب الجواب کا سلسلہ چلتا رہا، مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آئے، اس تحریر میں کوئی مفصل گفتگو نہیں کی گئی، ضروری کلام، بقدر ضرورت دلائل، قابل ذکر اقوال غرض اجمالاً اور اشارۃً لکھا گیا تفصیل کے لیے ان مراجع و مصادر سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جو حواشی و فہرست مصادر میں لکھے گئے ہیں۔

(۱) مسعی طولاً تو نہ اضافہ کیا جاسکتا ہے نہ ضرورت ہے، بلکہ مزید مشقت میں ڈالنا ہے اگر لمبائی میں صفا اور مردہ سے بھی آگے کر دیا جائے۔

(۲) علوی مسعی، اوپر منزلوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے صفاء کا وہی حکم ہے جو زمین کا ہے، سعی کے عمل میں صفا مردہ پر چڑھنا سنت مؤکدہ ہے کسی حصے پر چڑھنا واجب نہیں ہے، اصل یہ ہیکہ دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ چکر مکمل کیا جائے چاروں مذاہب کا تقریباً اس پر اتفاق ہے قرآن کریم میں:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا (۱)

ان دونوں کے درمیان طواف کافی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

طاف النبي ﷺ في حجة الوداع على راحلة بالبيت وبالصفاء

والمرؤة (۲)

صفامروہ پر سوار جانا مشکل ہے پتا چلا کہ صفامروہ پر چڑھنا واجب نہیں ہے۔

”فبدأ بالصفاء فرقى عليه حتى رأى البيت ... ففعل على

المروة كما فعل على الصفا“ (۳)

دوسری حدیث شریف سے مستحب ہونا پتا چلا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صفا کے نیچے حوض میں کھڑے رہتے لیکن صفا پر چڑھتے نہیں

تھے۔ (۴) البتہ شوافع کا ایک قول اس قسم کا ہے کہ تھوڑا چڑھنا واجب ہے۔ (۵)

صفامروہ یہ تھوڑا چڑھنا بھی مستحب ادا کرنے کے لیے کافی ہے، اوپری منزلوں میں صفا

مروہ کے برابر جو گنبد بتائے گئے ہیں اس کے چکر لگانا نہ ضروری ہوگا نہ مستحب، کیا پورے

پہاڑ پر چڑھنا سنت ہے؟ ایسا تو حدیث سے معلوم نہیں ہوتا، مسافت کافی بڑھا جاتی ہے۔ (۶)

(۳) عرضاً، چوڑائی میں مسعی کی توسیع، اصل یہی صورت محل نزاع ہی ہے، عبد اللہ بن

جبریل، عبد اللہ المطلق، عبد اللہ الرحمن بن یحییٰ معلی وغیرہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ

مشرقی سمت کی توسیع درست ہے، صفا وہ پہاڑ ہیں پہاڑ فطرۃ زمین کی طرف چوڑا

(۱) البقرہ: ۱۵۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز الطواف علی بعیر وغیرہ، حدیث نمبر: ۱۲۷۳

(۳) صحیح مسلم، باب حجة النبي ﷺ، حدیث نمبر: ۱۲۱۸

(۴) الأم: ۲۱۱/۲

(۵) المجموع: ۷۵/۸

(۶) النوازل فی الحج: ۳۶۸

ہو جاتا ہے ہمیں تو صرف چوٹی دکھائی دیتی ہے اشعار عرب سے پتا چلتا ہے کہ وہ دونوں پہاڑ کافی عریض تھے، شیخ معلیٰ عرصہ دراز تک حرم شریف کے قریب رہے ۱۳۷۵ھ شیخ ابن سعدی شیخ محمد بن ابراہیم رحمہم اللہ نے علماء نجد و حجاز کے ساتھ پیٹھک کی، کوئی تشویش نہ ہو اس کا اضافہ نہیں کیا گیا صرف موجود پر اکتفاء کیا، جب وہ سب جانتے تھے کہ مسعی موجود سے زیادہ وسیع ہے، پُرانے پوڈھے اور قدیم علماء کرام بھی گواہ ہیں۔

ہیہ کبار العلماء (نمبر ۲۲ تاریخ ۲۱/۲/۱۴۲۷) شعارج مسعی، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، وغیرہ میں اس توسیع مسعی کی وجہ سے تغیر و تبدل کا اندیشہ ہے، کہیں بادشاہ ہوں کے ہاتھوں کا کھلوانہ بن جائے اژدحام تو ضرور بڑھے گا مزید منزلیں بنائی جاتی جاسکتی ہیں، ابو الولید ازرقی فرماتے ہیں مسعی کی چوڑائی ساڑھے پچیس (۳۵) ہاتھ ہے (۱) ابو عبد اللہ فاکھی فرماتے ہیں پچیس ہاتھ بارہ انگل ہے۔ (۲) فقہاء کرام میں سے حاشیہ تحفۃ المحتاج میں تقریباً اس مقدار کا ذکر ہے۔ (۳) یہ بات تو طے ہے کہ قرآن وحدیث یقیناً کوئی تحدید مذکورہ نہیں ہے، جو توسیع ہونا چاہیے وہ پچھلے ادوار میں ہو چکی ہے مزید توسیع کی حاصل معلومات کی روشنی میں جائز نہیں ہے مسعی کی جگہ صفا و مروہ کے درمیان کی جگہ ہے جدید مسعی میں تو ایک کنارہ بن چکا ہے۔ (۴)

حقیقت یہ ہے کہ سعودی حکومت کو چاہیے کہ قدیم جغرافیائی معلومات، گواپانی، تصاویر معلومات تاکہ علماء امت میں کوئی انتشار، نا اتفاقی نہ رہ جائے ممکنہ طور پر رائے میں یکسانیت ہو سکتی ہے اگر سرکاری سطح ہو تعاون کیا جائے۔

(۱) اخبار مکہ ۱۱۹/۲

(۲) اخبار مکہ، فاکھی ۲/۲۴۳

(۳) حاشیہ تحفۃ المحتاج: ۹۸/۴

(۴) مستقاد: از التوازل فی الحج: ۳۵۷

مسجد حرام کی توسیع کے بعد مسعی کا حکم

مسجد حرام کی توسیع جب ہونے لگی تو مسعی بھی مسجد میں شامل ہوتا ایک سوال یہ چل پڑا کہ اب اس مسعی کو (جو کہ مسجد حرام میں شامل ہو گیا) مسجد کا حکم ہو گیا (یعنی حائضہ اور جنبی کا داخلہ ممنوع ہو گا) یا مسعی اپنے احکام پر باقی رہے گا!

تو اس حوالہ سے مجمع الفقہ الاسلامی کا متفقہ فیصلہ بھی ہو چکا ہے کہ مسعی مسجد حرام کے ضمن میں آ گیا لیکن مسجد حرام کے حکم میں نہیں ہے بلکہ اپنے سابقہ حکم پر باقی رہے گا یعنی حائضہ اور جنبی وغیرہ کا داخلہ ممنوع نہ ہو گا۔ ویجوز المکث فیہ والسعی للحائض والجنب، وإن کان المستحب فی السعی الطہارة (۱)

کرسی پر سعی کرنا

طواف اور سعی بدنی عبادت ہیں اور بدنی عبادت میں قدرے مشقت مطلوب ہے جسے برداشت کرنا ہی بندگی ہے، اس لیے صحت مند شخص کا طواف یا سعی بلا عذر کرسی پر کرنا باعث گناہ ہے اور فقہاء نے بلا عذر کرسی (وہیل چیر) پر سعی کو موجب دم (ایک بکرا ذبح کرنا) قرار دیا ہے، اس لیے اگر طواف کے فوراً بعد سعی کرنا دشوار ہو تو سعی میں تاخیر کر لیں اور بعد میں سکون سے سعی کر لیں محض تھکان کی وجہ سے یا سستی کی وجہ سے کرسی کا استعمال موجب دم و باعث گناہ ہے، ہاں اگر پاؤں میں ورم آ گیا ہو، یا ایسی تکلیف جس سے چلنا دشوار ہو گیا ہو، یا ایسی کمزوری جو ناقابل تحمل ہو تو کرسی کی گنجائش ہے۔

”ولو سعی کله أو اکثره را کبا أو محمولا بلا عذر فعليه دم
ثم لو أعاده بعد ما حل أو جامع لم يلزمه دم لأن السعی غیر
مؤقت“ (۲)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳/۳۷۳

(۲) غنیۃ الناسک: ۱۳۸

منیٰ

منیٰ کی شب گزاری

ایام رمی کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے آنحضرت ﷺ نے منیٰ ہی میں رات ہی ہے، بلا عذر منیٰ کی شب گزاری ترک کرنا مکروہ ہے، البتہ کوئی دم لازم نہیں آئے گا، آج کل منیٰ کے خیمے مزدلفہ کی حدود میں بھی لگائے گئے ہیں، اس قانونی مجبوری کی وجہ سے جو حجاج ایام منیٰ کی راتوں میں مزدلفہ میں لگے خیموں میں رات تے ہیں اس میں کوئی کراہت نہیں، لیکن اس سے مزدلفہ کا حکم منیٰ کا یا منیٰ کا حکم مزدلفہ کا نہیں ہو جائے گا، آپ ﷺ نے جس جگہ کے جو حدود بیان فرمادیے ہیں قیامت تک وہی حدود رہیں گے، حکومت اسے بدلنے پر قادر نہیں، البتہ مجبوری کی وجہ سے قیام منیٰ کی سنیت فوت ہوگی جس سے حج میں کوئی نقص لازم نہیں آئے گا، آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پانی پلانی کی ذمہ داری کی وجہ سے انہیں مکہ مکرمہ میں رات گزارنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی:

”إن العباس بن عبد المطلب استأذن رسول الله ﷺ أن

يبیت بمكة ليالي منى من أجل سقايته فأذن له (۱)

اور علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: خض

”يبیت بها الرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات

(۱) صحيح مسلم، باب وجوب المبيت بمنى ليال أيام التشريق، ۱، حديث رقم: ۱۳۱۵

بغیر ہاتکرہ و لایلز مہ شیء“ (۱)
منی مستقل ہے یا مکہ مکرمہ کے تابع؟

اس معرکہ الآراء مسئلہ میں کبھی فریقین کے دلائل و جوابات میں قاری اتنا الجھ جاتا ہے کہ اصل سر ہاتھ نہیں آتا، اس لئے کچھ بنیادی باتیں سامنے دینا چاہیے۔
وجہ اتفاق:

منی، مزدلفہ اور عرفہ تینوں مقامات کا محدود و متعین اور تینوں بلکہ مکہ سمیت چاروں مقامات کے ساتھ مخصوص افعال حج کا متعلق ہونا اور افعال حج کو ان مقامات کے حدود کے اندر ہی انجام دینا حجاج کے لیے خاص ہے، یہ سب امور مخصوص شرعیہ سے صراحتاً ثابت ہیں اور تاقیامت باقی رہیں گے۔

مکہ کا شہر ہونا اور مکہ، منی اور مزدلفہ کا حرم میں ہونا اور حرم کے حدود کا متعین ہونا بھی منصوص اور اجماعی ہے اور شہر مکہ کی بلدیت اس میں محدود نہیں، البتہ منی کو متحدہ شرعی نے مکہ کی بلدیت سے خارج رکھا ہے۔

صحت ادائے جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر ہونا شرط ہے، قریہ صغیرہ اور صحراء میں جمعہ درست نہیں ہے، البتہ جو گاؤں شہر سے متصل ہے یا خارج شہر جو فنائے مصر ہے اور وہ شہر سے متصل ہے تو وہ شہر کے تابع ہوتا ہے یہ بھی فقہاء کے یہاں مسلم ہے۔

سفر شرعی شروع ہو جانے کے بعد مسافر کے لیے ایسی جگہ میں اقامت لائق ہو مقیم ہو جانے کی وجہ سے اتمام کرنا ضروری ہے اور اقامت کے لئے مسلسل پندرہ یوم کی نیت کا ہونا شرط ہے، اور نیت کا واحد میں ہونا معتبر ہے، دو مستقل موضع میں نیت معتبر نہیں ہے، البتہ اگر ایک جگہ اصل ہو اور دوسرا اس کے تابع ہو تو پھر دونوں بھی موضع واحد کے حکم میں ہیں۔

وجہ اختلاف:

منی میں صحت جمعہ کی وجہ میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایام موسم میں وہ شہر بن جاتا ہے اس لیے اقامت جمعہ درست ہے اور امام محمد کے نزدیک منی قریہ ہے موسم حج میں مصر جامع نہیں بنتا۔ (۱)

استقلال منی اور عدم استقلال منی کے سلسلہ میں ایک رائے دار العلوم کراچی، جامعہ اشرفیہ لاہور، مفتی شبیر احمد قاسمی اور مفتی احمد خانپوری صاحبان کی یہ ہے کہ آبادی کے تسلسل کی وجہ سے مکہ اور منی میں انفصال نہیں رہا، خود انہوں نے مشاہدہ کیا اور طے کیا کہ منی مکہ المکرمہ کا ایک محلہ اور جزء ہے، بلکہ مزدلفہ بھی داخل مکہ ہو چکا ہے، اس یاد دہانی کے ساتھ کہ یہاں مشاعر مقدّمہ منی، مزدلفہ، عرفات کی حدود شرعیہ سے کوئی بحث نہیں وہ سراسر توقیفی ہیں، البتہ قصر و اتمام کے مسئلہ میں مکہ مکرمہ، منی اور مزدلفہ موضع واحد کے حکم میں ہے۔ (۲)

جب کہ دوسرے دار العلوم یوبند کے بیشتر مفتیاں کرام، مظاہر علوم سہارنپور، مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم ابنیہ یعنی عمارتوں کا اتصال عمارتوں کے ساتھ ہونا چاہئے جبکہ منی صحراء ہے منی مکہ کی فنا نہیں ہو سکتی، فناء مصالح شہر کے لئے ہوتا ہے، یہ تو مناسک الحج کے لیے ہیں۔ (۳)

ثمرۂ اختلاف: جو حضرات منی، مزدلفہ اور عرفات کو جزء مکہ نہیں قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک جو حجاج کرام منی روانگی سے پہلے مکہ مکرمہ میں پندرہ روز قیام نہ کر سکیں وہ مکہ مکرمہ اور منی، مزدلفہ سب جگہ مسافر رہیں گے تو ان حضرات پر مسافروں کے احکام جاری ہوں گے، وہ حضرات حسب شرائط چار رکعت والی نمازوں میں قصر کریں گے، اور ان میں ایام قربانی میں نصاب والی قربانی بھی لازم نہیں ہوگی۔

(۱) مستفاد: از منی کے احکام شرعیہ اور استقلال منی کے تحقیق، از مفتی رشید احمد فریدی، گجرات

(۲) انوار مناسک، ص: ۴۵۸

(۳) تحفۃ اللمعی: ۲۸۲/۳

جولوگ جزء مکہ قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک جس دن کوئی شخص مکہ المکرمہ پہنچا ہو اُس دن سے لے کر حج سے واپسی تک کے درمیان اگر پندرہ دن سے زیادہ ہوتے ہیں تو وہ حاجی مقیم ہوگا اور نمازوں میں اتمام کرنا اس حاجی پر لازم ہوگا اور اگر واپسی تک پندرہ دن سے کم ایام کا قیام ہے تو وہ حاجی مسافر ہوگا اور نمازوں میں قصر لازم ہوگا۔ (۱)
اہل علم ذیل میں دیے گئے فریقین کے دلائل و جوابات سے مستفید ہو سکتے ہیں:
منی کو تابع مکہ ماننے والوں کے دلائل:

(۱) سارا حرم مکہ تابع ہے، اور منی حدودِ حرم میں ہے، لہذا منی بھی مکہ کے تابع اور اس کی فنا ہے۔

(۲) حضراتِ شیخین نے منی کو فنائے شہر مان کر منی میں جمعہ کو درست قرار دیا ہے، مگر بعد کے فقہاء نے اس قول پر فتویٰ اس وجہ سے نہیں دیا کہ مکہ مکرمہ اور منی میں دو فرسخ کا فاصلہ تھا، اور فنائے شہر شہر سے اتنا دور نہیں ہوتا ہے، مگر اب جب دو فرسخ ختم ہو گئے تو علت ختم ہو گئی، اس لیے منی فنائے شہر میں داخل ہو گیا۔

(۳) منی کا میدان ادائے مناسک اور قیام حجاج کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور اسی کام کے لیے معد ہے، اور ادائے نسک اور قیام حجاج ایسی مصلحت ہے کہ کبھی بھی شریک ہیں، اس وجہ سے منی فنائے شہر میں شمار ہوگا۔

(۴) حج و رمضان کے موقع پر مکہ مکرمہ کی گاڑیاں، بس وغیرہ منی ہی میں رکھی جاتی ہیں، اس اعتبار سے منی کا استعمال شہر کی مصالح میں داخل ہوگا تو منی مکہ ہی کا فنائے شمار ہوگا۔

پہلی دلیل اس وجہ سے محلِ نظر ہے کہ اگر منی مکہ کے تابع ہے تو کمکی کا مسافر ہونے کے لیے فنائے شہر سے باہر نکلنا ضروری ہے تو کمکی شخص منی سے باہر نکلنے پر ہی مسافر شمار ہوگا،

(۱) انوار مناسک، ص: ۴۵۸، نیز دیکھئے: موجودہ زمانہ میں منی و مزدلفہ میں قصر و اتمام کا مسئلہ، مؤلف مفتی محمد نعمان سینا پوری، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

مگر کسی فقیہ کا ایسا فتویٰ نہیں ہے، بلکہ حدود مکہ سے نکلنے پر ہی مسافر شمار کر لیا جاتا ہے، علاوہ ازیں جب منی فنائے شہر ہے تو فنائے شہر کے تابع ہوتا ہے اور شہر میں جمعہ درست ہونے پر کسی کا اختلاف نہ ہونا چاہیے مگر امام محمد سے منی میں نماز جمعہ کا عدم جواز مروی ہے۔

تیسری دلیل اس وجہ سے محل نظر ہے کہ فنائے شہر وہ حصہ جو شہر کے باشندگان کے لیے شہری ہونے کی حیثیت سے مصالح کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ ”فناء الشہر موضع معد لحوائج اهل المصر باقامتهم فی المصر“ (۱) اور ادائے نسک و قیام حجاج ایسی مصلحت نہیں جو شہری ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، بلکہ پوری عالم کے حجاج کو بحیثیت حاجی ہونے کے حاصل ہے، اس میں کمی ہونے کی کوئی حیثیت داخل نہیں ہے۔

چوتھی دلیل باین معنی محل نظر ہے کہ درحقیقت گاڑیاں جہاں پارک کی جاتیں وہ حصہ حدود منی سے باہر ہے، نیز اس استعمال کی وجہ سے منی کا جتنا حصہ استعمال ہوگا اس کو فنائے شہر کہا جاتا تو معقول ہے مگر تھوڑے حصہ کے استعمال سے میلوں پر مشتمل پورے میدان کو فناء کیسے کہا جائے گا۔

علاوہ ازیں منی مشاعر میں سے ہے اور اس کا اعداد (بنیادی طور پر منی کا میدان) ادائے نسک کے لیے ہے، اور فنائے شہر ہونے کے لیے ”اعداد لصلالح البلد“ شرط ہے، اس لہاظ سے اگر پورے سال بھی گاڑیاں پارک کی جائیں تو بھی فناء شمار نہیں ہوگا کیونکہ اعداد نہیں پایا گیا۔

منی کو مستقل ماننے والے علماء کے دلائل:

منی کے احکام مخصوص ہیں، جیسے ۸/ ذی الحجہ کو مکہ سے نکل کر منی پہنچنا، زوال کے بعد منی کا قیام، ہدی کا جانور منی میں ذبح کرنا مسنون ہونا، اس طرح مستقل پندرہ احکام

منی سے متعلق ہیں۔ (۱)

(۱) منی میں تعمیر مکان سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اسی لیے چودہ سو سال کے عرصہ میں کوئی مستقل محلہ قائم نہیں ہوا۔

”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلَا بُنِيَ لَكَ بَيْتًا يُظِلُّكَ بِمَنَى؟ قَالَ: لَا، مَنَى مَنَاخٌ مَنْ سَبَقَ“ (۲)

(۲) منی مزدلفہ اور عرفہ مشاعر میں سے ہیں اور مشاعر قیامت تک نہیں بدلتے ہیں، جیسے صفامروہ مشاعر میں سے ہیں مسجد حرام سے متصل ہونے کے باوجود مسجد شرعی میں داخل نہیں ہیں تو منی مکہ اس قدر متصل نہیں ہے جس قدر مسعی متصل ہے، اس کے باوجود مسعی شعائر میں ہونے کی وجہ سے حدود مسجد میں شمار نہیں ہوتا اسی طرح منی بھی مکہ میں شمار نہیں ہوگا۔

(۳) یوم الترویہ سے قبل حاجی کو مکہ مکرمہ میں قیام کرنا سنت ہے، حضور ﷺ بھی یوم الترویہ تک مکہ میں قیام فرمایا تھا، اس کے بعد احرام باندھ کر منی جانے کا حکم ہے اگر منی کو مکہ میں داخل مانا جائے اور اس کا استقلال ختم کر دیا جائے تو یوم الترویہ کو مکہ سے منی کی طرف جانا نہیں بلکہ مکہ سے مکہ ہی کی طرف جانا لازم ہوگا، کیونکہ تعبیر ”خروج الی المنی“ کی ہے، اور خروج کے لیے مکہ سے نکلنا شرط ہے۔

”يَسْتَحِبُّ أَنْ يَكُونَ فِي خُرُوجِهِ مِنْ مَكَّةَ وَدُخُولِهِ مَنَى مَلْبِيًا دَاعِيًا إِذَا كَرَأَ“ (۲)

(۴) خیر القرون کے زمانہ سے فقہائے مجتہدین نے منی کو مستقل مانا ہے چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں: منی کے احکام شرعیہ اور استقلال منی کی تحقیق: ۳۴

(۲) سنن الترمذی، أبواب الحج، باب ما جاء أن منی مستقل مانا ہے، حدیث نمبر: ۸۸۱

(۳) ارشاد الساری: ۲۸۶

قال محمد في الأصل إذا نوى المسافر أن يقيم بمكة و منى

خمسة عشر يوما لا يصير مقیما فعلم اعتبارهما شرعا موضوعين“ (۱)

(۵) جس طرح حل کا علاقہ مختلف خطوں اور آبادیوں پر مشتمل ہونے کے باوجود اہل میقات کے احرام کے لیے شرعاً مکان واحد کے حکم میں ہے ”ما وراء الميقات الى الحرم مکان واحد“ اسی طرح اس کے برعکس منی حرم میں ہونے کے باوجود مکہ سے تحدید شرعی کی وجہ سے خارج اور مستقل ہے۔

(۶) منی کا استقلال تشریع الہی ہے، اگر حساً آبادی وہاں تک بھی پہنچ جائے تو بھی اس کی حیثیت شرعی ختم نہیں ہوگی، حیثیت عرفی کا تقاضا ہے کہ منی کو تابع شہر قرار دیا جائے اور حیثیت شرعی کا تقاضا ہے کہ منی تا قیامت الگ رہے، ایسے تقابل کے موقع پر امر شرعی کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ امر ظاہر کا۔

اس کے علاوہ مزید دلائل کی بنیاد پر علماء کی ایک جماعت کا فتویٰ ہے قصر و اتمام میں مکہ اور منی دو مستقل موضع ہیں اور اتمام کے لیے موضع واحد میں قیام کی نیت شرط ہے، اس لیے حاجی کے مکہ اور منی کے قیام کی مدت پندرہ دن ہو تو مقیم نہیں ہوگا اور اتمام کی اجازت نہیں ہوگی۔

نیامنی (New Mina)

حجاج کرام اور مقامی ذمہ داروں کی زبان پر ایک اصطلاح چل پڑی ہے ”نیامنی“ (منی الجدیدہ) حالانکہ منی کے حدود و اطراف از روئے شرع طے شدہ ہیں، اس مشعر میں کوئی توسیع کی گنجائش نہیں ہے، دیگر مذاہب میں منی میں شبی واجب ہے اگر اس میں جگہ مل سکتی ہو، احناف کے یہاں منی کا قیام مسنون ہے یہ جگہ جس کو آج ”منی الجدیدہ“ کہا جا رہا ہے وہ مزدلفہ کا ایک حصہ ہے کوشش یہی ہو کہ حقیقی منی میں قیام کیا جائے یا اس کے قریبی جگہوں پر، اگر کم ہو جانے کا اندیشہ ہو، یا گروپ کو الاٹمنٹ ہی

مزدلفہ میں ملا ہو جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو اس عذر کی وجہ سے کسی فقہی مسلک میں ممانعت نہیں رہے گی، اسی طرح بجائے منی کے نئے منی یعنی مزدلفہ میں قیام درست ہوگا۔

الخلافا شر

اسی منی کا واقعہ ہے کہ عہد عثمانی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے چار رکعات ظہر کی نماز پڑھائی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے میں نے دو رکعت پڑھا تھا لیکن جب جماعت کھڑی ہوئی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی پیچھے نماز ادا فرمائی لوگوں نے پوچھا جب آپ کے پاس دلیل ہے تو آپ نے ان کی امامت میں چار رکعت کیوں ادا کی؟ فرمایا: ”الخلافا شر“ اختلاف زیادہ برا ہے، مطلب یہ ہے کہ فعلاً امیر کی موافقت کرتے ہوئے قولاً اختلاف رکھنا بہتر ہے، اس سے کہ قولاً وفعلاً اختلاف کرتے ہوئے علیحدہ جماعت بنائی جائے، دو رکعتیں زیادہ پڑھ لینا بہتر ہے، اس موقع پر اس جگہ پھر امیر المؤمنین کی مخالفت کرنے کے مقابلہ میں، فکر و عقل کے اختلاف کو باقی رکھتے ہوئے وحدت امت کے پہلو کو ذہن سے اوجھل ہونے من دیجیے۔

عبد اللہ بن مسعود کان یری القصر والجمع بمنی وهي من مكة، وكان عثمان إمام المسلمين یری إتمام الصلاة مع الجمع لأنه کان یری نفسه من أهل مكة وله بها أهل، وقد صلی ابن مسعود وراء عثمان وأتم الصلاة خلافا لما یراه في خاصة نفسه، فلما سئل عن ذلك قال: «الخلافا شر» لأن متابعة الإمام والمحافظة على اجتماع الأمة أمر واجب، ومصلحة راجحة، وأخذ به مقتضى رأيه مصلحة مرجوحة. فعن معاوية بن قرة عن أشياخه أن عبد الله بن مسعود صلی أربعاً، فقیل له عبت على عثمان ثم صلیت أربعاً، قال:

"الخلاف شر" وهو من شيم أهل الأهواء" (۱)

منی میں نماز جمعہ

آج کل منی میں قانونی طور پر آبادی نہیں ہے، کئی سالوں سے وہاں کے مکانات کو گرا کر وہاں کی آبادی ختم کر دی گئی ہے، حج صرف خیموں میں ہوتا ہے، جیسا کہ مولانا عبد الحفیظ مکی صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرمایا ہے، لہذا یہ قریہ نہیں۔

فقہاء کرام ابواب الجمعہ میں فرماتے ہیں کہ شیخین کے یہاں امیر کی موجودگی میں منی میں جمعہ جائز اور عرفات میں بالاتفاق جائز نہیں، پھر اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ "منی قریہ ہے، اور حج کے زمانہ میں مصر بن جاتا ہے" لہذا حج کے زمانہ میں مصر نہیں بنے گا، کیونکہ مصر بننے سے پہلے ضروری ہے کہ مستقل قریہ ہو مگر جب منی صحراء ہے تو حج کے زمانے میں مصر نہیں ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

وتجوز بمنی إن كان الأمير أمير الحجاز أو كان الخليفة
مسافرا عند أبي حنيفة رحمہ اللہ وأبي يوسف رحمہ اللہ وقال محمد رحمہ اللہ
لا جمعة بمنی "لأنها من القرى حتى لا يعيد بها ولها أنها
تتمصر في أيام الموسم وعدم التعييد للتخفيف ولا جمعة
بعرفات في قولهم جميعا لأنها فضاء وبمنی أبنية۔ (۲)
اور ابن ہمام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کھلے میدان میں جمعہ نہیں۔

قال ابن الهمام: إذا سافر الخليفة فليس له أن يجمع في
القرى كالبراري (۳)

(۱) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۱۹۶۰، طبرانی: ۳۸۶/۶، سنن بیہقی: ۳/۱۳۳

(۲) الہدایہ: ۱/۱۶۷

(۳) الہدایہ: ۲/۳۵، ۵۴

بلکہ عرفات کی جو حالت فقہاء نے بیان کی ہے، موجودہ زمانے کا منی اس سے قریب ہے، کیونکہ ملازمین اور عملہ کے رہنے کا اعتبار نہیں، اور ان کے علاوہ مستقل رہائش پذیر لوگ وہاں نہیں ہیں۔

ہاں قدیم زمانہ میں منی آباد تھا، جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر ہے اور اسی وجہ سے فقہاء مصر کی تعریف میں آبادی کا ذکر کرتے وقت منی کی آبادی کا ذکر فرماتے ہیں۔
ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

والمصر في ظاهر الرواية الموضع الذي يكون فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الأحكام وبلغت أبنيته أبنية منى، هكذا في الظهيرية وفتاوى قاضي خان. (۱)
نیز بعض سلف سے منی میں جمعہ نہ پڑھنا منقول ہے۔
ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

عن عبد الملك، عن عطاء قال: سمعته وسئل: على أهل منى جمعة؟ قال: إنما هم سفر، عن خالد بن أبي عثمان قال: شهدت عمر بن عبد العزيز لا يجمع بمنى. (۲)
مؤطا امام مالک میں ہے:

قال مالك، في إمام الحاج إذا وافق يوم الجمعة يوم عرفة، أو يوم النحر، أو بعض أيام التشريق: إنه لا يجمع في شيء من تلك الأيام. (۳)

ابن منذر نيسابوری کی اوسط میں ہے:

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۵

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، ما قالوا منی جمعة أم لا، ۲، حدیث نمبر: ۱۳۹۵۴

(۳) مؤطا امام مالک، باب الصلاة بمنی يوم الترویة، حدیث نمبر: ۱۹۵

ذکر حدیث: جاء رجل من اليهود الى عمر رضی اللہ عنہ فقال: اية من كتاب الله تقرؤونها ... انى لاعلم اليوم الذي أنزلت فيه والمكان الذي نزلت فيه ... إلى آخر الحديث، قال أبو بكر: ففى الجمع بين هذا الحديث وحديث جابر رضی اللہ عنہ أن النبى ﷺ صلى الظهر بعرفة بيان ودليل على أن لاجمعة بمنى ولا عرفة، وقال مالك: لاجمع الإمام وهو مسافر فى بر أو بحر (۱)

الفقه الإسلامى وأدلته میں ہے:

ولاجمعة بمنى وعرفة نصا لانه لم ينقل فعلها هناك (۲)

كشاف القناع (فقہ حنبلی کی کتاب ہے) میں ہے:

ولاجمعة بمنى وعرفة نصا، لانه لم ينقل فعلها هناك ، وللسفر (۳)

الغرض ساری عبارتوں کا خلاصہ و ماحصل یہی ہے کہ منیٰ میں جمعہ نہیں پڑھنا

چاہیے۔ (۴)

منیٰ میدانِ دعوت ہے

تعلیم و تربیت، دینی تذکیر و دعوت، حج کا ضمنی اور ثانوی فائدہ ہے، لیکن کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، خصوصاً اس عہد میں کہ اس کی ضرورتیں بے حد بڑھ گئی ہیں، اگر کسی ایک ملک کے مسلمانوں میں بھی کسی درجہ کا عزم اور نظم پیدا ہو جائے اور اس کام کے لیے وہ ضروری تیاری کر لیں، مخلص، دردمند، صاحب علم اور داعی کسی تعداد میں

(۱) الاوسط لابن المنذر: ۵/۳۴۹

(۲) الفقه الإسلامى وأدلته: ۲/۲۶۹

(۳) كشاف القناع: ۴/۲۴

(۴) مستقار: فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳/۵۴۱، ۲/۵۴۲

بھی فراہم ہو جائیں اور عالم اسلام کی دو چار زبانوں خصوصاً عربی پر اتنی قدرت حاصل ہو کہ وہ اس میں دعوت کا کام انجام دے سکیں ان کے پاس دعوت کا ضروری سامان بھی ہو، عالم اسلام کے لیے پیغام، اس کی اصل امراض مصائب کی تشخیص اور ان کا صحیح علاج، دین کی طرف بازگشت کی دعوت، امت کے ظہور کا مقصد اسلام اور عالم انسانی کا رشتہ، آخرت کی دنیا پر ترجیح، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے حقیقی اوصاف و اخلاق، ان مضامین پر خود بھی تیار ہوں اور ان کے پاس ان حقائق کو ذہن نشین کرنے کے لیے اور بعد تک یاد دہانی کرنے کے لیے مختصر رسائل مطبوعہ مضامین بھی ہوں، ایک ایسی جگہ بھی ہو (عارضی) جہاں وہ منتخب لوگوں کو بیٹھنے، گفتگو کرنے اور مطالعہ کرنے کی دعوت دے سکیں، اس لیے کہ اتنے وسیع اجتماع میں وہ ہر جگہ نہیں پہنچ سکتے، دینی زندگی پیدا کرنے کے لیے ان کے پاس ایک نظام عمل بھی ہو جس کا تجربہ ہر ملک میں کیا جاسکے، تو منی کے اس سہ روزہ قیام سے محیر العقول فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، دوسرے ممالک کے علاوہ خود ہندوستانی حجاج کی ہزاروں کی تعداد ملے گی جس کے پاس وقت گزارنے کے لیے لایعنی باتوں یا (فرائض کے بعد) کھانے پینے کے سوا کوئی مشغلہ نہیں، ان میں بہت بڑی تعداد دین کے ابتدائی اصول ارکان سے اگر ناواقف نہیں تو غافل ضرور ہوگی، اور کم سے کم ان کی دعوت و تذکیر اور ان کے احیاء و ترویج کے لیے جد جہد سے ضرور غافل ہے ان سب کو اس کی طرف متوجہ کرنا بہت بڑا کام ہے اور اس کام کے لیے منی اور مکہ معظمہ سے بہتر موقع نہیں مل سکتا، اس میں شبہ نہیں کہ اس کام میں سو فیصدی بلکہ شاید پچاس فیصدی کامیابی بھی یقینی نہیں، داعیوں اور کارکنوں کی کمی، ان کی بے سروسامانی مجمع کا پھیلاؤ، وقت کی قلت نہیں انتشار و پراگندگی، ناواقفیت و اجنبیت، یہ اور بہت سی چیزیں جو تجربہ کے بعد علم میں آئیں گی کامیابی کا بھی امکان ہو بلکہ سردست کوئی امکان نہ ہو تو بھی ہر قیمت پر یہ سودا سستا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کی اس میں قوی امید ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے قریبی نسبت ہے۔ ع

گرایں سودائے جاں بودے چہ بودے

کاش اس کو مسلمان اپنی ضروریات کی فہرست میں شامل کر لیتے، کاش اس کے لیے کچھ اہل ہمت کچھ اہل توفیق تیار ہو جاتے، کاش ہمارے یہ معروضات دلوں میں کچھ آمادگی پیدا کر سکتے، منی کے اس قیام سے فائدہ اٹھائیں اور ذرا دیر کے لیے عقبہ چلیں، جہاں مدینہ کے انصاریوں نے پہلے پہل حضور ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی، اس کی حمایت و نصرت عہد کیا اور جہاں حقیقتاً ہجرت اور مدنی زندگی کی داغ بیل پڑی، اسلام کی تاریخ میں اور عالم اسلامی کے طویل و عریض رقبہ میں یہ چند گز زمین بڑی حرمت و قیمت رکھتی ہے، سچ رکھتی ہے، سچ پوچھتے تو بدر کی فتح کا سنگ بنیاد یہیں رکھا گیا، تاریخ اسلام کا افتتاح یہیں سے ہوا، عالم اسلام کی تاسیس یہیں سے عمل میں آئی، یہی وہ موقع ہے جہاں اللہ کے نبی سے جو سارے حج کے مجمع سے مایوس ہو رہا تھا، یثرب کے بارہ آدمیوں نے چھپ کر بیعت کی اور اپنی خدمات پیش کیں، اگلے سال اسی جگہ تہتر مرد اور عورتوں نے بیعت کی، اور حضور ﷺ کو اہل مدینہ کا پیام شوق پہنچایا اور مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی، حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم دین کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے اور جب میں تمہارے شہر میں جا بسوں، کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی مانند کرو گے مدینہ والوں نے پوچھا، ایسا کرنے کا معاوضہ ہم کو کیا ملے گا، فرمایا: جنت! اہل مدینہ نے دریافت کیا کہ اے خدا کے رسول ہماری تسلی فرما دیجئے کہ حضور ﷺ ہم کو کبھی چھوڑ نہ دیں گے، فرمایا نہیں! میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا، اس پر ان حضرات نے بڑے جوش و سرور کے ساتھ بیعت کی۔

جبل رحمت کے مینار کی حیثیت

وقوف عرفہ میں رسول اللہ ﷺ نے کالی چٹان پر قیام کیا اور جبل رحمت آپ ﷺ کے سامنے تھا، (۱) علامہ ازرقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ

آپ ﷺ کا قیام تین پہاڑیوں کے درمیان ہوا تھا، جن کو اس زمانہ میں ”نبعہ، نبعہ، نابت“ کہا جاتا تھا (۱) خیال رہے کہ حدودِ عرفات میں جہاں بھی وقوف اور قیام کر لیا جائے وقوفِ عرفہ کا فریضہ ادا ہو جائے گا، البتہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ جبلِ رحمت کے نیچے جہاں بڑے بڑے چٹان ہیں وقوف کریں۔

”موقف رسول اللہ ﷺ وهو عند الصخرات الکبار المفترشة فی أسفل جبل الرحمة“

سعودیہ عربیہ کے جلیل القدر عالم دین بکر بن عبد اللہ ابوزید فرماتے ہیں: اس پہاڑ کا کوئی نام ”جبل رحمت“ کے نام سے ثابت نہیں ہے، البتہ ”جبل الال“ اور ”جبل عرفہ“ عربی زبان کے نظم و نثر میں معروف رہے ہیں، ابن عباسؓ کی روایت میں بھی ثانی الذکر نام مذکور ہے، میرے مطالعہ کے مطابق سب سے قدیم تحریر جس میں ”جبل رحمت“ کا نام دیا وہ ناصر خسرو کا سفر نامہ ہے۔ (۴۴۴ھ)

شیخ محمد بن ابراہیم (مفتی سعودیہ عربیہ) فرماتے ہیں جبلِ رحمت کہے جانے والے پہاڑ پر وقوف کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس پر وقوف کو مکروہ قرار دیا ہے، اور ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ ”ولا یسن صعودہ اجماعاً“ بالاتفاق اس پہاڑ پر چڑھنا سنت نہیں ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وإن الفضيلة فی موقفه ﷺ عند الصخرات فإن عجز فلیقرب منه بحسب الإمكان“ چٹانوں کے پاس وقوف کریں، اگر اس پر قادر نہ ہو تو پہاڑ سے جتنا ہو سکے قریب ہو جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جبلِ عرفات پر موجودہ مینار یہ بتلانے کے لیے نصب کیا گیا تھا کہ یہ یہی عرفات ہے، کیونکہ لوگ وادیوں، پہاڑوں کا سفر کر کے آتے تھے، شناخت دشوار تھی۔ (۲)

کیا اس پہاڑ پر مینار کی جگہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا تھا؟

جواب یہ ہے کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کل تین خطبے دوران سفر حج ارشاد فرمائے، یوم عرفہ میدانِ عرفات میں، یوم نحر منی میں، ۱۱ رذی الحجہ کو منی میں، احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حدودِ عرفات سے خارج مقامِ عرنہ میں خطبہ دیا، اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، اذان و اقامت کہی، ظہر اور عصر دونوں کو ایک ساتھ ادا کیا، چنانچہ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

”خطب بعرفة وليست من الموقف“ (۱)

لہذا اس مینار کی شرعی اور تاریخی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کو چھونا، اسے بوسے لینا، عبادت کے ارادہ سے اس پر چرھنا، وہاں دعا کی قبولیت کا محل سمجھنا سب بے اصل ہے۔



عرفات

ہوائی جہاز کے ذریعہ عرفہ سے گزرنا

عرفہ کے دن زوال کے بعد عرفہ میں وقوف کرنا اس سے گزرنا چاہیے خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہو فرض ہے، اور پھر یہ عرفہ سے گزرنا پیدل بھی ہو سکتا ہے اور سواری کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے پھر سواری میں بھی زمینی سواری کا ربس وغیرہ سے بھی ہو سکتا ہے اور کبھی فضائی سواری یعنی ہوائی جہاز کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ ہوا کو قرار کا حکم حاصل ہے۔ الغرض اگر کوئی شخص زوالِ شمس کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعہ عرفہ سے گزر جائے تو اس کا حج ہو جائے گا دم واجب نہ ہوگا۔ (۱)

عرفہ کے ہجوم کی وجہ سے نمرہ اور عرنہ کا وقوف کرنا

وقوف عرفہ حج کے بڑے ارکان میں سے ایک ہے اسی لیے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ”الحج عرفة“ کہ حج تو عرفہ کا نام ہے، لہذا یہ وقوف عرفہ ہی کے اندر ہونا چاہیے عرفہ میں ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے وادیِ نمرہ یا بطنِ عرنہ میں وقوف کر لینا ہرگز کافی نہ ہوگا، اس کا حج ہی نہ ہوگا اگرچہ لاعلمی میں یہ صورت پیش آجائے کیونکہ عرفہ کا وقوف رکن ہے اور نمرہ عرنہ یہ عرفہ میں شامل نہیں ہے۔ یہی تحقیق محقق علماء کی ہے، امام نووی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم اور شیخ ابن جاسر رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲)

(۱) مستقار: النوازل: ۳۸۰

(۲) النوازل فی الحج: ۳۸۴

عرفات میں قصر و اتمام

(۱) فی زمانہ عرفات، مزدلفہ، اور منیٰ میں نماز پڑھانے والا امام نجد سے آتا ہے جو کہ مسافر ہوتا ہے اور دو رکعت پڑھاتا ہے اس امام کی اقتداء میں مسافر حاجی دو رکعت ہی ادا کریں گے لیکن جو حاجی مقیم ہیں ان کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر دو رکعت ادا کرنا واجب ہے اور ان دو رکعتوں میں کوئی قرأت نہ کی جائیگی۔ (۱)

اہل خیمہ کے لیے عرفہ میں جمع بین الصلاتین

حج کے جن مسائل میں تشدد برتا جاتا ہے اور اختلافی حدود پر قائم رہنے کے بجائے سب کو ایک طریقہ پر جمع کر کے اتحاد کی نمائش کرائی جاتی ہے خواہ حقیقت میں اتحاد ہو یا نہ ہو، اسی لیے ہر سال عازمین حج سے تربیتی گفتگو کے موقع پر اور عین عرفات میں اس جیسے مسائل میں نزاع و کشمکش ہوتی ہے، حق پسند اور شرعی وسعت پسند کے علاوہ حضرات اپنا ایک نظریہ مسلط کرنا چاہتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں عصر کی نماز کو وقت سے پہلے ادا فرمایا ہے اور روایت و عمل متواتر ہے، اس بنا پر حکومت کی طرف مقرر کردہ امام عام (سرکاری معلم و امام الحج) کے پیچھے ۹ ربی الحجہ کو عرفہ میں ظہر اور عصر کی نماز ظہر کے وقت میں جمع کر کے مسجد نمروہ میں پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) البتہ اہل خیمہ کے متعلق امام اعظم رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہم کا اختلاف ہے امام کے نزدیک اہل خیمہ کے لیے جمع بین الصلاتین درست نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک درست ہے، متاخرین فقہاء نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو رائج قرار دیا ہے کیونکہ دلیل کے اعتبار سے امام صاحب کا قول قوی ہے کیونکہ جس طرح وقت سے پہلے روزہ درست نہیں، وقت سے پہلے حج درست نہیں، صبح صادق سے پہلے فجر درست نہیں ہے، عشاء کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز درست

نہیں کیونکہ ہر نماز اپنے وقت پر ادا کرنا نص قطعی سے ثابت ہے ”إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا“ (۱) اور جو چیز نص قطعی سے ثابت ہو اس میں ترمیم نص قطعی سے ہی ہو سکتی ہے، اور جس قدر ترمیم نص قطعی سے جس طریقہ پر ثابت ہے اتنی ترمیم ثابت مانی جائے گی اور آپ ﷺ سے ۹ ربی الحجہ کو عرفات میں حالت احرام میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا ثابت ہے جبکہ اس میں آپ خود امام اور امیر المؤمنین تھے، پس جو تنہا نماز ادا کرے یا امام حج کے پیچھے ادا نہ کرے یا حالت احرام میں نہ ہو اس کے لیے جمع بین الصلاتین درست نہ ہوگی، اس لیے امام حج کے ساتھ دونوں نمازیں ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، لیکن میدان عرفات میں تیس چالیس لاکھ مسلمانوں کا کثیر مجمع امیر حج کے بیک وقت جماعت میں شامل ہوں نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے، اس مجبوری کے پیش نظر حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے قول پر عمل کرنا اور خیموں میں جمع بین الصلاتین کرنا درست ہے اور یہی امام مالک رحمہم اللہ، امام شافعی رحمہم اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مسلک ہے، اختلاف و انتشار سے بچتے ہوئے جو جس مسئلہ پر عمل کر لے درست ہے۔

(۱) امام صاحب اور صاحبین کے مابین اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک جمع بین الصلاتین کی علت ”امام حج کے ساتھ جماعت کی محافظت“ پس جو امام حج کے ساتھ نماز ادا کرے اس کے لیے جمع کا حکم ہے ورنہ نہیں، اور صاحبین کے نزدیک جمع کی علت ”امتداد وقوف (لبہ وقت تک کے لیے وقوف عرفہ ہو) اور یہ علت تمام حاجیوں کے لیے ہے، لہذا اہل خیمہ کے لیے جمع بین الصلاتین درست ہے۔

”ومبنى الاختلاف على أن تقديم العصر على وقته لأجل محافظة

- الجماعة أو لا متداد الوقوف فعنده للأول وعندهما للثاني“ (۱)
- (۲) امام صاحب کے نزدیک جمع بین الصلاتین کے لیے کل چھ شرطیں ہیں: [۱] حج کا احرام ہونا [۲] دونوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا [۳] دونوں نمازوں کو امام حج یا اس کے نائب کی اقتداء میں ادا کرنا [۴] ظہر کی نماز کو عصر کی نماز پر مقدم کرنا [۵] عرفہ کے دن عصر سے قبل ظہر کے وقت میں عصر ادا کرنا [۶] حدود عرفہ میں دونوں نمازیں ادا کرنا۔ پس اگر ان میں سے ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک جمع بین الصلاتین درست نہیں ہے۔
- ”فجملة الشروط ستة والثلاثة الأخيرة منها متفق عليها عندنا بخلاف ما قبلها ولو فقد شرط منها يصلى كل صلاة في الخيمة عليحدة في وقتها بجماعة أو غيرها“ (۲)
- صاحبین کے نزدیک [۱] امام یا اس کا نائب ہونا [۲] جماعت ہونا شرط نہیں ہے، پس تنہا ہو یا جماعت کے ساتھ جمع بین الصلاتین صاحبین کے نزدیک درست ہے۔
- ”وعندهما الإمام والجماعة ليس بشرط“ (۳)
- (۲) صاحبین کے مسلک کی تائید میں حضرت عطاء رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی منقول ہے: حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خیمہ میں نماز ادا کرنے والے کو اختیار ہے خواہ جمع بین الصلاتین کرے یا ہر نماز اپنے وقت پر ادا کر لے۔
- ”عن عطاء قال: إذا صليت في رحلك فإن شئت فاجمع بينهما، وإن شئت فصل كل واحد منهما لوقتها“ (۴)

(۱) عنایہ علی شرح الہدایہ: ۴۸۲/۲

(۲) غنیۃ الناسک: ۱۵۳

(۳) فتاویٰ تاتارخانیہ: ۴۵۳/۲، ملخص از: انوار مناسک: ۴۲۲، فتاویٰ قاسمیہ: کتاب الحج: ۱۴/۳۱۶

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ، فی الرجل یصلی بعرفۃ فی رحلہ، حدیث نمبر: ۱۳۰۳۸

(۳) علاوہ ازیں عرفہ میں مسجد نمبرہ تمام حاجیوں کا سما جانا ایک مشکل مرحلہ ہونے کے مسئلہ محاذ اذہ سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، اس بھگدڑ میں کون کون حاجی اس مسئلہ سے واقف ہوگا اور کس قدر رعایت ہو سکتی ہے اس ازدحام کے موقع پر ہی اس کا اندازا ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ میدان عرفہ میں ظہر اور عصر ایک وقت میں ادا کرنا ہے بسہولت امام کے پیچھے ادا کر لیں ورنہ اپنے خیموں میں ادا کرنے میں ہی عافیت ہے، بعض مرتبہ پہنچتے پہنچتے رکعتیں چھوٹ جاتی ہیں، بعض مرتبہ خیمہ بھول جاتے ہیں، یہ بات کہ خیموں میں جمع بین الصلاتین ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، ہر ایک کی گنجائش ہے اختلاف کیے بغیر جس کو جس پر عمل کرنا ہو کر لیں۔

علاوہ ازیں جو شخص امام حج کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکے خواہ بھیڑ کی وجہ سے ہو، جیسے آج کل کی صورت حال ہے یا کسی اور وجہ سے، وہ بھی حج کے دوران عرفہ و مزدلفہ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع و قصر کے ساتھ پڑھے گا، کیونکہ کسی بھی حدیث اور کسی بھی صحابی کے قول میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھتے اور تنہا پڑھتے یا امام حج کے ساتھ نماز پڑھنے اور غیر امام حج کے ساتھ نماز پڑھنے میں فرق کیا گیا ہو، اس کے برخلاف صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں متعدد سندوں سے وارد ہے کہ اگر امام کے ساتھ ان کی نماز [میدان عرفات میں] چھوٹ جاتی تو اپنی قیام گاہ پر آ کر دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھتے۔ (۱)

اس کے برخلاف کسی بھی صحابی سے یہ وارد نہیں ہے کہ اس نے امام کے ساتھ اور اکیلے نماز پڑھنے میں فرق کیا ہو۔



مزدلفہ

مزدلفہ میں قصر کریں یا اتمام

۱۴۲۰ھ میں جب منی کو مکہ مکرمہ کا ایک محلہ شمار کیا گیا تو اس وقت مزدلفہ کی آبادی بالکل الگ تھی مگر ۱۴۲۴ھ میں مکہ مکرمہ کا مشہور بازار اور محلہ عزیز یہ کی آبادی بڑھ کر مزدلفہ سے مل گئی اور مزدلفہ میں بھی مکانات کی تعمیر ہو گئی تو اہل فتویٰ نے منی کی طرح مزدلفہ کو بھی مکہ مکرمہ کا ایک محلہ شمار کر لیا، پس حاجی جس دن مکہ مکرمہ پہنچے اس دن سے واپسی تک اگر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہوتے ہوں تو مقیم شمار ہوگا اور اتمام کرے گا، اسی طرح صاحب نصاب ہونے کی صورت میں قربانی واجب ہوگی۔

”إذا كانت القرى متصلة بربض المصر فحيثئذ تعتبر مجاورة

القرى والصحيح ما ذكرنا أنه يعتبر عمران المصر إلا إذا ثمة

قرية أو قرى متصلة بربض المصر فحيثئذ يعتبر مجاورة القرى“ (۱)

معذور و خواتین کے لیے ازدحام کی وجہ سے ترک و قوف

مریض اور معذور مرض اور عذر کی وجہ سے قوف مزدلفہ نہ کرے تو دم واجب نہیں

ہوگا، اور عورت اگر ہجوم کی وجہ سے قوف مزدلفہ نہ کرے تو دم واجب نہیں ہے، مرد اگر

ہجوم کی وجہ سے قوف نہ کرے تو دم واجب ہوگا۔ (۲)

(۱) فتاویٰ تاتار خانیہ: ۵/۲، فتاویٰ ہندیہ: ۱۳۹/۱، ملخص: انوار مناسک: ۴۵۷

(۲) معلم الحج: ۱۵۷

البتہ علامہ کا سانی نے بلا تفریق عذر کی وجہ سے ترک وقوف مزدلفہ کو جائز قرار دیا ہے ”ترك الوقوف بمزدلفة جائز لعذر“ (۱) اور علامہ نووی نے بھی عذر کی صورت میں بلا وجہ دم ترک وقوف کو جائز کہا ہے ”أما من ترك ميبت مزدلفة أو منى لعذر فلا دم“ (۲) کثرت اگر کوشش کے باوجود مزدلفہ نہ پہنچ پایا تو وقوف مزدلفہ معاف ہے اور اس پر دم واجب نہیں ہوگا، البتہ بلا کوشش راستہ میں ہی بیٹھ جانا اور راستہ روکنا سخت گناہ ہے، اور محض وہم پر کہ یہی مزدلفہ ہے جبکہ وہ عرفہ ہے اس طرح بلا تحقیق وقوف کر لیا تو دم واجب ہوگا۔ ”وأما ترك الواجبات بعذر فلا شيء فيه ثم مرادهم بالعذر ما يكون من الله تعالى فلو كان من العباد فليس بعذر“ (۳) اسی طرح محض ازدحام کے اندیشہ سے جبکہ حقیقت میں ازدحام نہیں ہے وقوف مزدلفہ ترک کر کے منی چلے جانا درست نہیں، نیز بلا عذر وقوف مزدلفہ ترک کرنے سے بالاجماع دم واجب ہوگا۔ (۴) البتہ بوڑھوں، کمزوروں، اور عورتوں کو پہلے بھیج دینا بالاجماع جائز ہے۔ (۵)

محض ہجوم عذر نہیں ہے

مزدلفہ کا وقوف واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص محض ہجوم کی وجہ سے نصف اللیل (آدھی رات) کے بعد واپس لوٹ جائے تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ مطلق ہجوم عذر نہیں بنے گا خواہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔

البتہ ایسا ہجوم جسمیں نقصان ہونے کا غالب گمان ہو تو یہ ہجوم عذر شمار ہوگا۔ خواہ

عورت ہو یا مرد۔ (۶)

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۳۳۲

(۲) کتاب الزحام وأثره في النسك: ۵۳

(۳) غنية الناسك جدید: ۲۳۹

(۴) ایضاح الطحاوی: ۵۰۵/۳

(۵) حجة النبي وعمراته: ۱۲۰

(۶) مستفاد: النوائل: ۴۳۳، ۴۳۴

ورنہ اگر مطلق ہجوم کو عذر شمار کر لیا جائے تو کئی مناسک جو واجب ہے، چھوٹ جائیں گے کیونکہ ہجوم تو صفا و مروہ کی سعی، طواف، منی وغیرہ ہر جگہ موجود ہے۔ آدھی رات سے پہلے لوٹ جانا کسی کے لیے جائز نہیں خواہ ضعیف ہو یا معذور کسی کے لیے جائز نہیں۔

غیر معذور حضرات جو معذورین اور ضعفاء کو لے جانے میں مدد کرتے ہوں ان کی خدمت میں ہو تو یہ لوگ بھی معذور سمجھے جائیں گے۔ (۱)
مزدلفہ میں عشاء سے قبل پہنچ جائیں تو کیا کریں؟

عرفات کی شام مغرب اور عشاء دونوں کا وقت عشاء ہی کو شروع ہوتا ہے، اگر عشاء کے وقت سے پہلے مزدلفہ پہنچ جائیں تو مغرب کی نماز اسی وقت ادا کی جائے جب عشاء کا وقت شروع ہو جائے، اس سے قبل نماز پڑھنا درست نہیں، لہذا اس دن کی نماز کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں:

(۱) مکان: نماز حدود مزدلفہ میں ہی ادا کرنا ضروری ہے۔

(۲) زمان: عشاء کا وقت ہونا۔

”حتى لو وصل إلى مزدلفة قبل العشاء لا يصلى المغرب حتى يدخل وقت العشاء النخ“ (۲)



(۱) التوازل فی الحج: ۴۳۴

(۲) غنية الناسك: ۱۶۴

رمی

رمی جمرات کی حقیقت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھا ہے کی اکلوتی لاڈلی اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے لے جانے لگے تو شیطان تین جگہوں پر نظر آیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تینوں جگہوں پر سات سات کنکریاں ماری، وہ زمین میں دھنس گیا، اسی کی یاد میں رمی کا عمل ہے۔ (۱)

جرمہ اس قدیم منارے کا نام تھا، نہ اس زمانے کے بڑے بڑے حوضوں میں پائے جانے والی دو مرتبہ منزلہ طویل و عریض دیواروں کا نام بھی جرمہ نہیں، اصل جرمہ نام ہے ”مجمع الحصى یا مرمى الحصى“ کا یعنی کنکریوں کے جمع ہونے کی جگہ، بعض حنفیہ کے نزدیک اس زمانے کی تعداد کے اعتبار سے تین تین ذراع (تقریباً ساڑھے چار فٹ) تک فاصلہ... سمجھا گیا کہ اگر کنکری اس قدر دائرہ میں گر جائے تب رمی ہو جائے گی، (۲) اب وہاں کوئی شیطان نہیں ہے، یہ کہنا بھی غلط ہے، علمی اعتبار سے کہ زمانے گزرنے کے ساتھ شیطان بڑا ہو گیا، فقہ اور تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ جرمہ کی ذراع سے تحدید اپنے اپنے دور کے اعتبار سے رہی، اگرچہ مکان جرمہ توقیفی ہے، مگر اس کے حدود اربعہ کی تحدید منصوص نہیں ہے، یہ ضابطہ بالکل مسلم

(۱) رسول اللہ ﷺ کا طریقہ حج: ۵۱۳، مفتی محمد ارشاد القاسمی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۵۴/۲۳، مادة رمی، شروط وصحة رمی الجمار

ہے کہ کنکریوں کے گرنے کی جگہ جمرہ ہے، ظاہر جتنی تعداد بڑھے گی اس دائرہ رمی میں توسیع ہو سکتی ہے۔ (۱)

رمی کا وقتِ مسنون

(۳) رمی کا وقت افضل طلوع آفتاب کے بعد ہے، طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد امام ابو حنیفہ کی ایک روایت ہے کہ معذور کے لیے درست اور غیر معذور کے لیے مکروہ ہے۔ البتہ ائمہ ثلاثہ سوائے امام شافعی کے دونوں کے لیے مکروہ قرار دیا ہے رات میں رمی کرنا معذور وغیر معذور کسی کے لیے جائز نہیں ہے، رات کی رمی کا دن میں اعادہ واجب ہے، ورنہ دم لازم ہے مثلاً گیارہ ذی الحجہ کے بعد آنے والی رات میں بارہ ذی الحجہ کی رمی کر لیا، کیونکہ رات دن کے تابع ہے تو یہ رات گیارہ کی ہوئی نہ کے بارہ ذی الحجہ کی، اور وقت سے پہلے بھی رمی درست نہیں ہے (۲) جمرہ عقبہ کی رمی میں گیارہ ذی الحجہ کی صبح صادق تک تاخیر ہو جائے تو تاخیر سے قضاء اور دم دونوں لازم ہیں۔ (۳)

رمی کا وقتِ جائز

زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

رمی کا وقت مکروہ

غروب آفتاب سے ۱۱ ارذی الحجہ کی طلوع صبح صادق تک رمی کرنا بکراہت کے ساتھ جائز ہے، جبکہ کوئی عذر نہ ہو، اگر کوئی عذر ہو تو کوئی مکروہ نہیں ہے اور آج کل اثر دھام خود ایک عذر ہے، لہذا ۱۰ ارذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے ۱۱ ارذی الحجہ کی طلوع صبح صادق تک کسی بھی وقت رمی کر لینا بلا کراہت جائز ہے۔ (۴)

(۱) مناسک حج کے فضائل و احکام: ۴۳۰

(۲) انوار مناسک: ۴۷۴

(۳) انوار مناسک: ۴۷۷، بحوالہ معلم الحج ۱۸۲

(۴) رفیق حج و عمرہ: ۷۹

رمی کے لیے مناسب وقت

حجاج کو عموماً دس ذی الحجہ کو منیٰ آتے ہی فوراً رمی کرنے کی فکر ہوتی ہے، جبکہ میدانِ عرفہ کے قیام اور مزدلفہ کی رات نیند نہ ہونے کی وجہ سے تھکن ہوتی ہے، اور ازحام بھی ہوتا جس کی وجہ سے اموات بھی ہوتی ہیں، اس لیے آپ حضرات مزدلفہ سے سیدھے اپنے خیمہ چلے جائیں اور خوب آرام کر لیں، اطمینان سے ظہر کی نماز ادا کریں، کھانے سے فارغ ہو جائیں اور عصر تک اپنے خیمہ میں رہیں، عصر پڑھنے کے بعد رمی کے لیے نکلیں، اپنا مصلیٰ ساتھ رکھ لیں درمیان میں نماز کا وقت ہو جائے نماز ادا کر لیں، یاد رہے کہ خیموں سے نکلتے وقت ہی جلد بازی کا ذہن بنا کر نہ جائیں کہ اب بہت انتظار کر لیا ہے فوراً جائیں گے اور جلدی سے رمی کر آئیں گے، کیونکہ رمی ایک عبادت ہے اور عبادت کو سکون و اطمینان سے ادا کرنے کا ذہن رکھیں، آہستہ آہستہ جمرات کے قریب ہوتے جائیں جب آپ اس پوزیشن میں ہو جائیں کہ اب مسنون طریقہ سے رمی ہو سکتی ہے نہ زیادہ دور ہیں اور نہ ہی بالکل قریب تو اب ذکر کے ساتھ رمی کریں، اس تجربہ سے نہ خود آپ کو راحت ملے گی بلکہ آپ کی مستورات کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی، چونکہ عموماً مشقت رمی میں ہوتی ہے۔

فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

[اسلامی فقہ اکیڈمی کے سولہویں سیمینار مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب بانی و مہتمم جامع اسلامیہ دارالعلوم مہذب پورا عظیم گڑھ کی دعوت پر جامعہ ہذا میں منعقدہ ۳۰ مارچ تا ۲ اپریل ۲۰۰۷ء کے فیصلے نقل کیے جاتے ہیں جس میں ۲۰۰ علماء، ارباب افتاء اور ماہرین نے شرکت کی تھی]

۱۔ حج اسلام کی ایک اہم ترین عبادت ہے جو زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے اس لیے حجاج کرام کو چاہیے کہ حج میں افضل اور مسنون طریقہ پر عمل کریں اور زیادہ

سے زیادہ احتیاطی پہلو کو ملحوظ رکھیں، یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تینوں دنوں (۱۰/۱۱/۱۲ رذی الحجہ) کورمی کے اوقات میں کافی وسعت ہے، اور ہر دن اگلے دن کے طلوع صبح صادق تک رمی کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے اگر رمی کے لیے اپنے حالات کے لحاظ سے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے تو دشواری نہ ہو اور حادثات پیش نہ آئیں، کیونکہ زیادہ تر حادثات عجلت پسندی اور مسائل سے ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

۲۔ ۱۰ رذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے اور صبح صادق کے بعد کرنا عام لوگوں کے لیے مکروہ ہے، البتہ معذورین، بیمار، خواتین اور ضعیف حضرات کے لیے اس وقت بھی رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

۳۔ ۱۰ رذی الحجہ کی نصف شب سے رمی کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس وقت رمی کا وقت ہی شروع نہیں ہوتا ہے۔

۴۔ ۱۱/۱۲ رذی الحجہ کورمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور اگلی تاریخ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے، ان ہی اوقات میں رمی کرنا چاہئے اور حج فرض ادا کرنے والوں کو خاص کر اس کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ شدید مجبوری اور دشواری کی بنا پر اگر کسی شخص نے زوال سے پہلے رمی کر لی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک قول پر عمل کرتے ہوئے اس پر دم واجب نہیں ہوگا۔

۵۔ ۱۱/۱۲ رذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا ازدحام کی موجودہ کیفیت کو دیکھتے ہوئے مکروہ نہیں ہے۔

۶۔ ۱۲ رذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد منی میں رکے رہنے سے ۱۳ رذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر منی میں ۱۳ رذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہو جائے تو پھر ۱۳ کی رمی بھی واجب ہو جائے گی۔

۷۔ ایام منی میں حجاج کے لیے منی میں ہی رات گزارنا مسنون ہے، اس لیے حجاج

کرام کو چاہیے یہ راتیں منی میں گزاریں اور بلا ضرورت محض راحت و آرام کے لیے منی سے باہر قیام کر کے ایک اہم سنت کے تارک نہ بنیں۔

۸۔ البتہ اگر جگہ کی تنگی اور حکومت کے نظام کی وجہ سے منی کے باہر قیام کرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ (۱)

معذور کے احکام

رمی جمرات میں عذر کی وجہ سے نیابت جائز ہے (۲) عورت دسویں کو سورج نکلنے سے قبل اور گیارہویں، بارہویں کو سورج غروب ہونے کے بعد رات میں ہجوم کے خوف سے رمی کرے یا ضعیف و کمزور اس طرح کرے تو جائز ہے ان کے علاوہ کے لیے مکرر وہ ہے۔ (۳)

رمی میں معذور کون کہلاتا ہے؟

بعض حضرات نے فرمایا کہ بے ہوش اور نا سمجھ بچے کے علاوہ جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو، اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں جس کو سخت تکلیف ہوتی ہو، وہ معذور ہے، اگر اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ یا تکلیف ہوتی ہو، تو وہ معذور ہے، اگر اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ یا تکلیف نہ ہو، تو پھر اس کو خود آ کر رمی کرنی ضروری ہے، اور دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، نیز سواری کے ذریعہ قادر کو اگر سواری یا اٹھانے والا دستیاب نہ ہو، اور معذور دوسرے سے رمی کر سکتا ہے۔ (۴)

ثم المريض ليس على اطلاه، ففي الحاوى عن المتنفى عن
محمد إذا كان المريض بحيث يصلى جالساً رمى عنه، ولا

(۱) رمی جمار کے اوقات اور منی میں شب گزارى موجودہ حالات کے پس منظر میں: ۱۵، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

(۲) مشک عطاء: ۱۸۱

(۳) معلم الحج: ۱۷۴

(۴) زبدة المناسك: ۱۸۶

شیء علیہ انتہی، ولعل وجهہ أنه إذا كان يصلى قائماً، فله
القدرة على حضور المرمى راكباً أو محمولاً، فلا يجوز
النيابة عنه (۱)

بعض حضرات عرفات و مزدلفہ وغیرہ کے معمولات کی وجہ سے تھکے ماندے
ہوتے ہیں، وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اب اتنی طاقت نہیں کہ خود جا کر رمی کریں، اس
لیے اپنی رمی دوسرے سے کراتے ہیں۔

خوب سمجھ لیجیے کہ صرف تھکے ہوئے ہونا شرعی عذر میں داخل نہیں، جب تک کہ
واقعی درجہ کی معذور نہ پیدا ہو، لہذا تھکے ہوئے ہونے کو عام حالات میں عذر خیال کر کے
دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، جب ایک شخص اپنے وطن سے دور دراز کا سفر کر کے مکہ
مدینہ، منیٰ اور وہاں سے عرفات پھر مزدلفہ اور وہاں سے منیٰ میں پہنچ سکتا ہے، اور اپنے
ملک بھی واپس آتا ہے، تو اب منیٰ میں رہتے ہوئے حجرات تک پہنچنا ان تمام مراحل کے
مقابلہ میں کوئی مشکل کام نہیں، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ ہر قسم کی سہولیات
اور سواریاں (ویل چیئر وغیرہ) باسانی مہیا ہو جاتی ہیں، کوئی بھی مشکل کام نہیں، لیکن اگر
کوئی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں۔

پس اس قسم کے نفسانی حیلوں کو بنیاد بنا کر حج کی عظیم سعادت سے محرومی بہت
بڑی نادانی و ناعاقبت اندیشی ہے۔ (۲)

معذور کا اپنی رمی کے لیے نمائندہ بنانا ضروری ہے

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو بے ہوش یا نا سمجھ بچہ نہ ہو، اور وہ خود رمی کرنے پر
قادر ہو، اس کو خود ہی رمی کرنا ضروری ہے، اس کا کسی دوسرے کو رمی کرنے کے لیے
نائب بنانا معتبر نہیں۔

(۱) دیکھا جائے: مناسک ملا علی القاری: ۲۳۸

(۲) مناسک حج کے فضائل و احکام: ۴۴۷-۴۴۸

اسی طرح جو شخص رمی کرنے پر قادر نہ ہو، مگر وہ ہوش و حواس میں ہو، تو اس کی طرف سے رمی معتبر ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسرے شخص کو اپنی رمی کرنے کا نائب و نمائندہ بنائے، اس کے کہے بغیر کسی دوسرے کس خود سے اس کی طرف سے رمی کر دینا معتبر نہیں خواہ، خواہ وہ رمی کرنے بعد دوسرے کو آ کر اطلاع بھی کیوں نہ دے دے۔

الخامس: أن يرمى بنفسه، فلا تجوز النيابة عند القدرة،
وتجوز عند العذر، فلو رمى عن مريض أى لا يستطيع
الرمى بأمره أو معنى عليه ولو بغير أمره، أو صبي غير مميز،
أو مجنون جائز (۱)

بعض لوگ ہوش و حواس میں تو ہوتے ہیں، لیکن شرعی معذور ہونے کی وجہ سے خود رمی کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، ان کی طرف سے آج کل دوسرے لوگ رمی کر دیتے ہیں، لیکن اس رمی کرنے کا معذور کی طرف سے حکم نہیں ہوتا، اس طرح کی رمی معتبر نہیں، لہذا کو مرد یا عورت خود رمی کرنے سے شرعاً معذور ہو، اس کا کسی دوسرے سے اپنی رمی کرانا اس وقت معتبر ہے جب کہ وہ خود کسی دوسرے کو اپنی کنکری مارنے کا حکم دے (یعنی اپنی رمی کرنے کا نمائندہ اور وکیل بنائے مثلاً یہ کہے کہ اُمیری طرف سے بھی کنکری مار دیں) اگر اس معذور نے کسی کو اپنا نمائندہ نہیں بنایا اور کسی ہمراہی یا شوہر، یا محرم و رشتہ دار وغیرہ نے اس معذور کے حکم کے بغیر خود اس کی طرف سے کنکریاں مارنے کے بعد معذور کو بتلا بھی دیا ہو اور وہ اس پر راضی بھی ہو گیا ہو، پس اگر وقت باقی ہو تو کہہ کر اپنی رمی دوبارہ کرائیں ورنہ دم لازم ہوگا، البتہ اگر کوئی بے ہوش یا مجنون ہو تو بغیر اس کے کہے بھی اس کے ساتھیوں کا اس کی طرف سے رمی کرنا جائز ہے۔ (۲)

(۱) مناسک ملا علی قاری: ۲۴۷

(۲) مناسک حج کے فضائل و احکام: ۴۵۰

معذور کی طرف سے رمی کا افضل طریقہ

اگر کوئی شخص خود سے رمی کرنے پر قادر نہ ہو، لیکن جمرات تک پہنچنے پر قادر ہو، تو اسے جمرات تک پہنچنا افضل ہے، اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس مریض و معذور کے ہاتھ پر کنکری رکھے، اور اس کا ہاتھ پکڑ کر رمی کرائے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ مریض و معذور شخص خود سے اپنے نائب کو رمی کرنے کے لیے کنکریاں فراہم کرے، اور اگر وہ خود سے تکبیر کہہ سکتا ہو، تو تکبیر بھی کہے، اور نائب اس کی طرف سے کنکریاں مارے۔

لیکن اگر وہ یہ عمل نہ کرے، بلکہ کسی دوسرے کو اپنی رمی کرنے کا صرف نائب بنادے، اور وہ خود جمرات پر حاضر نہ ہو، تو اس کی طرف سے نائب کو جمرات پر جا کر رمی بھی جائز ہے۔

ومن كان مريضاً أو مغمى عليه توضع الحصاة في يده ويرمي بها، وإن رمى عنه غيره بأمره أجزأه والأول أفضل وفي اللباب ولو رمى بحصاتين إحداهما عن نفسه والأخرى عن غيره جاز ويكره، والأولى أن يرمي أولاً عن نفسه ثم عن غيره (۱)

ہجوم کی وجہ سے رمی میں دوسرے کو نمائندہ بنانا

بعض اہل علم حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ مرد یا کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ صرف ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے، اپنی طرف سے نیابت رمی کرائے۔ (۲)

یہ بات دوبارہ سمجھ لینی چاہیے کہ حج کرنے والے کو جمرات کی رمی واجب ہے،

(۱) منحة الخالق على البحر الرئق: ۳۶۹/۲، مزید دیکھئے: المجموع المہذب: ۲/۲۴۴،

المغنی لابن قدامہ: ۳/۴۲۸، مناسک حج کے فضائل و احکام: ۴۴۷

(۲) زبدة المناسک: ۱۸۴

اس کے چھوڑ دینے پر دم لازم ہے، مرد و عورت، بیمار و ضعیف سب کو خود جا کر اپنے ہاتھ سے رمی کرنی چاہیے، کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا کر رمی کرانا بلا شرعی عذر کے جائز نہیں۔ آجکل اس مسئلہ میں بہت غفلت ہو رہی ہے، معمولی باتوں کی وجہ سے دوسروں کے ذریعہ سے رمی کرائی جاتی ہے، خاص طور پر خواتین تو اس معاملہ میں بہت ہی غفلت و لاپرواہی کا شکار ہیں اور عام طور پر مردوں کے واسطے سے اپنی رمی کروا کر، مطمئن اور بے فکر ہو جاتی ہیں، ایسا کرنا بالکل جائز نہیں، اس سے دم واجب ہو جاتا ہے، اس لیے خواتین و حضرات یہ سنگین غلطی ہرگز نہ کریں، وہاں کسی کی باتوں میں بھی نہ آئیں اور نہ ہی دیکھا دیکھی دوسروں کے اس غلط طرز عمل سے متاثر ہوں، بلا شرعی عذر کے اپنا واجب چھوڑ کر گناہ گار نہ ہوں اور اپنے حج کو ناقص نہ کریں، البتہ شرعی عذر ہو تو دوسرے کو کہہ کر اور اس کو اپنا نائب بنا کر رمی کرانا جائز ہے۔ (۱)

تاخیر افضل ہے یا نیابت افضل؟

جمرات کی رمی کرنے کا سلسلہ شریعت نے معذورین کو نائب بتانے کی اجازت دی ہے نیز عذر کی وجہ سے رمی کو تاخیر سے ادا کرنے کی بھی گنجائش دی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرض و عذر کی صورت میں تاخیر کر کے ادا کرنا بہتر یا بجائے تاخیر کے کسی کو نائب یا وکیل بنا کر وقت پر ادا کرنا بہتر ہوگا، تو اس حوالہ سے جواب یہ ہے کہ حالتیں دو ہیں

(۱) پہلی حالت :- بیماری یا عذر ایسا ہے کہ ایام تشریق کے گزرنے سے پہلے پہلے شفا یابی یا عذر کے ختم ہونے کی امید نہیں ہے تو ایسی صورت میں وکیل اور نائب بنا کر وقت پر رمی کرنا افضل اور بہتر ہے۔

(۲) دوسری حالت :- بیماری یا عذر ایسا ہے کہ ایام تشریق کے گزرنے سے پہلے پہلے شفا یابی یا عذر کے ختم ہونے کی امید ہے تو وکیل اور نائب بنانے کے بجائے

تاخیر کرنا افضل اور بہتر ہے۔ (۱)

مسئلہ: محض ازدحام اور بھیڑ نائب بنانے کے لیے عذر شمار نہ ہوگا۔ ان شدة الزحام

عند الجمرات لیست عذرا میباحا لالاستنابة (۲)

نیابت کی ایک شرط

احادیث کی عبارتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو شخص صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج کرنے کی قدرت نہ رکھے تو ایسا شخص دوسرے کو نائب بنا کر حج بدل کر اسکتا ہے۔ (جیسا کہ بالتفصیل آپ نے پڑھ لیا)۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ہر عاجز (استطاعت کے باوجود حج کرنے کی قدرت نہ رکھنے والا) دوسرے نائب بنا سکتا ہے؟ کونسا عذر قابل نیابت ہے؟ اور کونسا نہیں؟ تو اس حوالہ سے فقہاء کی عبارتوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہر ایسا عذر اور ہر ایسا فرض جس کے ختم ہونے کی امید نہ ہو تو یہ شخص دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے اور ہر ایسا عذر اور ہر ایسا فرض جس کے زائل ہونے اور ختم ہونے کی امید ہو تو یہ شخص دوسرے کو نائب نہیں بنا سکتا جیسے حج کمیٹی میں قرعہ اندازی میں نام کا نہ آنا ویزا کا نہ ملنا، یا حکومت کی طرف سے عارضی طور پر روک لیا جانا، یا کسی دیگر مشغولیت کا روبرو گھریلو کام کا ج کی بنا پر وقت کا فارغ نہ ہونا یہ سب اعذار ایسے ہیں جس کے ختم ہونے کی امید ہے تو یہ شخص دوسرے کو نائب نہیں بنا سکتا بلکہ یہ انتظار کرے گا اس عذر کے ختم ہونے کا۔

اسی طرح کوئی بیماری میں نائب بنانے کی اجازت آئی ہے وہ ایسے عاجز اور بیماری کی طرف سے ہے جس کے زوال کی امید نہ تھی جیسے خشیعہ کی حدیث۔

نوٹ: جس طرح نائب بنانے والے کے لیے یہ شرط ہے کہ حکومت کی طرف سے اس کو اجازت اور ویزا مل چکا ہو کوئی رکاوٹ نہ ہو، اس طرح نائب بننے والے

(۱) مستفاد: النوازل الحج: ۵۶۸، ۵۶۹

(۲) النوازل فی الحج: ۵۶۹

کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کو بھی ویزا اور اجازت مل چکی ہو۔ (۱)

رمی میں نیابت کب درست ہے؟

رمی حجرات کے سلسلے میں عام طور پر آج کے زمانے میں حجاج کرام میں یہ بات رواج پارہی ہے کہ وہ معمولی اعذار، بلکہ بغیر کسی عذر کے بھی خود رمی کو نہیں جاتے، اور دوسروں کو نائب بنا دیتے ہیں، جب کہ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں حج کا ایک واجب ترک ہو جاتا ہے، اور یہ نیابت شرعاً معتبر نہیں ہے، اور ایسا کرنے والے پر دم واجب ہے، ہاں! وہ لوگ جو حجرات تک چل کر جانے کی طاقت نہیں رکھتے، یا بہت مریض اور کمزور ہیں، ایسے لوگوں کے لیے نائب بنانا جائز ہے، نیز محض ازدحام عذر نہیں ہے، اس کا بہتر حال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس ازدحام میں جا کر رمی کرنے کا متحمل نہیں، تو وہ وقت مسنون کے بعد وقت جواز، بلکہ زیادہ دشواری میں وقت کراہت میں بھی رمی کر سکتا ہے، اس کے لیے یہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔ (۲)

جو لوگ ۱۰ ارزی الحجہ کو طلوع آفتاب سے زوال تک ازدحام کی وجہ سے زمیں نہ کر سکے اور زوال کے بعد یا غروب آفتاب کے بعد رمی کرنے پر قادر ہو اس کے لیے کسی کو نائب بنانا جائز نہیں ۱۱ ارزی الحجہ کو ذوالحجہ کی صبح سے پہلے تک خود رمی کرے۔ اگر کوئی شخص خود رمی کرنے سے عاجز ہو جیسے وہ بیمار معذور یا سن رسیدہ یا کسی وجہ سے رمی کرنا اس کے لیے سخت دشوار ہو تو ایسے شخص کے لیے اپنی طرف سے نائب بنانا درست ہے۔ (۳)

رمی سے عاجز ہونے کی دو صورتیں ہیں

ایک یہ ہے کہ حاجی میں کنکری پھینکنے کی بھی طاقت نہ ہو دوسرے دوسرا یہ ہے کہ

(۱) مستفاد: النوازل فی الحج: ۵۴

(۲) اہم مسائل جن ابتلا عام ہے: ۱۶۳/۹

(۳) ہدایہ مع الفتوح: ۵۰۰/۲

کنکری سچینک سکتا ہو لیکن جمرات تک پیدل نہ جا سکتا ہو سواری میسر نہ ہو آج کل صورتحال یہی ہے سواری یا وہیل چیئر جمرات تک لے جانے کی ممانعت ہے اور سی مو سے جمرات کا فاصلہ بھی زیادہ ہے اس لیے جو لوگ واقعی اتنا نہیں چل سکتے دوسرے کو نہیں بنا سکتے ہیں لیکن صرف سستی اور آسانی کے لیے ایسا کرنا درست نہیں۔ (۱)

رمی میں نیابت کا طریقہ

اگر کوئی مریض اور معذور شخص جو خود رمی کرنے پر قادر نہ ہو، کسی دوسرے کو اپنی طرف سے رمی کرنے کا حکم دے، اور دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی کرے تو جائز ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نائب پہلے اپنی سات کنکریاں، پوری کرے اس کے بعد مریض اور معذور شخص کی طرف سے سات کنکریاں مارے، اگر یہ نائب شخص اس طرح رمی کرے کہ ایک کنکریاں اپنی طرف سے اور دوسری مریض و معذور کی طرف سے، تیسری اپنی طرف سے اور چوتھی مریض و معذور کی طرف سے، یعنی دونوں کی رمی ایک ساتھ پوری کرے، تو یہ مکروہ ہے۔ (۲)

فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

(۱) رمی جمرات کے سلسلہ میں عام طور پر آج کے زمانہ میں حجاج میں جو بات رواج پارہی ہے کہ وہ معمولی اعذار بلکہ بغیر عذر بھی خود رمی کو نہیں جاتے اور دوسروں کو نائب بنادیتے ہیں، جملہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں حج کا ایک واجب ترک ہو جاتا ہے، یہ نیابت شرعاً معتبر نہیں ہے اور ایسا کرنے والے پر دم واجب ہوے، ہاں وہ لوگ جو جمرات تک چل کر جانے کی طاقت نہیں رکھتے یا بہت مریض اور کمزور ہیں ایسے لوگوں کے لیے نائب بنانا جائز ہے۔

(۲) محض ازدحام عذر نہیں ہے اس کا حل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس ازدحام میں جا کر

رمی کرنے کا متحمل نہیں تو وہ وقت مسنون کے بعد وقت جواز بلکہ زیادہ دشواری میں وقت کراہت میں بھی رمی کر سکتا ہے، اس لیے یہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔ (۱)

اوپری منزل سے رمی کرنا

۱۳۹۵ھ میں مفتی اعظم سعودیہ عربیہ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۹ھ) کے فیصلہ کے بعد تینوں جمرات پر ایک پل بنایا گیا، جس سے زمینی راستے اور پل کے راستہ سے جمرات تک براہ رات کنکری پہنچائی جاسکتی تھی۔

۱۴۱۵ھ میں اس پل میں مزید توسیع اور نئے راستے نکلنے کے لیے بنائے گئے۔

۱۴۲۶ھ میں زبردست حادثے کے بعد اور چونکہ حجاج کرام کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی داخل ہونے نکلنے کے نظام کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے مزید مشکلات کے پیدا ہونے کا اندیشہ ختم کرنے کے لیے ایک عظیم پروگرام بنایا گیا، جس میں جمرات کی عمارت اور جمرہ کے ارد گرد حوض میں وسعت دی گئی، جانے کا راستہ بھی دو منزلہ بنایا گیا، مذاہب اربعہ میں کسی کا قابل اعتبار قول کی بنیاد پر ہر گز یہ نہیں ہے کہ اوپر کے منزلوں سے رمی کرنا درست نہ ہو، کہا جاسکتا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔

۱۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”فتح الباری“ میں کہا ہے کہ: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ رمی جہاں سے بھی کی جائے خواہ دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے نیچے سے، درمیان سے بہر صورت درست ہے۔

”وقد اجمعوا على انه من حيث رماها جاز سواء استقبلها او جعلها عن يمينه او يساره او من فوقها او من اسفلها او وسطها“ (۲)

(۱) حج و عمرہ موجود حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

(۲) فتح الباری: ۵۸۲/۳

- ۲۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ”الاستذکار“ میں کہا ہے کہ: اس بات پر اجماع ہے کہ وادی کے اوپر سے یا نیچے سے یا آگے سے کہیں سے بھی رمی کی جائے درست ہے۔
 ”وقد اجمعوا أنه إن رماها من فوق الوادي أو أسفله أو ما فوقه أو أمامه فقد جزی عنه“ (۱)
- ۳۔ علامہ نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ: جیسے بھی رمی کی جائے درست ہے بشرطیکہ ”مجمع الحصى“ میں کنکریاں جاگرے۔ ”واجمعوا على ان الرمي يجزئہ علی ای حال رماہ اذا وقع فی المرمی“ (۲)
- ۴۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات پر اجماع ہے کہ جہاں سے بھی رمی کی جائے بہر صورت درست ہے۔
 ”واجمعوا على أنه من حيث رماها جاز سواء استقبلها أو جعلها عن يمينه أو عن يساره أو رماها من فوقها أو أسفلها أو وقف فی وسطها ورماها“۔ (۳)
- ۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجرہ عقبہ کی رمی اوپر سے فرمائی ازدحام کی وجہ سے، کسی صحابی نے اس کو غلط نہیں سمجھا اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے۔ ”مصنف ابن أبي شيبة، حدیث ۱۳۴۱۵، باب من رخص فیها أن یرمیها من فوقها“ اس روایت میں حجاج بن ارطاة ضعیف روای ہیں۔
- ۶۔ ہوا زمین کے تابع ہے، صاحب مکان کے چھت کے اوپر کے حصہ پر صاحب مکان ہی کا حق ہوتا ہے، اس اعتبار سے جب بطن وادی سے رمی کرنا ہے اور بطن وادی پر بنائی گئی تعمیر وادی کے تابع ہے تو اوپری حصہ سے رمی کرنا بطن وادی سے

(۱) الاستذکار: ۳/۳۵۱

(۲) شرح النووی علی صحیح مسلم: ۹/۴۲

(۳) شرح سنن ابن ماجہ: ۱/۲۱۸

ہی رمی کرنا کہلائے گا، ہاں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں سے رمی فرمائی وہیں سے رمی کرنا افضل ہے، نہ کہ واجب، کیونکہ مقصود کنکر ”مجمع الحصى“ تک پہنچنا کافی ہے، جہاں سے بھی پہنچادی جائے رمی ادا ہو جائے گی۔

”قال السرخسی الحنفی: وقد بینا أن الأفضل أن یرمیھا من بطن الوادی، ولكن ما حول ذالك الموضع كله موضع الرمی، فإذا رماها من فوق العقبة فقد أقام النسك فی موضعه فجاز“ (۱)

رمی میں بے جا جلد بازی اور نقصانات

بعض لوگ افضلیت حاصل کرنے یا کراہت سے بچنے کے لیے، یادسویں تاریخ کو احرام سے جلدی نکلنے کے خیال سے سخت ہجوم میں گھس کر کسی نہ کسی طرح دھکم پیل کر کے اول وقت میں یا دن کے وقت میں کنکریاں مارنے کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں ہر سال رمی کے دوران متعدد موتیں واقع ہو جاتی ہیں، اس طرح ہجوم کے اندر گھس کر رمی کرنے میں کئی خرابیاں اور گناہ لازم آ جاتے ہیں مثلاً

(۱) سخت ہجوم میں جان جانے یا سخت تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے، جبکہ جان بچانا فرض ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں۔

(۲) سخت ہجوم میں اپنے آپ سے دوسروں کو تکلیف پہنچے یا جان جانے کا خطرہ ہے، جبکہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا یا اس کی موت کا سبب بننا گناہ ہے۔

(۳) سخت ہجوم میں اطمینان و سکون کے ساتھ کنکریاں مارنے کا موقع میسر نہیں آتا جس سے کنکریاں صحیح جگہ نہیں لگتیں۔

(۴) سخت ہجوم میں رمی کرنے کی تمام سنتوں کا لحاظ نہیں ہو پاتا اور الٹ سلت کسی نہ کسی طرح مار کر بلکہ جان بچا کر نکلنے کی فکر سوار رہتی ہے، لہذا سخت ہجوم میں

کنکریاں مارنے سے پرہیز کرنا چاہیے، اگر طاقت ور خاص کونو جوان کو اپنی طاقت و قوت پر ناز و اعتماد ہے تو کم از کم دوسروں کا ہی خیال کر لینا چاہیے۔ پس جب ہجوم کم یا ختم ہو جائے تو اس وقت کنکریاں مارنے جائیں، عام طور پر شام کے وقت سورج غروب ہونے سے پہلے ہجوم نہ رہے اس وقت ماریں خواہ مغرب یا عشاء کے بعد اور رات میں کنکریاں مارنا اس صورت میں مکروہ ہے جب بغیر عذر کے ایسا کیا جائے اور عذر کی صورت میں کوئی کراہت نہیں۔

اور مندرجہ بالا خرابیوں سے بچنے کی وجہ سے رات میں رمی کرنا عذر میں داخل ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مندرجہ بالا خرابیوں کا ارتکاب کر کے مطلوبہ فضیلت ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی، جہاں تک پہلے دن دسویں تاریخ کی رمی کر کے احرام سے جلد فراغت کا تعلق ہے، تو اس بارے میں سمجھ لیجئے کہ اولاً حج جیسی مقدس و معظم عبادت کی زندگی میں بار بار توفیق نہیں ہوتی اور یہ پابندیاں زندگی میں بار بار نہیں آتیں، دوسرے جب حج کی خاطر دور دراز کے سفر کی مشقتیں برداشت کی ہیں اور اس سے پہلے بھی احرام وغیرہ کی پابندیاں نبھانا ہیں تو اب صرف چند گھنٹوں کے لیے احرام کی پابندیاں نبا کونسا مشکل ہے، اور جب احرام بھی نہ ہو (جیسا کہ عام طور پر گیارہویں اور بارہویں تاریخ کی رمی کرتے وقت احرام نہیں ہوتا) پھر تو احرام والا عذر بھی موجود نہیں۔ (۱)



قربانی۔ دم۔ جنایت

قربانی کے احکام

- (۱) رمی کے بعد قارن و متمتع پر قربانی کرنا واجب ہے جبکہ مفرد کے لیے مستحب ہے۔
- (۲) قربانی کے جانور کے وہی احکام ہیں جو احکام عید الاضحیٰ کی قربانی کے ہیں سوائے اس کے کہ منی میں عید الاضحیٰ کی نماز نہیں ادا کی جاتی ہے اس لیے عید الاضحیٰ کے بعد قربانی کی شرط بھی نہیں ہے۔
- (۳) جو حاجی مقیم ہو اور صاحب نصاب ہو اس پر عید الاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے۔
- (۴) اس زمانہ میں خود سے قربانی کرنا نہایت دشوار ترین عمل ہے اس لیے اگر خود کو تجربہ ہے تو خود سے قربانی کر لے یا معتمد شخص یا بینک کو اپنا وکیل بنادے۔
- (۵) قربانی میں ایک بکری یا ایک دنبہ، ایک پوری گائے یا ایک اونٹ، یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ دے سکتا ہے۔
- (۶) دس ذی الحجہ سے قبل قربانی نہ ہو اور بارہ ذی الحجہ سے مؤخر نہ ہو دس ذی الحجہ سے قبل کی قربانی درست نہیں اور بارہ کے بعد تاخیر کا جرمانہ دم لازم آئے گا۔
- (۷) حدود حرم ہر گلی میں قربانی جائز ہے مکہ المکرمہ کی ہر گلی حاجی کے لیے قربانی کی جگہ ہے، حاجی اگر اپنی قربانی حدود حرم سے باہر حل میں اپنے وطن میں قربانی دے گا تو اس قربانی کے علاوہ ایک اور قربانی جرمانے کے طور پر واجب ہوگی۔
- (۸) دم جنایت ہو یا حج کی واجب قربانی، دونوں حدود حرم میں کرنا واجب ہے اگر

حد و حرم سے باہر کرے گا تو دو قربانیاں کرنا لازم ہوگی؟؟

(۹) حاجی کو دم قرآن، دم تمتع، دم تطوع اور عید الاضحیٰ کی واجب قربانی کا گوشت احناف و شوافع کے نزدیک کھانا جائز ہے اس کے علاوہ دم جنایات، دم نذر اور دم احصار کی قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں اگرچہ دم دینے والا فقیر ہی کیوں نہ ہو، فقیر کو دوسرے حجاج کا دم کفارہ کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اپنے دم کفارہ کا گوشت کھانا جائز نہیں، البتہ مالکیہ، اور حنابلہ کے نزدیک حج تمتع و قرآن کرنے والے کی قربانی میں وہی احکام ہیں جو واجب قربانی میں ہیں یعنی تین حصہ کیے جائیں گے جن کو خود تمتع بھی کھا سکتا ہے۔

(۱۲) قارن یا تمتع قربانی سے قبل حلق کرالیں تو دم واجب ہوگا قربانی کو حلق پر مؤخر کرنے کی وجہ سے۔ (۱)

(۱۳) حلق اور قربانی دس ذی الحجہ کو کرنا لازم نہیں بلکہ بارہویں تک مؤخر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے البتہ تمتع اور قارن کا قربانی سے قبل حلق یا قصر کرنا درست نہیں اور حلق یا قصر کے بغیر احرام سے خارج نہیں ہوگا، اگر بارہویں ذی الحجہ گزر جانے تک مؤخر کیا تو اما صاحب کے نزدیک دم واجب ہے۔ (۲)

(۱۵) رمی کے فوراً بعد قربانی کرنا واجب نہیں ہے رمی ہو جانے کے بعد قربانی میں تاخیر درست ہے، البتہ کوشش کی جائے کہ حلق سے پہلے قربانی ہو جائے۔

قربانی خود کریں یا بینک کو دیں؟

حج تمتع اور قرآن والا جس پر قربانی واجب ہے کئی وجوہات سے بہتر ہے کہ اپنی قربانی بینک کو دیدے:

(۱) ہر شخص کو اس بات کا کہاں تجربہ ہے کہ خو سے جانور خرید کر قربانی کرے جبکہ

(۱) انوار مناسک: ۵۱۵/۵۰۷

(۲) ہدیہ رشیدیہ: ۱/۲۵۴، بحوالہ انوار مناسک: ۵۰۴

حاجیوں میں بہت سے بوڑھے اور پہلی بار حج پر آئے ہوتے ہیں اور ازدحام کی وجہ سے رمی وغیرہ امور ہی دشواری سے ہوتے ہیں۔

(۲) ہر شخص کو کہاں ثقہ، اور قابل اعتماد اشخاص کہاں میسر ہونگے کہ حاجی اس پر اعتماد کر کے اپنی قربانی حوالے کر دے۔

(۳) آج کل جبکہ دھوکہ دہی عام ہے بہت سے چور اور دھوکہ باز نیکوں کا لباس پہن کر سادہ لوح مسلمان کو بڑی آسانی سے دھوکہ دے جاتے ہیں ایسی صورت میں حاجی نماچور کے حوالے اپنی قربانی کر کے قربانی ہی ادا نہ ہونے سے بہتر ہے کہ کوئی دیر سویر سہی قربانی ہی ادا کر دے۔

(۴) اور اسلامی بینک پر بلا تحقیق شک کرنے اور اس کے دیے گئے وقت پر اعتماد نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے جب وہ اسلامی بینک ہے اور دس ذی الحجہ کو تقریباً پچیس لاکھ حاجیوں کی قربانی کی ذمہ لیتی ہے جبکہ ثقہ شخص سو پچاس کی ذمہ داری لے گا اور کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے دیے وقت پر قربانی کر ہی دے بالفرض اگر یہ تنہا سو پچاس کی ذمہ داری وقت پر پوری کر سکتا ہے تو ایک بینک بدرجہ اولیٰ اپنے حساب سے اپنے تمام افراد کی ذمہ داری پوری کر سکتا ہے۔

(۵) بینک قربانی کے بعد گوشت کو اہتمام سے گوشت کو محتاجوں تک پہنچاتا ہے اور پہنچانے کا خرچہ خود برداشت کرتا ہے جبکہ اگر خود قربانی کی جائے تو گوشت کا صحیح استعمال نہیں کر سکتے اور نہ ہر پڑے ہوئے گوشت کو کوئی بدو لے جاتا ہے اور بلد یہ اصول ہے کہ مذبح سے گوشت لے جانے کی اجازت نہیں بالآخر قربانی کے بعد گوشت یوں ہی ضائع ہو جائے گا۔

(۶) اگر بینک دیے ہوئے وقت میں تاخیر کر دے تو حلق یا قصر پہلے اور قربانی بعد میں ہوگی یعنی ترتیب بدل جائے گی لیکن اس سے کوئی دم لازم نہیں ہوگا کیوں کہ ترتیب واجب نہیں ہے۔

شرکتہ الراجحی کا حکم

آج کل ”شرکتہ الراجحی“ کی طرف سے قربانی کا نظم کیا گیا ہے اس کی طرف سے ٹوکن فروخت کر دیا جاتا ہے اور ادارہ قربانی کا وقت مقرر کر دیتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے البتہ ادارہ سہولت دیتا ہے کہ اگر دس آدمیوں کا گروپ ہو تو ایک شخص کو اپنی طرف سے وکیل بنا کر بھیجیں اور وہ خود جا کر سب کی طرف سے قربانی کر دے یہ صورت اختیار کرنا بہتر ہے، بہت سے لوگ حجاج سے پیسے لیتے ہیں اور قربانی کرنے کا وعدہ کرتے ہیں ان پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے دینا چاہے تو اور خوب تحقیق کے بعد ہی ان کو پیسے دینے چاہیے۔ (۱)

حج کمیٹی کا جبراً قربانی کا پیسہ وصول کرنا

حاجیوں سے قربانی کا پیسہ جبری طور پر حاصل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اسمیں کئی خرابیاں لازم آتی ہیں:

(۱) ہندوستان سے بذریعہ حج کمیٹی جانے والوں میں تقریباً ۹۵٪ فیصد حنفی مسلک کے حاجی ہوتے ہیں اور اس طرح حاجیوں سے پیسہ وصول کر کے قربانی کروانے میں مسلک کا مفتی بہ قول کا عدم کردینا لازم آتا ہے، کیونکہ عبادات مالیہ میں رضا شرط ہے اور جبری وصول کرنے میں رضافت ہو جاتی ہے، یہ انتہائی خطرناک بات ہے۔

(۲) قربانی کرنے میں حاجی کو اختیار ہے وہ اپنے خرچ کے حساب سے سستا یا مہنگا اپنے پسندیدہ جانور کی قربانی کرے گا یا اپنے کسی حاجی کے اختیار سے نکل جاتی ہے۔

(۳) جو حاجی پیسوں کی کمی کی وجہ سے قربانی نہیں چاہتا ہے اس کو شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ قربانی نہیں کرے گا؛ بلکہ وہ قربانی کے بجائے

روزہ رکھے گا اور یہ حکم بھی قرآن کے نصِ قطعی سے ثابت ہے، تو حاجیوں سے جبری رقم وصول کرنے کی صورت میں قرآن کریم کی نصِ قطعی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، اور لگ بھگ ایک لاکھ بیس ہزار بذریعہ حج کمیٹی جو حج کو جاتے ہیں، ان میں سے ہزاروں کی تعداد ایسی ہوتی ہے۔

جو پیسوں کی کمی کی وجہ سے قرض لے کر فریضہ حج ادا کرنے جاتے ہیں، اگرچہ انہوں نے حج کمیٹی میں پیسہ جمع کیا ہے، مگر انہوں نے پیسوں کی ایک مقدار قرض لے کر جمع کی ہے اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ کچھ پیسے بچا کر واپسی میں قرض میں ادا کریں گے، حج کمیٹی آف انڈیا نے ایسے حجاج کرام کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ کیا ہے اور قرآن نے ان کو جو حق دیا ہے اس حق کو چھین لیا ہے۔

(۴) بہت سے حجاج کرام یہ چاہتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ سے حج افراد کا احرام باندھ کر جائیں گے، مگر حج کمیٹی نے ان حضرات سے بھی قربانی کا پیسہ جبری طور پر وصول کر لیا ہے اور یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ حاجیوں کو پریشان کرنا ہے اس لیے حج کمیٹی کا یہ طریقہ شرعاً اور قانوناً دونوں اعتبار سے درست نہیں ہے۔ (۱)

اجتماعی قربانی کا حکم

اگر متعدد افراد نے مل کر اپنی تعداد کے حساب سے اکٹھے جانوروں کو ایک ساتھ خرید کر ہر ایک کی طرف سے جانوروں کے نامزد اور تعین کئے بغیر سب کی طرف سے ذبح کر دئے جائیں تو سب کی قربانی صحیح ہو جائے گی، مثلاً دس افراد نے - ”لا علی التعین“ دس بکرے ایک ساتھ خرید کر سب کی طرف سے قربانی کر دی تو سب کی قربانی صحیح ہو جائے گی، اس طرح سب کی طرف سے دس جانور خرید کر سب کی طرف سے ذبح کر دیا ہے، اور کونسا بکرا کس کا ہے، کوئی تعین یا نام زد نہیں کیا تو بھی سب کی قربانی صحیح اور درست ہو جائے گی، لیکن بہتر یہی ہے کہ ہر ایک فرد کے لیے ایک نمبر متعین کر لیا جائے

اور جانوروں پر وہی نمبر لگا دیا جائے تاکہ ہر ایک کی قربانی متعین ہو جائے اور کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

”وَلَوْ اشْتَرَى عَشْرَةَ عَشْرًا غَنَامَ بَيْنَهُمْ فَضْحَى كُلِّ وَاحِدٍ
وَاحِدَةً جَازٍ (وَقَوْلُهُ) اشْتَرَى سَبْعَةَ نَفَرٍ سَبْعَ شِيَاهَ بَيْنَهُمْ وَلَمْ
يَسْمُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً بَعَيْنَهَا فَضْحَوَاهَا كَذَا لِك
فَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزُ وَفِي الْأَسْتَحْسَانِ يَجُوزُ“ (۱)

دم جنایت کا مصرف

دم جنایت کا مصرف فقراء و مساکین ہیں، ان کے علاوہ کسی اور کے لیے اس گوشت کا استعمال کرنا درست نہیں ہے؛ لہذا حاجی کے لیے اسی طرح اس اصول و فروع اور اہلیہ و غلام کے لیے اور اور سید کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ اور مفتی بہ قول کے مطابق کافر کو بھی نہیں دے سکتے؛ لہذا اگر ان میں سے کسی ایک کو دے دیا تو اس صورت میں اس کی قیمت لازم ہوگی۔ (۲) نیز یہ حدود حرم کے علاوہ کسی دوسرے خطہ میں جائز نہیں ہے۔ (۳)

دم جنایت کے گوشت اور قربانی کے گوشت کا فرق

قربانی کا گوشت قربانی کرنے والے کے لیے استعمال کرنا ہے، جب کہ دم جنایت میں سے دم دینے والے کے لیے گوشت کا استعمال درست نہیں ہے؛ لہذا اگر کسی نے گوشت کھا لیا یا اس کو فروخت کر دیا، تو ایسی صورت میں اس پر اتنے گوشت کی قیمت کا ضمان لازم ہے۔ (۴)

(۱) فتاویٰ ہندیہ قدیم: ۵/۳۰۶، انوار مناسک: ۵۱۷

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/۴۶۲

(۳) حوالہ سابق: ۱۲/۴۶۳

(۴) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/۴۶۳

حجاج کرام پر عید الاضحیٰ کی قربانی

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کی قربانی ہر صاحب نصاب عاقل، بالغ مسلمان پر جو قربانی کے دنوں میں صاحب نصاب ہو، واجب ہے، لیکن فقہائے احناف کی تصریح کے مطابق عید الاضحیٰ کی قربانی کا واجب ہونا دیگر عام فقہی واجبات مثلاً صدقہ فطر اور سجدہ تلاوت وغیرہ سے کمزور ہے۔

وصدقة الفطر مقدمة على الأضحية، وإن كانت الأضحية
أيضاً واجبة عندنا لكن صدقة الفطر متفق على وجوبها،
والأضحية وجوبها محل الاجتهاد فالتفق على الوجوب
أقوى (۱)

جبکہ جمہور فقہائے کرام (شافعیہ حنابلہ اور مالکیہ) اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت اور بعض حضرات کے بقول امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کی قربانی تاکید سنت ہے۔

ذهب جمهور الفقهاء ومنهم الشافعية والحنابلة، وهو
أرجح القولين عند مالك، وإحدى روايتين عن أبي
يوسف إلى أن الأضحية سنة مؤكدة۔ الخ (۲)

پھر جو شخص حج کر رہا ہوں، اور وہ قربانی کے دنوں میں شرعاً مسافر ہو، اس پر حج قرآن یا حج تمتع کی قربانی تو لازم ہے، لیکن وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسافر ہونے کی وجہ سے عید الاضحیٰ کی قربانی کا مکلف نہیں۔

البتہ اگر وہ قربانی کے دنوں میں شرعاً مقیم ہو، اور قربانی کے نصاب کا مالک بھی ہو، یعنی اس کے وہاں حج کے اخراجات کے بعد اتنا مال ہو کہ وہ قربانی کے نصاب کے برابر

(۱) بدائع الصنائع: ۳/۲۷۲

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۵/۶۷۵-۷۷۷

ہو جاتا ہے، تو کیا وہ عید الاضحیٰ کی قربانی کا بھی مکلف ہے، یا نہیں؟
تو اس سلسلہ میں بعض حنفی مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ حجاج کرام کے حج کے اعمال
میں مشغول ہونے کی وجہ سے جس طرح ان سے عید کی نماز معاف کی گئی ہے، اسی طرح
ان سے عید الاضحیٰ کی قربانی بھی معاف ہے۔

عن منصور، عن إبراهيم قال: كان أصحابنا يحجون
ومعهم الأوراق والذهب فما يذبحون شيئا، وكانوا يتركون
خافة أن يشغلهم عن شيء من المناسك (۱)
عن منصور، عن إبراهيم قال كان عمر يحنج فلا يذبح
شيئا حتى يرجع (۲)

اور اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک اگر حج کرنے والا قربانی کے دنوں میں مقیم
اور قربانی کے نصاب کا مالک ہو تو اس پر عید الاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے۔ (اور یہ
قربانی حج تمتع یا حج قرآن کی قربانی سے علحدہ ہے، جیسا کہ گزرا)۔
اور شافعیہ کے نزدیک رائج یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی قربانی حجاج کے حق میں بھی
سنت ہے، اور حج کی قربانی، عید الاضحیٰ کی قربانی سے الگ ہے۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک
حاجی پر بہر حال قربانی نہیں ہے۔

البتہ اگر کوئی حاجی عید الاضحیٰ کی قربانی کرے، تو اس عید الاضحیٰ کی قربانی کا حرم کی
حدود میں کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرم کی حدود سے باہر اس سے بڑھ کر اپنے وطن میں
کرانا بھی جائز ہے، اور اگر کوئی حرم کی حدود میں کرے تو جائز ہے، کوئی گناہ نہیں۔
اور عید الاضحیٰ اور حج کی قربانی میں فرق نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، من رخص للحج أن لا يضحي وما جاء في ذلك، حديث نمبر:

اور قربانی کی تعیین کی وجہ سے قربانی کی نیت کا ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ اس نیت کے ذریعہ سے یہ بات متعین ہو جائے کہ وہ کونسی قربانی کرنا چاہتا ہے، ظاہر ہے کہ ان سب جانوروں کو ذبح کرنے میں فرق بنیادی طور پر نیت کا یہی ہوتا ہے۔ (۱)

قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا؟

سعودیہ، کویت وغیرہ میں قمری مہینہ ہندوستان کے مقابلہ میں ایک دن پہلے شروع ہو جاتا ہے اگر کویت میں مقیم شخص نے ہندوستان میں اپنی قربانی کا پیسہ بھیج دیا ہے اور کویت میں ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ کو ہندوستان میں ۱۱/۱۲ ویں تاریخ ہوتی ہے اور ہندوستان کی ۱۱/۱۲ ذی الحجہ کو کویتی کی قربانی ہندوستان میں جائز ہے، اس مسئلہ میں چار چیزوں کو الگ الگ سمجھنا لازم ہے، اس کے بعد اصل مسئلہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے:

(۱) قربانی کا شرط وجوب: (قربانی واجب ہونے کی شرط) آزاد، مکلف، مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔

(۲) قربانی کا سبب وجوب: یہ قربانی کا وقت ہے جو یوم الآخر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہو کر بارہویں تاریخ کی غروب آفتاب تک رہتا ہے، پس جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں بوقت قربانی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہو چکی، اور بارہویں ذی الحجہ کی غروب سے پہلے پہلے تک وقت باقی رہتا ہے، (اور دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہوتے ہی صاحب نصاب پر جو قربانی واجب ہو چکی ہے بارہویں تاریخ گزر جانے کے بعد بھی ذمہ میں باقی رہتا ہے)۔

(۳) شرط ادا: مالک نصاب پر قربانی کے ایام اور وقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہو جانا، لہذا وقت سے قبل جائز نہیں، پس شرط ادا میں مکان اضحیہ کا اعتبار

(۱) تفصیل کے لیے: الموسوسۃ الفقہیۃ: ۵/۴۷-۴۵-۸۱، مناسک حج کے فضائل واحکام

- اس وقت ہے جبکہ مکان مالک میں قربانی کرنے کے ایام آچکے ہوں۔
- (۴) شہری آدمی کی قربانی شہر میں کسی بھی جگہ نماز عید الاضحیٰ کی ادائیگی کے بعد میں ہونا، یہ شرط صرف شہر والوں پر لازم ہے، دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی۔
- (۵) اس کے علاوہ پانچویں چیز بھی پیش نظر رہے کہ: قربانی کے ایام میں اصل قربانی ہی کرنا۔

بدرجہ مجبوری ایام فوت ہونے کی وجہ سے بدل میں تصدق واجب ہوتا ہے؛ لہذا اگر دنیا میں کہیں بھی ایام نحر باقی ہوں اور وہاں آسانی کے ساتھ قربانی کرائی جاسکتی ہو تو بجائے تصدق کے قربانی ہی کرانا چاہیے، کیونکہ وہی اصل ہے، اصل پر قدرت کے باوجود بدل کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

لہذا جب سعودی عرب میں تیرہویں ذی الحجہ ہو اور اسی دن ہندوستان میں بارہویں ذی الحجہ ہو تو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان میں ہندوستان کی بارہویں ذی الحجہ کو جائز ہو جائے گی، کیونکہ سبب وجوب کا زمانہ مکان مالک میں آچکا ہے یعنی جہاں پر مالک ہے وہاں قربانی کا زمانہ آچکا ہے اگرچہ آنے کے بعد وقت نکل چکا ہے مقام اضحیہ میں ادائے اضحیہ کا وقت باقی ہے (اور مالک کے اوپر قربانی کے ایام آنے کے بعد اب قربانی کرنے کے لیے قربانی کی جگہ کا اعتبار ہوتا ہے کہ جہاں بھی قربانی ہو وہاں پر قربانی کا زمانہ موجود ہونا لازم ہے) اور ہندوستان میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان کی بارہویں کو سعودیہ میں سعودیہ کی تیرہویں تاریخ کو جائز نہیں ہے اس لیے کہ مکان اضحیہ میں قربانی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اس مسئلہ کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اصل، مستطیع شخص پر قربانی کا وجوب ہے اور اس کی فرع قربانی کا مقام اور محل ہے، بریں بنا جہاں اصل ہی کا وجود نہ ہو وہاں فرع پر کیسے حکم لگایا جاسکتا ہے۔

”ويعتبر مكان المذبح لا مكان المالك... ولو كان هوفي
مصر وقت الأضحية وأهله في مصر آخر فكتب إلى الأهل

وأمرهم بالتضحية، في ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية“ (۱)
 وفي البحر ”وأما شرائط أدائها فمئها الوقت في حق المصر
 بعد صلاة الإمام والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى
 وسببها طلوع فجر يوم النحر“ (۲)

قربانی پر قدرت نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

حج تمتع وقرآن کرنے والا اگر واجب قربانی پر قادر نہ ہو (خواہ کسی بھی وجہ سے) تو دس روزے رکھے تین روزے یوم عرفہ سے پہلے (اور یہ روزے شوال کا چاند دیکھنے کے بعد سے ۹ ذی الحجہ تک کبھی بھی رک سکتا ہے) اور بقیہ سات روزے یوم عرفہ کے بعد (خواہ مکہ مکرمہ رکھے یا گھر پر آ کر رکھے) اگر تین روزے یوم عرفہ سے پہلے نہیں رکھ سکا یا تین روزے مکمل ہونے سے قبل یوم عرفہ آ گیا تو احناف کے نزدیک اس پر قربانی واجب ہے، لیکن احناف کے نزدیک راجح قول کے مطابق اس صورت میں دوسرے فقہاء کرام کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کو بعد میں یہ روزے رکھ لینے کی گنجائش ہے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حج کرنے والا ایسے وقت قربانی کرنے سے معذور ہو جاتا کہ جب دس ذی الحجہ سے پہلے تین روزے رکھنے کا موقع نہیں ہوتا یا مثلاً دس ذی الحجہ یا اس کے بعد معذور ہو جاتا ہے مثلاً قربانی کے لئے لیا ہوا جانور چوری یا گم ہو جاتا ہے، یا اچانک کسی چوری وغیرہ کے حادثہ کی وجہ سے رقم ضائع ہو جاتی ہے، اب اگر ایسی صورت میں دم ہی لازم کیا جائے تو اس حکم پر عمل کرنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے اور بعض آثار سے بھی بعد میں یہ تین روزے رکھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بھی اس کی گنجائش موجود ہے، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرآن مجید سے تین روزوں کے حج میں رکھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے تو بعض آثار میں اس کا جواب موجود ہے کہ

(۱) خانية: ۳/۲۲۳، علی هامش الهندية: ۳/۳۲۵

(۲) البحر الرائق: ۸/۳۱۷، کتاب المسائل: ۲/۳۰۱، فتاویٰ قاسمیہ

ایام منی حج سے تعلق رکھتے ہیں، نیز جب تک جب تک حج کا سفر ختم نہیں ہو جاتا ہے، اس وقت تک ایک حیثیت سے حج کے آثار باقی ہوتے ہیں، علاوہ ازیں جب کوئی قرآن مجید کے حکم ”فَمَنْ لَّمْ يَحْجِدْ“ کے مطابق قربانی نہ پائے تو اس کا حکم روزوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور جب پہلے تین روزے نہ رکھے جاسکیں، اور وہ حج کی قربانی پر قادر نہ ہو، تو ”فَمَنْ لَّمْ يَحْجِدْ“ کا اطلاق اب بھی موجود ہے، اور اس صورت میں جبکہ وہ قربانی پر قادر ہی نہیں، اور روزوں کا سارا قضیہ ہی قربانی پر قادر نہ ہونے پر مبنی ہے، پھر بھی اس کو قربانی کا مکلف کرنا ایک حیثیت سے تکلیف مالا یطاق معلوم ہوتا ہے:

”وَلَنَا، أَنَّهُ صَوْمٌ وَاجِبٌ، فَلَا يَسْقُطُ بِخُرُوجٍ وَقْتِهِ، كَصَوْمِ
رَمَضَانَ، وَالْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى وَجُوبِهِ لَا عَلَى سَقُوطِهِ، وَالْقِيَاسُ
مُتَقَضِّصٌ بِصَوْمِ الظَّهَارِ إِذَا قَدِمَ الْمَسِيحُ عَلَيْهِ، وَالْجُمُعَةُ لَيْسَتْ
بَدَلًا، وَإِنَّمَا هِيَ الْأَصْلُ، وَإِنَّمَا سَقَطَتْ لِأَنَّ الْوَقْتَ جَعَلَ
شَرْطَ لَهَا كَالْجُمُعَةِ، إِذَا ثَبِتَ هَذَا، فَإِنَّهُ يَصُومُ أَيَّامَ مَنَى،
وَهَذَا قَوْلُ ابْنِ عَمَرَ، وَعَائِشَةَ، وَعُرْوَةَ، وَعَبِيدِ بْنِ عَمَرَ،
وَالزَّهْرِي، وَمَالِكٍ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، وَإِسْحَاقَ، وَالشَّافِعِي
فِي الْقَدِيمِ، لِمَا رَوَى ابْنُ عَمَرَ، وَعَائِشَةُ قَالَا: لَمْ يَرْخَصْ فِي
أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يَضْمَنَ إِلَّا مَنْ لَمْ يَجِدِ الْهَدْيَ، رَوَاهُ
الْبُخَارِيُّ، وَهَذَا يَنْصَرِفُ إِلَى تَرْخِيصِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا أَنَّ اللَّهَ
تَعَالَى أَمَرَ بِصِيَامِ الثَّلَاثَةِ فِي الْحَجِّ، وَلَمْ يَبْقَ مِنْ أَيَّامِ الْحَجِّ
إِلَّا هَذِهِ الْأَيَّامُ فَيَتَعَيَّنُ الصَّوْمُ فِيهَا إِذَا صَامَ هَذِهِ الْأَيَّامُ،
فَحُكْمُهُ حُكْمُ مَنْ صَامَ قَبْلَ يَوْمِ النُّحْرِ“ (۱)

شافعیہ کے نزدیک یہ تین روزے یوم عرفہ کے بعد بھی رکھ سکتا ہے، اور اگر کوئی

شخص تین روزے رکھنے سے پہلے قربانی پر قادر ہو گیا تو اس پر واجب ہے کہ روزے ترک کر کے قربانی ادا کرے جبکہ شوافع و حنابلہ کے نزدیک متمتع و قارن کو اختیار ہے خواہ روزے رکھے خواہ قربانی دے:

”من دخل فی الصیام ثم قدر علی الهدی لم یکن علیہ الخروج من الصوم إلی الہدی إلا أن یشاء وهذا عند الشافعیة والحنابلة وقال الحنفیة: إن وجد الہدی بعد صوم یومین بطل صومه، ویجب الہدی، وبعد التحلل لا یجب کالمتمتع إذا وجد الماء بعد فراغه من الصلاة“ (۱)

قربانی کی قدرت نہ ہونے پر دس روزوں کی ترتیب

جو شخص حج متمتع یا حج قرآن کی قربانی پر قادر نہ ہو، تو اسے قربانی کے بجائے دس روزے اس ترتیب و تفصیل کے ساتھ رکھنا چاہیے کہ تین روزے تو دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے رکھے، خواہ لگاتار یا وقفہ ڈال کر۔

اور ان تین روزوں کے رکھنے میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ حج کا احرام سات ذی الحجہ سے پہلے باندھ کر دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے یہ تین روزے رکھے۔ اور اگر حج متمتع کرنے والا اپنے وطن سے آتے وقت عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے کسی بھی وقت یہ تین روزے رکھے، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک تب بھی جائز ہو جاتے ہیں۔

اور باقی ماندہ سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھے جائیں گے، خواہ مکہ یا حرم میں رکھے یا مدینہ منورہ یا کسی اور جگہ جا کر یا پھر اپنے گھر واپس آنے کے بعد رکھے، سب طرح جائز ہے۔ (۲)

(۱) الموسوعة الفقهیة: ۱۵/۱۴

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: الموسوعة الفقهیة: ۱۳/۱۴، مادة متمتع مناسک حج کے فضائل و احکام

حلق

مصنوعی بال والے کے لیے حلق کا حکم

حالتِ احرام سے نکلنے پر مردوں کے لیے اگرچہ حلق یعنی استرے سے بالوں کا موندھنا اور صاف کرنا افضل ہے، تاہم اگر کسی شخص نے اپنے سر پر مصنوعی بال لگوائے ہو، تو وہ بجائے صاف کرنے کے صرف قصر کر لے، اس طور پر کہ پورے سر کے بال والوں کو قینچی سے چھوٹا کر والے، تو اس کی بھی اجازت ہے (اس میں بھی شرط یہ ہے کہ بال انگلی کے پوروے کے برابر ہو) اور اگر مصنوعی بال والا حصہ بمقابلہ دیگر حصے کے چوتھائی سر کے برابر یا اس سے کم ہو، تو اس صورت میں بھی وہ احرام سے نکل جائے گا، مگر اس کا یہ عمل کراہت سے خالی نہیں، اس لیے پہلی دو صورتوں (پورے بالوں کا حلق کرنا، یا پورے بالوں کو قینچی وغیرہ سے چھوٹا کروانا) میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (۱)

گنجه پن یا کم والوں کے لیے حلق

اگر کسی کے سر کے بعض حصہ پر کچھ بال ہوں، اور وہ واجب مقدار سے کم ہوں (جس کی مقدار حنفیہ کے نزدیک لمبائی میں کم از کم ایک پوروے کے برابر، اور پھیلاؤ میں کم از کم چوتھائی سر کے برابر ہے) یا بعض حصہ پر بالکل بال نہ ہو، تو حنفیہ کے نزدیک سر پر استرا پھر وانا واجب ہے۔

☆ اور اگر کسی کے سر پر بالکل بال نہ ہو، مثلاً بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے سر کے

بال پوری طرح اڑ گئے ہوں، یا اس سے پہلے قریبی وقت میں بال منڈوالیے ہوں، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسے شخص کو احرام سے نکلنے وقت سر پر استرا وغیرہ پھر وانا واجب ہے، خواہ استرے وغیرہ میں بال نہ آئیں، کیونکہ جب بال موجود نہ ہوں تو استرا پھر وانا بال منڈ ہونے کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسے شخص سے بہر حال سر کے بال منڈ ہانے کا حکم ساقط و معاف ہو جاتا ہے، کیونکہ جب استرا پھر وانا سے بال استرا کے نیچے ہی نہ آئیں گے، تو یہ ایسا ہی ہو گیا، جیسا کہ کوئی استرا نہ پھر والے، البتہ پھر اختلاف سے بچنے اور دوسرے آثار کی رعایت کرنے کے لیے سر پر استرا پھر والینا مستحب ہے۔

اور حنفیہ کا ایک قول مذکورہ صورت میں شافعیہ اور حنابلہ کی طرح استرا پھر وانا کے استحباب کا اور ایک قول سنیت کا ہے۔

☆ اور اگر کسی گنجلے یا کم مقدار بالوں والے شخص کو سر میں زخم وغیرہ کی وجہ سے استرا پھر وانا ممکن نہ ہو، تو پھر استرا پھر وانا حنفیہ کے نزدیک بھی معاف ہو جاتا ہے۔ (۱)

عورت کے سر کے بال گر جائے تو قصر کا طریقہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے ذمہ بال منڈھوانا نہیں ہے بس عورتوں کے ذمہ تو بالوں کو تراشوانا ہے۔

قال رسول الله ﷺ: ليس على النساء حلق، إنما على النساء

التقصير (۲)

لیکن جب عورت کے سر کے بال ہی کینسر وغیرہ کی وجہ سے گر جائے تو اب عورت کے لیے قصر کا طریقہ یہ ہے کہ عورت سر پر قینچی چلائے جو بال آجائے اور کٹ جائے ٹھیک ہے اگر بال بالکل نہ ہو اور نہ کٹے تب بھی ٹھیک ہے حلال ہو جائے گی، جیسے

(۱) عمرہ کے فضائل و احکام: ۱۶۰-۱۶۱

(۲) سنن ابی داؤد، باب فی الحلق و التقصیر، حدیث نمبر: ۱۹۸۳

گنجا جس کے سر پر بالکل بال نہ ہو، اس کے بارے میں فقہاء نے فرمایا کہ استرہ چلا دے اگرچہ بال نہ آئے، لیکن عورت حلق نہیں کر سکتی۔

و يجب إجراء الموسى، أي على الأصح وقيل يستحب
هنديه، قوله على أقرع مثله إذا جاء وقت الحلق ولم يكن
على رأسه شعر، بأن حلق قبل ذلك وإنما وجب إجراء
الموسى لأنه لما عجز عن الحلق والتقصير يجب عليه
التشبيه بالحلق الخ (۱)

ولا حلق على المرأة لما روي عن ابن عباس - رضي الله عنه -
عن النبي ﷺ أنه قال: ليس على النساء حلق، وإنما عليهن
تقصير، وروت عائشة - رضي الله عنها - أن النبي ﷺ نهى
المرأة أن تحلق رأسها، ولأن الحلق في النساء مثله، ولهذا لم
تفعله واحدة من نساء رسول الله ﷺ ولكنها تقصر فتأخذ
من أطراف شعرها قدر أنملة لما روي عن عمر - رضي الله
عنه - أنه سئل ففيل له: كم تقصر المرأة؟، فقال: مثل هذه،
وأشار إلى أناملته (۳)

معذور کا قصر

سر زخمی ہو یا پانی لگنے سے طیب نے منع کیا ہو یا سر میں پھوڑے پھنسی ہوں تو
عذر ختم ہونے تک انتظار کرے اگر انتظار کے بعد بھی عذر ختم نہ ہو تو حلق یا قصر کا حکم ساقط
ہو جائے گا اور کوئی کفارہ لازم نہیں ہوگا (۳) بھول گیا کہ احرام میں ہے اور سمجھا کہ احرام

(۱) حاشیہ الصحطاوی علی الدر المختار: ۵۱۸/۱

(۲) بدائع الصنائع: ۱۴۱/۱، فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳

(۳) ملخص از: انوار مناسک: ۵۳۰

سے نکل گیا ہوں اس لیے ممنوعات احرام کر لیا تو ایک دم واجب ہوگا تعدد ممنوعات سے تعدد دم لازم نہیں ہے۔

حلق کیے بغیر گھر آ جائے تو

(۱) عمرہ کر کے حلق کئے بغیر گھر آ جائے تو گھر پر حلق کرنا واجب ہے اور حدود حرم سے باہر حلق کرنے کی وجہ سے طرفین کے نزدیک دم دینا واجب ہے چونکہ طرفین کے نزدیک حلق و قصر حدود حرم میں ہونا شرط ہے، یہی مفتی بہ قول ہے، اور دم حدود حرم میں دینا واجب ہے۔ ”ویختص حلق الحاج بالزمان والمكان

عندابی حنیفة ﷺ، وحلق المعتمر بالمكان“ (۱)

(۲) اگر ایک سے زائد عمرہ کیا اور کسی عمرہ میں حلق کئے بغیر گھر چلا گیا تو جتنے عمرہ کیا سب کا علیحدہ دم واجب ہے، نیز کثرت عمرہ کی صورت میں پہلے عمرہ کا حلق کرنے سے پہلے دوسرے عمرہ کا حرام باندھنے کی وجہ سے علیحدہ دم دینا واجب ہے۔

”وَمَنْ فَرَغَ مِنْ عُمْرَتِهِ إِلَّا التَّقْصِيرَ فَأَحْرَمَ بِأُخْرَى فَعَلَيْهِ دَمٌ
لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ الْوَقْتِ“ (۲)



(۱) غنیۃ الناسک: ۱۷۵

(۲) فتح القدیر: ۱۲۰/۳

متفرق و ضروری مسائل

امام مؤذن مدرس کی تنخواہ ایام حج میں

مدرس کی تنخواہ مدرسہ سے اور امام و مؤذن کی تنخواہ مسجد سے متعین ہوتی ہے اس امام یا مدرس پر حج فرض ہو گیا اور یہ جانا چاہتا ہے تو اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے تو ایام نیابت کی تنخواہ کا کیا یہ امام و مدرس مستحق ہوگا؟ یا نہیں؟

تو اس کے لیے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ مدرس کے ساتھ معاہدہ یا مدرسہ و مسجد کا قانون کیا ہے، جو قانون ہے یا معاہدہ طے کیا گیا ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ لیکن اکثر مدارس و مساجد کا معمول تو یہی ہے کہ فرض حج میں تنخواہ کے ساتھ رخصت دیا جاتا ہے۔

وَأُطْلِقَ أَمَّا لَوْ شَرَطَ شَرْطًا أَتَّبَعَ كَحَضُورِ الدَّرْسِ أَيَّامًا مَعْلُومَةً
فِي كُلِّ جُمُعَةٍ فَلَا يَسْتَحِقُّ الْمَعْلُومَ إِلَّا مَنْ بَاشَرَ خُصُوصًا إِذَا
قَالَ مَنْ غَابَ عَنِ الدَّرْسِ قُطِعَ مَعْلُومُهُ فَيَجِبُ اتِّبَاعُهُ (۲)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

البتہ معلوم و عرف کا موافق ایام تعطیل و رخصت کی تنخواہ ان کو دینا درست ہے اور اس بارہ میں امام مؤذن و دیگر ملازمین وقف مساوی ہیں۔ (۲)

(۱) شامی: ۴/۱۹۴

(۲) عزیز الفتاویٰ: ۲۵۸/۶، ۵، مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳/۳۶۵، ۳۶۶

ہوائی جہاز میں وضو کیسے کریں؟

مشاہدات و تجربات کے مطابق ہوائی جہاز کے عملہ والے بعض وجوہات کی بنا پر جہاز کے غسل خانہ/ بیت الخلا میں وضو کی اجازت نہیں دیتے، اس کی وجہ انتظامی امور اور صفائی و ستھرائی کے مسائل ہیں، ہوائی جہاز میں جگہ چھوٹی ہونے اور پانی کے محدود ہونے کے ساتھ ساتھ قابل اخراج فاضل مادوں اور پانی کی نکاسی کا انتظام بھی ہوائی سفر کی وجہ سے نہایت محدود ہوتا ہے، نیز! وضو کا اہتمام کرنے والے حضرات جگہ کی صفائی ستھرائی کا اور پانی کے ضیاع کا خیال نہیں رکھ پاتے، جس کی بنا پر جہاز کا عملہ اس عمل سے منع کرتا ہے، تاہم انہیں اس بات کی یقین دہانی کرا دی جائے کہ مذکورہ تمام باتوں کا خیال رکھا جائے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ منع کریں، اس بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ اپنے تجربہ کی روشنی میں فرماتے ہیں:

”جہاز کا عملہ ہمیشہ لوگوں کو جہاز میں وضو کرنے سے منع کرتا ہے، اگر کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص غسل خانہ میں جا کر وضو کرے گا تو اس کو روک دیتے ہیں، اس لیے کہ ان کو معلوم ہے کہ جب یہ شخص وضو کرے گا تو سارا غسل خانہ خراب کر آئے گا۔ میں جہازوں میں اکثر سفر کرتا رہتا ہوں اور جہاز کے غسل خانہ میں ہمیشہ وضو کرتا ہوں، مجھے آج تک کسی نے وضو کرنے سے منع نہیں کیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ میں اس بات کا اہتمام کرتا ہوں کہ جب میں وضو کر کے باہر نکلوں تو فرش پر پانی کی ایک چھینٹ بھی باقی نہ رہے اور غسل خانے کا واش بیسن بالکل صاف ستھرا رہے، تاکہ بعد میں آنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

لہذا اگر ہم صفائی کا ذرا اہتمام کریں تو کوئی مشکل کام نہیں، غسل خانے میں تو لیے موجود ہوتے ہیں اور ٹشو پیپر، ٹویلیٹ پیپر بھی ہوتے ہیں، آدمی فرش اور واش بیسن کو ان سے صاف کر لے، لیکن ہم تو یہ سوچتے

ہیں کہ بس ہم تو اللہ فی اللہ وضو کر کے آگئے، اب بعد میں آنے والے پر کیا گذرے گی؟ اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ حالاں کہ اس گندگی کے نتیجے میں دوسروں کو تکلیف دینے کا گناہ الگ ہوگا اور لوگوں کو اسلام سے اور دین کے شعائر سے متنفر کرنے کا گناہ الگ ہوگا، العیاذ باللہ“ (۱)

چند ایک نمازی ہوں تو پلین یا ٹرین میں اس پر عمل ہو سکتا ہے، لیکن اکثر مسافرین عازمین حج یا عازمین عمرہ ہوں تو اس طرح کرنا خلاف اصول اور پانی کی قلت کا سبب بھی ہو سکتا ہے، تیمم یا تہنہ بالمصلین کے طریقہ پر ہی عمل کرنا ہوگا۔

ہوائی جہاز میں تیمم کرنے کا حکم

اگر کسی بھی طرح جہاز میں وضو کی ترتیب نہ بن سکے، پانی نہ ہونے کی وجہ سے یا کم ہونے کی وجہ سے، یا جہاز کے عملے کی طرف سے باوجود کوشش کے اجازت نہ ملنے کی وجہ سے تو اس موقع پر مندرجہ ذیل تدابیر مرحلہ وار اختیار کی جاسکتی ہیں:

۱۔ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے جہاز منزل پر پہنچ جائے گا اور اتنا وقت مل جائے گا کہ نیچے اتر کر وضو کر کے نماز ادا کی جاسکے گی تو ایسا ہی کرنا چاہئے، اور اگر ہوائی اڈے پر نماز ادا کر کے فلائٹ میں بیٹھا جاسکتا ہے تو نماز سے فارغ ہو جانا چاہئے۔

۲۔ اگر اتنا وقت باقی نہ ہو تو پھر تیمم کر کے نماز ادا کی جائے، البتہ تیمم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ زمین کی جنس کی کسی چیز (مثلاً: اینٹ، پتھر، مٹی، سنگ مرمر وغیرہ) پر کیا جائے، چاہے ان پر کسی قسم کی گرد و غبار پڑی ہو یا نہ۔ اور جو چیزیں زمین کی جنس میں سے نہ ہوں، ان پر تیمم کرنا جائز نہیں ہے، (مثلاً: تانبا، لوہا، لکڑی، سونا، چاندی وغیرہ) البتہ ان چیزوں پر اگر گرد و غبار پڑی ہوئی

(۱) اصلاحی مجالس، مجلس نمبر: ۱۷، مخلوق کی وجہ سے عمل چھوڑنا، ہوائی جہاز میں وضو کرنے کا طریقہ:

ہو تو پھر ان اشیاء پر تیمم کرنا جائز ہے۔ اس بارے میں فقہائے کرام نے پہچان کے لیے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ جو چیز جلانے سے جل جائے وہ زمین کی جنس میں سے نہیں ہے اور جو چیز جلانے سے نہ جلے وہ زمین کی جنس میں سے ہے۔ (۱)

جہازوں میں صورت حال ایسی ہوتی ہے کہ وہاں زمین کی جنس والی کوئی چیز نہیں ہوتی اور غیر زمین کی جنس والی اشیاء ہوتی ہیں، لیکن ان پر گرد و غبار نہیں ہوتی، اس لیے اس صورت میں تیمم کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ جہاز کی اندرونی اشیاء پر جو روغن یا پیٹ کیا گیا ہوتا ہے، اس پر تیمم کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ پیٹ جن چیزوں سے تیار کیا جاتا ہے، ان میں کیمیکل، زنک اور چاک وغیرہ ہوتے ہیں اور ایسی اشیاء ہیں جو جلانے سے جل جاتی ہیں، لہذا پیٹ کی ہوئی اشیاء پر بھی تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲)

۳۔ نماز جیسے مہتمم بالشان فریضے کے تحفظ کی خاطر اس طرح کی متوقع صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیمم کی غرض سے اگر کوئی صاحب ایمان اپنے ہم راہ اپنے پیٹ بیگ وغیرہ میں کوئی چھوٹا موٹا پتھر وغیرہ لے کر جائے تو جہاز کے عملے کی طرف سے اس کی بھی اجازت نہیں ہوتی، البتہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ اپنے بیگ میں کوئی ایسا کپڑا رکھ لیا جائے جو گرد و غبار سے بھرا ہوا ہو، تاکہ بوقت ضرورت اس پر تیمم کیا جاسکے۔ (۳)

۴۔ اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو پھر ایسی صورت میں نماز کے وقت میں تشبہ بالمصلین کرے، یعنی: نمازیوں کی طرح ہیئت اختیار کرے، البتہ اس ہیئت صلاۃ میں تلاوت نہ کرے، بعد میں ایسی نماز کا اعادہ کرے۔ یہ صاحبین رحمہم اللہ کا قول ہے اور امام صاحب رحمہم اللہ کے قول کے مطابق ایسے وقت میں نماز مؤخر کرنے کی

(۱) فتح القدیر: ۱/۱۳۱، رشیدیہ

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۴۰، سعید

(۳) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۴۰، سعید

گنجائش ہے۔ لیکن فتویٰ صاحبین رحمہم اللہ کے قول پر ہے۔ (۱)

ہوائی جہاز میں قبلہ

گھڑی کے ذریعہ نماز کے اوقات کی تعیین ہو سکتی ہے اور سمت قبلہ کی تعیین قطب نما کے ذریعہ یا جہاز میں لگے کمپیوٹر کی اسکرین پر سمت متعین کرنے والے نشان کے ذریعہ یا کسی جانکار (مثلاً جہاز کے عملے) وغیرہ کے ذریعہ معلوم کیا جاسکتا ہے، ورنہ تحری کر کے نماز پڑھی جائے۔

ہوائی جہاز نماز کا طریقہ

احناف کے نزدیک ایک وقت میں پیشگی طور پر دو نمازیں پڑھنا درست نہیں؛ کیوں کہ وقت آنے پر نماز فرض ہوتی ہے، اس سے پہلے نہیں۔ اسی طرح جان بوجھ کر بلا عذر شرعی کوئی نماز قضا کرنا بھی جائز نہیں؛ البتہ اگر عذر شرعی کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے، جس کے نتیجے میں آئندہ وقت میں دو نمازیں ایک ساتھ ادا کرنی ہو؛ ایک چھوٹی ہوئی، دوسری؛ اس وقت کی فرض نماز تو اس صورت میں عذر شرعی کی وجہ سے کوئی گناہ نہ ہوگا؛ البتہ آدمی کو حتی الامکان یہ چاہیے کہ سفر کا ایسا نظام بنائے کہ کوئی نماز قضا نہ ہو۔

جہاز میں بھی کھڑے ہو کر اور قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کی جائے، جہازوں میں اس طرح نماز پڑھنا ممکن بھی ہوتا ہے اور اس کی سہولت بھی ہوتی ہے، لہذا سیٹ پر بیٹھ کر اس طرح نماز پڑھنا کہ کھانے کی ٹیبل پر سجدہ کرے، تو اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ (۲)

اگر ہوائی جہاز میں اترنے کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے جہاز کے عملہ کی طرف سے سیٹ اٹھنے اور کھڑے ہونے کی اجازت نہ ہو اور نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو قیام پر قدرت کے باوجود سیٹ پر فرض نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی؛ بلکہ ایسا شخص نماز مؤخر کر دے اور جہاز سے اترنے کے بعد کھڑے ہو کر فرض نماز پڑھے۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۵۲، سعید

(۲) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی استقبال القبلة: ۱/۶۳، الباب

الرابع: فی صفة الصلاة: ۱/۶۹

و کذا اجتماعاً فی مکان ضیق لیس فیہ إلا موضع یسع أن یصلی قائماً فقط یصبر ویصلی قائماً بعد الوقت کعاجز عن القيام والوضوء فی الوقت ویغلب علی ظنہ القدرة بعده... بحر ملخصاً عن التوشیح (۱)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

”قیام اور استقبالِ قبلہ پر قدرت کے باوجود ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی، سفر میں ہو یا حضر میں، ریل میں ہو یا جہاز میں، سب کا یہی حکم ہے۔ نیز مذکور ہے: مجبوری کی حالت میں اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے، پھر منزل پر پہنچ کر اعادہ کر لے، کیوں کہ یہاں مانع من جہۃ العباد ہے“۔ (۲)

نظام الفتاویٰ میں ہے:

”تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز پر بھی نماز پڑھی جائے گی۔ اگر جماعت سے پڑھ سکتے ہوں تو جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا، ورنہ تنہا تنہا پڑھیں گے، اگر حرکت وغیرہ کسی عارض کی وجہ سے کھڑے ہو کر پڑھنا دشوار ہو تو بیٹھ کر رکوع و سجدہ کے ساتھ پڑھیں گے اور سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ معلوم کریں گے، اگر کمپاس نہ ہو تو تحری کر کے جس رخِ قبلہ قرار پائے، اس پر نماز پڑھیں گے، غرض کہ جیسا عمل چلتی ریل میں کرتے ہیں، اس میں بھی کریں گے اور نماز قضا نہ کریں گے، واللہ اعلم“۔ (۳)

(۱) رد المحتار، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ۱: ۳۹۶، ط: مکتبۃ زکریا دیوبند۔ وفي البحر:

ولیس ہناک موضع أن یصلی قائماً فقط الخ: ۲۴۴، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(۲) فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۵۳۲، ادارہ الفاروق

(۳) نظام الفتاویٰ، ص: ۲۸۰

رہی یہ بات کہ سجدہ زمین پر پیشانی ٹیکنے (وضع الجبهة على الأرض) کا نام ہے اور ہوائی جہاز میں یہ بات نہیں پائی جاتی تو اس قسم کے تکلفات واقعہ ہے کہ شریعت کی روح سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ یہ بالکل ایک اتفاقی بات ہے کہ چوں کہ عام طور پر زمین پر ہی پیشانی ٹیکنے کی نوبت آتی ہے، اس لیے فقہاء نے زمین (ارض) کا لفظ استعمال کیا ہے، یہ ٹھیک اس طرح ہے جیسے: کوئی شخص کہے ”روئے زمین پر اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں“..... کیا اس سے یہ بات سمجھی جائے گی کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ چاند پر اس سے بہتر ایک اور دین موجود ہے؟

شریعت کا اصل منشا یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز ہو جس پر انسان کی پیشانی ٹک سکے، چنانچہ کشتی میں نماز کی اجازت دی گئی، حالاں کہ سطح زمین اور کشتی کے درمیان پانی کا ایک بے پناہ فاصلہ موجود ہے..... اس لیے ہوائی جہاز پر اسی طرح نماز کی ادائیگی درست ہے، جس طرح زمین پر، واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ (۱)

آب زمزم کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر؟

آب زمزم کھڑے ہو کر پینا اور بیٹھ کر پینا دونوں بلا کراہت جائز ہے، لیکن ایک رائے کے مطابق کھڑے ہو کر پینا اولیٰ و بہتر ہے۔

واستحب علماؤنا أن يشرب ماء زمزم قائما ويشير إليه ما في حديث ابن عباس رضي الله عنه آية ما بيننا وبين المنافقين أنهم لا يتصلعون من زمزم والتصلع لا يتأتى إلا قائما وأخرج البخاري عن الشعبي أب ابن عباس عنهما حدثه قال: سقيت رسول الله ﷺ من زمزم فشرب وهو قائم (۲)

مرقات المفاتيح میں ہے:

(۱) جدید فقہی مسائل، عبادات، ہوائی جہاز میں نماز: ۱/ ۸۸-۸۹، بحوالہ: جامعہ فاروقیہ کراچی

(۲) إعلاء السنن: ۱۰/ ۲۱۳، إدارة القرآن

فإنه مخصص بماء زمزم وشرب فضل الوضوء، كما ذكره بعض علمائنا، وجعلوا القيام فيها مستحباً وكرهوه في غيرهما... الخ (۱)

شیخ الحدیث خصال نبوی میں اس حوالہ سے فرماتے ہیں:

”بعض علماء نے زمزم پینے کو بھی اس ممانعت میں داخل فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نوش فرمانے کو ازدحام کے عذر یا بیان جواز پر محمول فرمایا ہے“ لیکن علماء کا مشہور قول یہ ہے کہ زمزم اس نہی میں داخل نہیں اس کا کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔“ (۲)

تقریرات رافعی میں ہے:

(قوله أفاد أن المقصود من قوله قائما عدم الكراهة) فيه أن صريح كلام المصنف إن الشرب قائما مستحب لأنه في صدد عد المستحبات، لا في بيان عدم الكراهة (۳)

عام طور پر زمزم کے آداب ذکر کیے جاتے ہیں وہ حج کے موقعہ اور حرم میں حاضری کے وقت سے متعلق ہیں، لیکن احادیث میں جو ماء زمزم کے فضائل مذکورہ ہیں وہ مطلق ہیں۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: خير ماء على وجه الأرض ماء زمزم فيه طعام طعم وشفاء سقم... الحديث، رواه الطبراني في الكبير ورواه ثقات،

(۱) مرقاة المفاتیح: ۲۱۸/۸

(۲) خصال نبوی: ۱۳۸، دارالاشاعت

(۳) تقریرات رافعی: ۱۸/۱، کتاب الطہارۃ

ورواہ بن حبان ایضا (۱)

نیز جو آداب حرم میں ملحوظ ہوتے ہیں ان کی رعایت غیر حرم میں مناسب ہے۔
ملاحظہ ہو کتاب الفتاویٰ میں ہے:

”چونکہ زمزم کی عظمت کا پہلو کچھ حج ہی سے متعلق نہیں بلکہ ہر وقت
اور ہر جگہ ہے اس لیے یہ سمجھنا درست نہیں کہ حج کے موقع سے زمزم پینے
کے احکام الگ ہیں اور عام حالات میں الگ ہے“ (۲)

زبدۃ المناسک میں زمزم پینے کی ترتیب کے تحت مذکور ہے:
”کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے اٹھ کر کھڑا ہو اور داہنے ہاتھ میں لیکر پیئے
اور بائیں ہاتھ سے پینا مکروہ ہے اور تین سانس میں پیئے اور ہر دفع کے
شروع میں بسم اللہ کہے اور سانس لینے میں الحمد للہ کہنا مستحب ہے“ (۳)

زمزم پینے کا طریقہ

آب زمزم پینے کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پیا جائے آنحضرت سے کھڑے
ہو کر پینا منقول ہے ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ شَرِبَ مِنْ مَاءِ
زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ“ (۴) لیکن کھڑے ہو کر پینا کوئی ضروری نہیں ہے، لہذا بیٹھ کر پینے
میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زمزم نوش فرمایا اس وقت سر مبارک کھلا ہوا تھا اور آپ
صلی اللہ علیہ وسلم خود کھڑے تھے اس لیے بعض حضرات نے زمزم پیتے وقت اس کیفیت کو مسنون

(۱) فتح القدیر: ۵۰۵/۲

(۲) کتاب الفتاویٰ: ۸۲/۴

(۳) زبدۃ المناسک: ۱۳۷، فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳/۶۷، ۴/۷۵

(۴) سنن نسائی، باب ماجاء فی الرخصة فی الشرب قائما، حدیث نمبر: ۲۹۶۴، البانی نے
اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۵) أفاده الشامی: مطلب فی مباحث الشرب قائما: ۱/۲۲۸

قرار دیا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ سر کا کھلا ہونا احرام کی وجہ سے تھا اور کھڑا ہونا کیچڑکی وجہ سے تھا، چنانچہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں: کھڑے ہو کر ماء زمزم کا پینا بیان جواز کے لیے ہے، یا اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ لوگوں کی بھیڑ ہونے کی وجہ سے یا وہاں تری کی وجہ سے آپ ﷺ کو بیٹھنے کی جگہ نہ مل سکی، اس لیے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیا، خلاصہ یہ کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے، البتہ کوئی بیٹھ کر پیے تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

”هذا البيان الجواز وقد يحمل على أنه لم يجد موضعا للقعود

لازدحام الناس على ماء زمزم أو ابتلال المكان“ (۱)

قبلہ رو ہو کر پینا، اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پینا، تین سانس میں پینا، پینے کے بعد اللہ کا شکر بجالانا، محمد بن عبد الرحمن بن ابوبکر سے زم زم پینے کے آداب کی بابت نقل کیا ہے کہ میں حضرت عبد اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آیا آپ ﷺ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا زم زم سے دریافت فرمایا جس طرح زم زم پینا چاہیے اس طرح پیا؟ نور اردن نے پوچھا کس طرح؟ فرمایا جب زم زم پیو تو قبلہ رخ ہو جاؤ اللہ کا نام بسم اللہ پڑھو تین سانس میں پیو اور خوب سیر ہو کر پیو جب فارغ ہو تو اللہ کی حمد کرو الحمد للہ پڑھو:

”عن محمد بن عبد الرحمن بن أبي بكر قال: كنت عند ابن

عباس جالسا فجاءه رجل، فقال من أين جئت؟ قال: من

زمزم، قال: فشربت منها كما ينبغي، قال: وكيف؟ قال:

إذا شربت منها فاستقبل القبلة، واذكر اسم الله وتنفس

ثلاثا، وتضع منها، فإذا فرغت فاحمد الله عز وجل، فإن

رسول الله ﷺ قال: إن آية ما بيننا وبين المنافقين أنهم لا

يتضعون من زمزم“ (۲)

(۱) أوجز المسالك ۱۶/۵۰، باب صفة النبي ﷺ

(۲) سنن ابن ماجہ، باب الشرب من زمزم، حدیث نمبر: ۳۰۶۱، اس کی سند صحیح ہے۔

اس روایت میں کھڑے ہو کر پینے کا ذکر نہیں کیا گیا، اس لیے بعض حضرات زمرم پیتے وقت کھڑے ہونے کو مسنون نہیں سمجھتے۔

حائضہ عورت بلا احرام حدود حرم میں چلی جائے

میقات سے بحالت احرام گزرنے کے لیے پاکی شرط نہیں ہے لہذا اگر کوئی عورت بلا احرام میقات سے گزر جائے تو واپس کسی میقات پر آ کر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا واجب ورنہ واجب ہوگا، اور اگر مکہ مکرمہ پہنچ کر وہی دن میں اس کو مدینہ روانہ ہونا ہے تو بھی احرام باندھ کر ہی میقات سے گزرے گی، اور جب مدینہ جانا ہو تو اسی حالت احرام میں احرام کی پابندیوں پر عمل کرتے ہوئے وقت گزارے اور پاک ہونے کے بعد مکہ مکرمہ آ کر اپنا عمرہ ادا کر لے، اگر بلا احرام مکہ مکرمہ چلی گئی اور مدینہ سے واپسی پر احرام باندھ کر آئی تو دم ساقط ہو جائیگا لیکن توبہ کرنا ضروری ہوگا:

”فإن جاوز الأفاقی الموضع الذی یجب علیہ الإحرام فیہ

غیر محرم اثم، ولزمه أن یعود إلیہ ویحرم منه“ (۱)

عورتیں اپنی ہوٹل میں نماز ادا کریں

عورتیں طواف کرنے کی غرض سے خانہ کعبہ جائیں اور نماز کا وقت ہو جائے تو نماز ”مصلی النساء“ میں ادا کر لیں، لیکن نماز ہی کی نیت سے حرم نہ جائیں تو بہتر ہے، کیونکہ عورت کی نماز مسجد میں پڑھنے کے مقابل اپنے جائے قیام میں پڑھنا افضل ہے، اور جب اپنے گھر میں نماز ادا کرنے پر حرم کی نماز کا ثواب مل جاتا ہے تو یہ شریعت کی طرف سے عورت پر اللہ کا خصوصی انعام ہے کہ مشقت کے بغیر اجر سے نوازا جا رہا ہے اس لیے اس مسئلہ کو اختلافی اور مسلکی رو سے دیکھے بغیر راحت و رخصت اور مزاج شریعت کی رو سے سمجھیں۔

چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

”عورتیں کبھی حرم کی جماعت پانے کی نیت سے مسجد حرام میں نماز ادا کر لیں جس سے کعبہ کے دیدار کا ثواب ملے گا، اور زیادہ تر قریب کی مساجد میں ہی نماز ادا کر لیں یا اپنے ہوٹل کی مسجد میں نماز ادا کر لیں خاص کر حج سے قریب دنوں میں کیونکہ بعض مرتبہ ازدحام کی وجہ سے ایسی باتیں پیش آ جاتی ہیں جو حرام ہوتی ہیں، اور نماز کی درستگی میں بھی شک ہو جاتا ہے، دوسروں کو بھی دشواری نہ ہوگی اور نہ تکلیف ہوگی، یکسوئی سے ہر ایک کی نماز ادا ہوگی، اسی طرح جو حضرات ضعیف و کمزور ہیں وہ بار بار مسجد حرام میں جانے کی زحمت کر کے دوسرے حجاج کی مشقت کی سبب بننے کے بجائے اپنے قیام گاہ کی مساجد میں باجماعت نماز ادا کر لیں تو ثواب وہی ملے گا جو مسجد حرام کا ثواب ہے“۔ (۱)

عورتیں حرم میں کب جائیں؟

عورتیں اگر حرم میں جانا چاہیں تو رات کے وقت جائیں، دیر تک صرف عبادت میں مشغول رہیں، مردوں سے ہٹ کر کنارے کنارے طواف کریں، اگر چند عورتیں ساتھ ہو تو یہ طے کر لیں کہ ”ہم یہاں کوئی بات عبادت سے ہٹ کر نہیں کریں گی، جس بات کا بولنا نہایت ضروری ہو وہی بولیں گے“ ورنہ اپنی پرانی عادت کے موافق یہی گفتگو ہوگی کہ ”تمہارے شوہر کیا کرتے ہیں؟ تمہارے کتنے بچے ہیں؟ کتنے لڑکے ہیں اور کتنی لڑکیا ہیں؟ تمہارا سسرال کیسا ہے؟ کتنے بچوں کی شادی ہوئی ہے؟ داماد کیسے ہیں؟ کتنے نواسے اور پوتے ہیں؟ اس طرح نہ ختم ہونے والی گفتگو کا سلسلہ چل پڑے گا اور حرم میں بیٹھتے ہوئے غیبت شروع ہو جائے گی، اور کی کرائی عبادت پر پانی پھر جائے گا، اور عادتاً چند عورتیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور خاموش رہیں ایسا بہت کم ہوتا ہے اس لیے طے کر لیں کہ ہم بلا ضرورت گفتگو نہیں کریں گے۔

مسئلہ محاذات کے شرائط

جب ایک عورت صف میں کھڑی ہو تو درج ذیل شرائط پائی جانے کی صورت میں اس عورت کے دائیں، بائیں اور پیچھے کے ایک ایک مرد کی نماز فاسد ہوگی، پوری صف والوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی، وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) وہ عورت مشتہاۃ ہو۔

(۱) مستفاد از: رفیق حج و عمرہ: ۵۹

- (۲) مرد کی پنڈلی، ٹخنہ یا بدن کا کوئی بھی عضو عورت کے کسی عضو کے بالمقابل پڑ رہا ہو۔
- (۳) یہ سامنا کم از کم ایک رکن (تین تسبیح پڑھنے کے بقدر) تک برقرار رہا ہو۔
- (۴) یہ اشتراک مطلق نماز میں پایا جائے یعنی نماز جنازہ کا حکم یہ نہیں ہے۔
- (۵) مرد و عورت دونوں ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہوں۔
- (۶) مرد و عورت کے نماز پڑھنے کی جگہ سطح کے اعتبار سے برابر ہو، یعنی اگر سطح میں آدمی کے قدم کے بقدر فرق ہو تو محاذات کا حکم نہ ہوگا۔

(۷) دونوں کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔

- (۸) مرد نے اپنے قریب آ کر کھڑی ہونے والی عورت کو وہاں نہ کھڑے ہونے کا اشارہ نہ کیا ہو، اگر اشارہ کیا پھر بھی عورت برابر میں کھڑی رہی تو اب مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۹) امام نے مرد کے برابر میں کھڑی ہوئی عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہو۔

قوله: "وتاسع شروط المحاذاة الخ" وأولها: المشتهاة، ثانيها:

أن يكون بالساق والكعب على ما ذكره، ثالثها: أن تكون في

إداء ركن أو قدره، رابعها: أن تكون في صلاة مطلقة،

خامسها: أن تكون في صلاة مشتركة تحريمة، سادسها:

إتحد المكان، سابعها: عدم الحائل، ثامنها: عدم الإشارة

إليها بالتأخر (وتاسع شروط المحاذاة) أن يكون الإمام قد
نوى إمامتها..... وفي الخاتمة: لو صلت المرأة على الصفة
والرجل أسفل منها بجنبها أو خلفها إن كان يحاذي
عضو من الرجل عضوًا منها فسدت صلاته لوجود المحاذاة
ببعض بدنهما أو ليس هنا محاذاة بالساق والكعب (۱)

حرم میں عورت کا مردوں کی صف میں شامل ہو جانا

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ ”أَخْرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخْرَهَنَّ
اللَّهُ“ (۲) عورتوں کو چاہیے کہ وہ نماز میں مردوں سے پیچھے کھڑی ہوں اگر اس
حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عورت مرد کے برابر کھڑی ہونا درست نہیں
ہے، حرم میں اگر عورت شروع نماز سے شریک ہے اور امام حرم نے عورتوں کی
امامت کی نیت بھی کی ہو (ائمہ حرم عموماً نیت کرتے ہیں) تو جو مرد عورت سے
متصل دائیں، بائیں، اور ٹھیک اس کے بالمقابل پیچھے کھڑا ہے ان کی نماز فاسد
ہو جائے گی اور انہیں اپنی نماز دہرانا واجب ہے۔

(۲) اور اگر عورت نماز شروع ہونے کے بعد شریک ہوئی تو جس مرد کے بازو کھڑی اس نے
اشارہ سے پیچھے جانے کو کہا مگر وہ کھڑی رہی تو احتناف کے نزدیک مرد کی نماز درست
اور عورت کی فاسد ہو جائے گی، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت کا مردوں کی صف
میں کھڑا ہونا درست نہیں ہے مگر کھڑی ہو جائے تو کسی کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔

(۱) طحطاوی مع المراقی: ص: ۳۳۱، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت

(۲) المعجم الكبير للطبرانی، حدیث نمبر: ۹۳۷۲ صحیح یہی ہے کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے متوفی
روایت ہے جو مرفوع کے حکم ہے۔ ”وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ، لَكِنَّهُ فِي
حُكْمِ الْمَرْفُوعِ“، مرقاة المفاتیح، حدیث نمبر: ۵۲۱۲، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث
سے معنی یہی حکم ثابت ہے۔ ”خیز صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخير صفوف
النساء آخرها وشرها أوله“

”ثم المرأة الواحدة تفسد صلوة ثلاثة واحد عن يمينها وآخر عن يسارها وآخر خلفها وحققه في حاشية الجلبى عليه الفتوى وكثيرا ما تفسد الصلوة بهذا السبب في المسجد الحرام والمسجد الأقصى“ (۱)

(۳) مسئلہ محاذاتہ میں محرم اور غیر محرم دونوں کا ایک ہی حکم ہے لہذا حرم میں بیوی، بہن، والدہ وغیرہ کو ساتھ کھڑا کیے نماز پڑھنے سے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔
”والمرأة تتناول الأجنبية والمحرمة أو الحليلة والصغيرة المشتبهة والكبيرة التي ينفر عنها الرجال“ (۲)

(۴) مسئلہ محاذاتہ میں نماز فاسد ہونے کے لیے عورت اور مرد کے اعضا کھڑے ہونے کی حالت میں ایک دوسرے کے برابر ہونا شرط ہے مثلاً قدم، پنڈلی، کمر وغیرہ، پس اگر اتنے فاصلہ سے کھڑیں کہ سجدہ کی حالت میں عورت کا سر مرد کی کمر تک گھٹنوں تک ہوتا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ”والمعتبر في المحاذاة الساق والكعب على الصحيح“ (۳)

(۵) مرد اور عورت کے درمیان اتنا فاصلہ آجائے جس میں ایک مرد آرام سے کھڑا ہو سکتا ہے تو اس صورت میں کسی کی نماز فاسد نہیں ہوگی، نیز اگلی صف میں عورت کھڑی ہے اور پچھلی صف میں مرد عورت کے بالکل پیچھے نہیں کھڑا ہے بلکہ دائیں یا بائیں ہٹ کر کھڑا ہے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور عورت کی نماز بھی درست ہو جائیگی۔

”ولو كان بينهما فرجة تسع الرجل أو اسطوانة قيل لا

(۱) البحر الرائق: ۱/۲۴۰

(۲) فتاویٰ ہندیہ: ۱/۸۹

(۳) ہدایہ: ۱/۸۹

تفسد و کذا إذا قامت أمامه وبينهما هذه الفرجة“ (۱)

(۶) مسئلہ محاذاتہ کے لیے عورت کا مشتبہ ہونا (۹ سال سے زیادہ عمر والی) ہونا شرط ہے، اور یہ محاذاتہ کم از کم یک رکن (تین تسبیح پڑھنے) کے برابر ہونا، یہ شرکت مطلق نماز میں ہونا، ایک امام کی اقتداء میں ہونا، دونوں کی جگہ کی سطح ایک ہونا بھی شرط ہے، پس مرد کے بازو کم سن بچی کھڑی ہو جائے، ایک رکن سے کم محاذاتہ ہو پھر فوراً دوری ہوگئی، جنازہ کی نماز میں محاذاتہ ہوا، عورت یا مرد کی جگہ کی سطح برابر نہیں مثلاً کوئی ایک اتنی اوپر کھڑا ہے کہ ایک قدم کا فاصلہ ہو، تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

تنبیہ: مرد حضرات کو چاہیے کہ نماز کی نیت میں شامل ہونے سے پہلے دائیں بائیں دیکھ لیں، تاکہ نماز کے بعد کوئی عورت نماز میں شریک ہو کر نماز فاسد کرنے کا سبب نہ بنے۔

نماز شروع ہونے کے بعد صف میں شامل ہوں تو؟

اگر نماز شروع ہونے کے بعد کوئی عورت نماز میں شامل ہو اور برابر کھڑی ہو جائے تو جس مرد کے بازو میں کھڑی ہوئی، اس نے اشارہ سے پیچھے چلے جانے کو کہا، اگر وہ اشارہ سے رک جائے تو فہما، اگر وہ پیچھے نہیں گئی اور اسی صف میں نماز پڑھنے لگی تو اس اشارہ کرنے سے مرد کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی، تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

واستفید من قوله: بعد ما شرع، إنها لو حضرت قبل شروعه ونوى إمامتها محاذيا لها، وقد أشار إليها بالتأخر تفسد صلاته، فالإشارة بالتأخر إنما تنفع إذا حضرت بعد الشروع ناوياً إمامتها، قال: والظاهر إن الإمام ليس بقيد،

أي فلو حاذت المقتدي بعد الشروع، وأشار إليها بالتأخر
ولم تتأخر فسدت صلاتها دونه، وينبغي أن يعد هذا في
الشروط (۱)

نوٹ: یہ رائے احناف کی ہے، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگرچہ عورت کا مرد کی
صف میں آجانا درست نہیں، لیکن نماز نہ مردوں کی فاسد ہوگی اور نہ عورتوں کی۔
عورتوں کا مردوں کی بھیڑ میں گھسنا

عورتیں حجر اسود کا بوسہ لینے، ملتزم پر کھڑے ہو کر دعا مانگنے، مقام ابراہیم پر نقلیں
پڑھنے یا حطیم میں نماز پڑھنے کے لیے ہرگز گھسنا جائز نہیں، اس عمل سے ثواب کے
 بجائے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوں گی، اس لیے ازدحام کے وقت مردوں سے ہٹ کر چلیں،
حجر اسود کا دور ہی سے استلام کر لیں، مقام ابراہیم کے سیدھ میں پیچھے کی جانب جا کر نفل
ادا کریں، حضرت عائشہ ؓ مردوں سے الگ تھلگ طواف کرتی تھیں، مردوں کی بھیڑ
سے دور رہتی تھیں۔

☆ اُم المؤمنین حضرت عائشہ ؓ کے پاس ان کی ایک باندی آئی، کہنے لگی: اُم
المؤمنین! میں نے بیت اللہ کا سات دفعہ طواف کیا اور رکن یمانی کو دو مرتبہ چھوا، تو
حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: ”لا اجرک الله لا اجرک الله“ تمہیں اس کا
اجر اللہ عز وجل ہرگز نہ دے، تمہیں اس کا اجر اللہ عز وجل ہرگز نہ دے، تم مردوں
کے ساتھ دھکم پیل کر رہی تھیں، تم صرف تکبیر کہہ کر گزر کیوں نہ گئیں؟ (۲)

نماز جنازہ میں ایک سلام پر اکتفاء

حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک نماز جنازہ میں صرف ایک طرف
سلام پھیرنے کا حکم ہے، آج کل حرمین شریفین میں بھی اسی کے مطابق عمل کیا جاتا ہے

(۱) شامی: ۳۲۰/۲، ذکر یا

(۲) مسند شافعی: ومن کتاب المناسک، حدیث نمبر: ۹۵۵

اور حنفی کو ایسے امام کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی ممانعت نہیں، مقتدی خود سے بھی دوسری طرف سلام پھیر سکتا ہے۔ (۱)

الذي عليه أكثر أهل العلم: أن التسليم من صلاة الجنازة مرة واحدة عن اليمن قال ابن عبد البر: فجمهور أهل العلم، من السلف والخلف: على تسليمة واحدة (۲)
وقال ابن قدامة: التسليم على الجنازة تسليمة واحدة، عن ستة من أصحاب النبي ﷺ.... ولم يعرف لهم مخالف في عصرهم مكان إجماعا۔ (۳)

ذهب بعض العلماء إلى أن السنة في صلاة الجنازة أن يسلم تسليمتين، كما هو الحال في الفرائض والنوافل وهو مذهب الحنفية والشافعية (۴)

واستدلوا على ذلك بحديث ابن مسعود: ثلاث خلال كان رسول ﷺ يفعلهن تركهن الناس، إحداهن: التسليم على الجنازة مثل التسليم في الصلاة (۵)
اسنادہ جيد، وقال الذهبي في المذهب ۱۳۸۷/۳ اسنادہ صالح، وحسنہ الالبانی فی احکام الجنائز۔
وهذا الحديث ليس صريحاً في التسليمين، فيحتمل أن

(۱) عمرہ کے فضائل و احکام: ۱۷۸

(۲) انتهى من الاستذكار: ۳۲/۲

(۳) المغني: ۴۱۸/۳

(۴) المبسوط: ۶۵/۲

(۵) السنن الكبرى للبيهقي، باب كيفية رفع اليدين في افتتاح الصلاة، حديث نمبر:

۲۳۱۷، علامہ نووی نے ”خلاصة الاحكام: ۹۸۲/۲ میں اس کی سند کو جيد کہا ہے۔

يكون المراد بالتشميه أصل السلام، أي أنه كان يسلم في الجنازة، كما كان يسلم في الصلاة۔

والقول بالتسليمتين ورد عن بعض السلف، ففي المصنف بسند جيد عن جابر بن زيد، والشعبي، وأبراهيم النخعي، أنهم كانوا يسلمون تسليمتين (۱)

من صلى وراء يسلم تسليمتين على الجنازة، فالمشروع له أن يتابعه على ذلك لأن التسليمة الثانية محل خلاف معتبر بين العلماء كما سبق بيانه الخ (۲) وإن اقتصر على تسليمة واحدة: فلا بأس لأن هذا لا يخل بالمتابعة (۳)

مسجد حرام کے باہر صفوں کے درمیان فاصلہ

بعض مرتبہ مکہ مکرمہ میں نماز کی صفیں مسجد کے باہر بھی لگ جاتی ہیں، عموماً رمضان اور حج کے موقع پر ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ درمیان میں کئی صف کی جگہ چھوٹ جاتی ہے، اس کے بعد صفیں لگتی ہیں، اس طرح فاصلہ سے اقتداء درست ہونے کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ مسجد میں چند صفوں کے بہ قدر فصل کے باوجود بھی اقتداء درست ہے، بشرطیکہ درمیان میں کوئی سڑک جس پر سواریاں چلتی ہوں یا کوئی نہر جس میں کشتیاں چلتی ہوں حائل نہ ہوں، اور رائج قول کے مطابق مکان کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے، لیکن کھلی جگہ میں اگر دو صف کے بقدر فاصلہ ہو تو اقتداء درست نہیں ہوگی، البتہ فقہاء نے ”فناء مسجد“ یعنی مسجد سے لگے ہوئے صحن کو بھی مسجد ہی کے حکم میں رکھا ہے، پس مسجد حرام سے متصل وہ میدان جو مکانات تک چلے گئے ہیں، فناء مسجد کے حکم میں ہیں

(۱) عمدة القاری: ۱۲/۴۰۸

(۲) کشاف القناع: ۴/۱۴۰

(۳) الفروع: ۳/۳۳۹

اور اگر ان میں ایک و صفوں کے خلاء کے ساتھ صفیں بن جائیں، تب بھی اقتداء درست ہو جائے گی۔

”ویمنع الاقتداء.....أو خلاء في الصحراء.....يسع

صفین....ان فناء المسجد له حکم المسجد“ (۱)

حرم میں غائبانہ نماز جنازہ

احناف اور مالکیہ حضرات کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ رسول کریم ﷺ خصوصیات میں شامل ہے اس لیے کسی اور کے لیے غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں۔ (۲) شوافع اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ درست ہے، البتہ غائبانہ نماز جنازہ کے قائلین حضرات میں یہ اختلاف ہے کہ آیا ہر شخص کا غائبانہ نماز جنازہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ شافعی اور حنبلی حضرات کہتے ہیں کہ علاقے سے دور ہر شخص کا غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا مشروع ہے، چاہے جہاں وہ فوت ہوا ہے وہاں اس کا نماز جنازہ ادا بھی کیا گیا ہو۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ

غائبانہ نماز جنازہ اس صورت میں جائز ہے جب اس کا مسلمانوں کو کوئی منفعت اور نفع حاصل ہو، مثلاً کسی عالم دین یا مجاہد، یا غنی شخص جس کے مال وغیرہ سے لوگ نفع حاصل کرتے رہے ہوں۔ یہ قول امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول ہے، اور شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول:

غائبانہ نماز جنازہ اس شرط پر جائز ہے کہ جہاں وہ فوت ہوا ہے وہاں اس کی نماز جنازہ ادا نہ ہوئی ہو، اور اگر اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی ہے تو پھر غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں۔

(۱) رد المحتار: ۲/۲۳۲، مستقدا از: کتاب الفتاوی: ۸/۴۲

(۲) بدائع الصنائع: ۱/۳۱۲

یہ قول امام احمد رحمہ اللہ کی دوسری روایت ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے، اور متاخرین علماء میں سے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ بھی اس کی طرف مائل ہیں۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر اس کی نماز جنازہ ادا نہ ہوئی ہو تو غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے گی، ورنہ نہیں۔ (۱)

- (۱) احناف و مالکیہ کے علاوہ علماء کے اس پورے اختلاف سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ اس شخص کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے جس کی نماز جنازہ ادا نہ ہوئی ہو۔
 - (۲) اس شخص کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے جس شخص کا مسلمانوں کو کوئی فائدہ اور منفعت تھی، مثلاً عالم دین جس کے علم سے لوگ فائدہ حاصل کرتے رہے، اور کوئی تاجر جس کے مال سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا، یا پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا مجاہد جس کے جہاد سے لوگوں اور اسلام کو فائدہ ہوا، اور اس طرح کے دوسرے افراد، نجد کے علاقے میں عمل بھی اسی پر ہے وہ علم و فضل اور مسلمانوں پر سبقت والے شخص کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔
- جواز کے قائلین میں سے بعض علماء کرام نے ایک اچھی قید لگاتے ہوئے کہا ہے کہ ایک شرط کے ساتھ وہ یہ وہ مدفون شخص ایسے وقت فوت ہوا ہو جب وہ نماز ادا کرنے والا شخص نماز کا اہل تھا۔

”وإنما تجوز الصلاة على الغائب عن البلد لمن كان من أهل

فرض الصلاة عليه يوم موته“ (۲)

اس کی مثال یہ ہے کہ

ایک شخص بیس برس قبل فوت ہوا اور ایک انسان تیس برس کی عمر میں ہو کر اس کی

غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتا ہے تو یہ صحیح ہے؛ کیونکہ جب وہ شخص فوت ہوا تو اس نمازی کی عمر دس برس تھی جو کہ نماز جنازہ ادا کرنے کے اہل ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ ایک شخص تیس برس قبل فوت ہوا، اور ایک بیس سالہ شخص جا کر اس کی غائبانہ نماز ادا کرنا چاہے تو یہ صحیح نہیں؛ کیونکہ جب وہ شخص فوت ہوا تھا تو یہ نماز اس وقت معدوم تھا اور موجود ہی نہیں تھا تو یہ اس کی نماز جنازہ ادا کرنے سے اہل میں سے نہیں۔

نبی کریم ﷺ کی قبر پر نماز جنازہ ادا کرنی مشروع نہیں، وہاں کھڑے ہو کر دعا کرنی چاہیے۔

شوافع و حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نجاشی بادشاہ کی نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔

”مذہبنا جواز الصلاة على الغائب عن البلد دليلنا حديث

النجاشي وهو صحيح“ (۱)

احناف یہ کہتے ہیں کہ نجاشی کے قصہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا نبی کریم ﷺ کے خصائص میں شامل ہوتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ نماز غائبانہ تھی ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کے لیے پردے ایسے ہی اٹھا دیئے گئے تھے جس طرح معراج کے موقع پر بیت المقدس کا نقشہ پوچھنے پر اٹھا دیئے گئے تھے، یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں بے شمار واقعات وفات پیش آئے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت و وفات کے واقعات ہوئے مگر ثابت نہیں کہ نماز جنازہ غائبانہ کا معمول اور عادت شریفہ رہی ہو خود نبی اکرم ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دور دراز علاقوں میں مقیم تھے مگر ثابت نہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں بھی غائبانہ نماز جنازہ کا معمول کہیں منقول نہیں ملتا۔

”لأنه توفي زمن النبي ﷺ أناس من أصحابه غائبين، ولم يثبت أنه صلى على أحد منهم صلاة الغائب“ (۱)
 شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا فتویٰ:

”جب یہ یقین ہو جائے کہ کسی شخص کی نماز جنازہ ادا نہیں ہوئی تو اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی، کیوں کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کے اہل و عیال نے اس کی نماز جنازہ ادا کی ہو، کیوں کہ نماز جنازہ ایک شخص بھی ادا کر سکتا ہے، بہر حال جب یہ یقین ہو جائے کہ کسی شخص کی نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی تو آپ کے لیے اس کی نماز جنازہ ادا کرنا ضروری ہے، کیوں کہ یہ فرض کفایہ ہے اور اس کی ادائیگی ضروری ہے۔“
 إذا تأكدت أنه لم يصل عليهم فصل عليهم، لأن الصلاة فرض كفاية. لكن ربما أهله صلوا عليه، لأن الصلاة على الميت تكون بواحد، على كل حال إذا تأكدت أن شخصا ما لم يصل عليه فعليك أن تصلي عليه لأنها فرض كفاية ولا بد منها“ (۲)

حرم میں عورت کا نماز جنازہ میں شرکت کرنا

حرمین شریفین میں تقریباً ہر نماز کے بعد نماز جنازہ ہوتی ہے فرض نماز کے بعد امام صاحب نماز جنازہ کا اعلان کرتے ہیں یہاں خواتین کا نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے حرم شریف میں نماز جنازہ پڑھنے کا بہت اجر و ثواب ہے، نماز جنازہ کا طریقہ سیکھ لینا چاہیے، اگر بالفرض نہ آتا ہو تو امام کے ساتھ صرف تکبیرات کہہ دینے سے نماز ادا ہو جائے گی۔

(۱) نیل المآرب: ۱/۳۲۴

(۲) مجموع فتاویٰ الشیخ ابن عثیمین: ۱۴۹/۱۷۰

”فإن صلاتها تصح وإن لم يصح الاقتداء بها“ (۱)

حرم میں عصر کی نماز ایک مثل پر

جمہور فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی مشہور روایت کے مطابق عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور ایک مثل کے بعد عصر کی نماز کا وقت شروع ہونے کے دلائل بھی انتہائی قوی ہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے، جس کے پیش نظر بعض مشائخ حنفیہ رحمہم اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، اس قول کو علامہ حصکلی رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے رائج قرار دیا ہے، جبکہ بعض نے ضرورتاً چنانچہ حضرت گنگوہی رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

وقت مثل بندہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے، روایت حدیث سے ثبوت مثل کا ہوتا ہے، دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں۔ بناء علیہ ایک مثل پر عصر کی نماز ہو جاتی ہے۔ (۲)

اور حریمین شریفین میں عصر کی نماز ایک مثل کے بعد ادا کی جاتی ہے، اور بعض ہجوم کے اوقات میں ایک مثل کے بعد اذان کے فوراً بعد عصر کی نماز ادا کر لی جاتی ہے۔

اور حریمین شریفین میں باجماعت نماز پڑھنے کے عظیم الشان اور مخصوص فضائل کے پیش نظر جن مساجد میں عصر کی نماز ایک مثل پر ادا کی جاتی ہے وہ درست ہے اور حنفیوں کو بھی حریمین شریفین میں امام حرم کی اقتداء میں ادا کر لینا افضل بلکہ ضروری ہے تاکہ حرم کی جماعت کا ثواب فوت نہ ہو۔ (۳)

حریمین میں تہجد باجماعت پڑھنا

آج کل حریمین شریفین میں رمضان المبارک کی مخصوص راتوں میں نماز تراویح

(۱) فتاویٰ شامی: ۹۸/۳

(۲) فتاویٰ رشیدیہ موب: ۳۱۵، کتاب الصلاۃ

(۳) رد المحتار علی الدر: ۱۵/۲، رفیق حج و عمرہ: ۵۷، عمرہ کے فضائل و احکام: ۱۷۶، ۱۷۷

کے علاوہ، صلاۃ اللیل وغیرہ کے عنوان سے باجماعت نوافل کی نماز بڑے مجمع میں پڑھی جاتی ہے جو کہ حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، لہذا حنفیہ کے اصل قواعد کے مطابق حریم شریفین کی نوافل کی جماعت میں شرکت مکروہ ہے۔

لیکن شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اس طرح نوافل کی جماعت اور اس میں شرکت جائز ہے، لہذا ان فقہائے کرام کے قول پر عمل کرتے ہوئے حریم شریفین کی قیام اللیل والی جماعت میں کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ حرم شریف اور ماہ رمضان کی برکات کے بیش نظر باعث فضیلت ہے۔

اور اس جماعت میں اگر کوئی شرکت کرے، تو رائج یہی معلوم ہوتا ہے کہ کراہت و ممانعت نہیں، لیکن اگر کوئی شرکت نہ کرے اور وہ اپنے مقام یا رہائش گاہ پر جا کر خلوت و تنہائی میں عبادت کرے زیادہ بہتر ہے۔ (۱)

ہجوم کے وقت اگلے نمازی کی پشت پر سجدہ

حریم شریفین میں ہجوم کے زمانہ میں اوقات نماز پڑھنے والے کو، زمین پر سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی، ایسی صورت میں اپنے سے آگے والے نمازی کی پشت پر سجدہ کر لینے کی گنجائش ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إن رسول الله ﷺ بنى هذا المسجد ونحن معه المهاجرون والأَنْصَارُ، فإذا اشتد الزحام فليسجد الرجل منكم على ظهر أخيه. ورأى قوما يصلون في الطريق، فقال: صلوا في المسجد (۲)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: المجموع شرح المہذب: ۵۵/۴، الموسوعة الفقهية الكويتية:

۱۲۲/۳۴، عمرہ کے فضائل و احکام: ۱۸۰

(۲) مسند أحمد، أول مسند عمر بن الخطاب، حدیث نمبر: ۲۱۷۱

ترجمہ: رسول ﷺ نے اس مسجد (نبوی) کی بنیاد ڈالی، اور ہم مہاجرین اور انصار آپ کے ساتھ تھے، پس جب (نماز پڑھنے کی جگہ میں) ہجوم شدید ہو جائے، تو تم میں سے آدمی اپنے بھائی کی پشت پر سجدہ کرے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو راستہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ تم مسجد میں نماز پڑھو۔

اس روایت کی بناء پر حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھنے کے دوران زیادہ رش اور ہجوم ہو (جیسا کہ حج کے زمانہ میں مسجد حرام و مسجد نبوی میں ہوتا ہے) بارش کا یا برف باری وغیرہ کی وجہ سے مسجد کے اندر جگہ کی تنگی ہو، تو نمازیوں کو اپنے سے آگے والے نمازیوں کی پشت پر سجدہ کرنا جائز بلکہ واجب ہے۔

إذا زحم الأُموم ورتعدر عليه السجود على الأرض
متابعة للآم، وقدر على السجود على ظهر إنسان أو دابة
... الخ (۱)

طواف کی نماز بغیر سترہ کے

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

رأيت بخط..... الكمال بن همام في حاشية فتح القدير: إذا
صلى في المسجد الحرام ينبغي أن لا يمنع المار المارواه أحمد
وأبو داود عن المطلب بن وداعة أنه رأى النبي ﷺ يصلي مما
يلي باب بنى مخزوم والناس يمرون بين يديه وليس بينهما
سترة وهو محمول على الطائفين فيما يظهر لأن الطواف
صلاة فصار كمن بين يديه صفوف عن المصلين“ (۲)

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۱/ ۲۳۳، عمرہ کے فضائل و احکام: ۱۷۸، ۱۷۹

(۲) مناسک ملا علی قاری

ردالمحتار میں ہے:

تنبيه: ذكر في حاشية المدني لا يمنع المار داخل الكعبة
وخلف المقام وحاشية المطاف“

بعض صحابہ، تابعین کا خیال تو یہ ہے کہ پورے حرم میں نماز کو سترہ کی ضرورت نہیں عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عباس، محمد بن حنفیہ، اور ابن جریج کا عمل نقل کیا گیا مکہ اور منیٰ میں یہ حضرات بغیر سترہ کے نماز پڑھ رہے تھے۔ (۱)

نوذی الحجہ کو جمعہ کی نماز

نوذی الحجہ کا دن اگر جمعہ کے دن واقع ہو، تو عورتوں، معذوروں اور مسافروں پر تو جمعہ کی نماز واجب نہیں، اور جو ایسے نہ ہو، تو جن حضرات کے نزدیک عرفات کا میدان مکہ کی حدود میں داخل ہو چکا، ان کے نزدیک جمعہ کی نماز واجب ہے، پھر خواہ عرفات میں پڑھیں، یا اس سے باہر پڑھ کر جلدی واپس آجائیں، یا مسجد نمروہ میں پڑھیں، یا پھر اپنے خیموں میں باجماعت پڑھیں، اور ہمارے نزدیک موجودہ دور میں یہی رائج ہے۔ اور جن کے نزدیک عرفات مکہ کی حدود میں داخل نہیں ہوا، ان کے نزدیک میدان عرفات میں موجود حجاج پر جمعہ کی نماز واجب نہیں۔

بخلاف عرفات فإنها مفازة فلا تتمصر باجتماع الناس
وحضرة السلطان. (۲)

وتقرير الجواب: إنما لا يعيد فيها يعني لا يصلي صلاة العيد
لأجل التخفيف على الناس، لأنهم مشغولون بأمر المناسك،
ولأن منى من أفنية مكة وتوابعها، لأنها في الحرم وتوابع الشيء
يقوم مقام ذلك الشيء. وأما عرفات فإنها من الحل وليست من

(۱) أعمال الحاج بعد النفر من منى، دكتور ياسين بن ناصر الخطيب

(۲) بدائع الصنائع: ۲۶۰/۱

فناء مکہ، و بینہا و بین مکة أربعة فراسخ (۱)
اگر دس ذی الحجہ کو جمعہ کا دن کا واقع ہو تو، تو منیٰ میں جمعہ کا حکم وہی ہوگا جو آٹھ ذی
الحجہ کا ہے۔ (۲)

کعبہ سے رخصت ہوتے وقت الٹے پیر نکلنا
اکثر حنفیہ اور شافعیہ کے مرجوح قول کے مطابق اس طرح نکلنا مستحب ہے جیسے
علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وینبغی له ان ینصرف و هو یمشی وراءه و بصره
إلى البيت متباکيا متحسرا علی فراق البيت حتی یرج من المسجد
ملا علی قاری رحمہ اللہ نے دوسرا طریقہ بھی نقل کیا ہے کہ پلٹ جائے اور کعبۃ اللہ کی طرف غمگین
دیکھتا رہے۔ ”ینصرف و یمشی ویلتفت الی البیت کالمتحزن علی فراقه“
لیکن علامہ طرابلسی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وما یفعله الناس عن الرجوع
القہقری بعد الدواع فلیس فیہ سنة مرویة ولا اثر محکی“ علامہ دسوقی رحمہ اللہ
نے اسے صاف بدعت قرار دیا ہے۔ ”هو فعل الأعاجم عند مفارقة عظیم“
علامہ بھوتی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ولا یستحب له المشی قہقری بعد وداعه
قال الشیخ تقی الدین: هذا بدعة مکروهة“ (۳)

روضہ پر حاضری سطحی اشکال کا جواب

بعض لوگ قبر شریف کی زیارت پر یہ شبہ کرتے ہیں کہ اب تو قبر کی بھی زیارت
نہیں ہوتی کیونکہ قبر شریف نظر نہیں آتی اس کے گرد پتھر (اور لوہے) کی دیوار (جالی)
قائم ہے، جس کا دروازہ بھی نہیں۔ یہ عجیب لغو اشکال ہے۔
میں کہتا ہوں کہ اگر زیارت قبر کے لیے دیکھنا ضروری ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

(۱) البناہ شرح الہدایہ: ۳/۴۸، باب الصلاة الجمعة

(۲) مناسک حج کے فضائل و احکام: ۴۵۶

(۳) مستفاد از: اعمال الحج بعد النفر من منی، دکتور یاسین بن ناصر الخطیب

زیارت کے لیے بھی یہ شرط ہوگی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جائے حالانکہ بعض صحابہ کرام نابینا تھے، عبد اللہ بن ام مکتوم صحابی ہیں یا نہیں؟ مستورات کے بارے میں کیا کہو گے، جس طرح صحابیات کے لیے حکمی زیارت کافی مانی گئی ہے، اسی طرح زیارت قبر شریف میں بھی حکمی زیارت کو کیوں نہ کافی مانا جائیگا، یعنی ایسی جگہ پہنچ جانا کہ اگر کوئی حائل (آڑ) نہ ہو تو قبر شریف کو دیکھ لیتے یہ بھی حکماً قبر شریف کی زیارت ہے۔ (۱)



فہرست مراجع

قرآن و تفسیر قرآن

- ۱ القرآن الکریم
- ۱ تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر): أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی؛ دار الکتب العلمیة، منشورات محمد علی بیضون - بیروت، الطبعة: الأولى - ۱۳۱۹ھ
- ۱ الدر المنثور: عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدین السیوطی؛ دار

الفکر - بیروت

حدیث اور شروحات حدیث

- ۱۳ صحیح البخاری: محمد بن إسماعیل أبو عبد الله البخاری الجعفی؛ دار ابن کثیر - بیروت
- ۱۴ صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشیری النیسابوری؛ دار ابن کثیر، بیروت
- ۱۵ سنن الترمذی: محمد بن عیسی بن سورة بن موسی بن الضحاک، الترمذی، أبو عیسی؛ دار احیاء التراث العربی
- ۱۶ سنن أبي داود: أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الأزدي السجستاني؛ دار الفکر بیروت

- ۱۷ السنن الصغرى للنسائي: أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي، مكتبة المطبوعات الإسلامية
- ۱۸ سنن ابن ماجه: ابن ماجه أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، وماجة اسم أبيه يزيد؛ دار الفكر بيروت
- ۱۸ الموطأ: مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية - أبوظبي - الإمارات، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۵ھ - ۲۰۰۴م
- ۲۱ السنن الكبرى: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخشروجردي الخراساني، أبو بكر السيهقي؛ دائرة المعارف، حيدرآباد
- ۲۳ المصنف: أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني؛ المكتب الإسلامي - بيروت، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۳ھ
- ۲۴ الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار: أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان العبسي؛ دار الفكر - بيروت
- ۲۵ مسند الإمام أحمد بن حنبل: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني؛ مؤسسة قرطبة القاهرة
- ۲۵ مسند أبي داود الطيالسي: أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصري؛ دار هجر - مصر، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۹م
- ۳۳ المستدرک علی الصحيحين: أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع، دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة الأولى، ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۰م

- ۲۸ المعجم الكبير: سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني؛ مكتبة ابن تيمية - القاهرة
- ۲۲ شعب الإيمان: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخشروجردي الخراساني، أبو بكر البيهقي؛ دار الكتب العلمية، بيروت
- ۲۲ شرح معاني الآثار: أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي؛ عالم الكتب، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۳ھ - ۱۹۹۴م
- ۲۲ الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان: محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن معبد، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البستي؛ مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م
- ۳۲ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي؛ مكتبة القدسي، القاهرة، ۱۴۱۳ھ - ۱۹۹۴م
- ۳۱ إعلاء السنن: علامه ظفر احمد عثمانى تهانوى؛ المكتبة الأشرفي - ديوبند
- ۲۶ المسند: الشافعي أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي؛ دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان
- ۲۶ مسند أبي يعلى: أبو يعلى أحمد بن علي بن المثنى بن يحيى بن عيسى بن هلال التميمي، الموصلي؛ دار المأمون للتراث - دمشق، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۲ھ - ۱۹۸۴م
- ۳۳ مشكاة المصابيح: محمد بن عبد الله الخطيب العمري، أبو عبد

اللہ، ولی الدین، التبریزی؛ المکتب الاسلامی - بیروت، الطبعة:
الثالثة، ۱۹۸۵م

۱ إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة: أبو العباس شهاب
الدين أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل بن سليم بن قايماز بن عثمان
البوصيري الكناني الشافعي، دار الوطن للنشر، الرياض،
الطبعة: الأولى، ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹م

۲۸ الطبقات الكبرى، القسم المتمم لتابعي أهل المدينة ومن بعدهم:
أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري،
البغدادى المعروف بابن سعد، مكتبة العلوم والحكم - المدينة
المنورة، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۸ھ

۲۸ فتح الباري شرح صحيح البخاري: أحمد بن علي بن حجر أبو
الفضل العسقلاني الشافعي، دار المعرفة - بيروت، ۱۳۷۹ھ
فيض الباري: ۲۸

۳۸ تكملة فتح الملهم شرح صحيح مسلم: مفتي محمد تقى عثمانى؛
مكتبه اشرفيه، ديوبند - الهند

۳ شرح النووي على مسلم: أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف
النووي

۳۶ الاستذكار: أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن
عاصم النمري القرطبي؛ دار الكتب العلمية بيروت

۲۸ شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك: محمد بن عبد الباقي بن
يوسف الزرقاني المصري الأزهرى؛ مكتبة الثقافة الدينية -
القاهرة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م

- ۲۸ نیل الأوطار: محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني
اليمني؛ دار الحديث، مصر، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۳ھ - ۱۹۹۳م
- ۲۸ أوجز المسالك: شيخ الحديث زكريا،
- ۳۳ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: علي بن (سلطان) محمد،
أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري، اشرفيه بكدڤو
كتب فقه، اصول فقه اور فتاوی
- ۴۳ المبسوط: محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي؛
دار المعرفة - بيروت، تاريخ النشر: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۳م
- ۴۳ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: علاء الدين، أبو بكر بن
مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي؛ زكريا بك ڈپو/دار الكتب
العلميه - بيروت
- ۴۶ الهداية في شرح بداية المبتدي: علي بن أبي بكر بن عبد الجليل
الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين؛ اشرفی بک ڈپو
- ۴۸ البناية شرح الهداية: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد
بن حسين الغيتابی الحنفی بدر الدين العینی؛ دار الكتب العلمية
- بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۰ھ - ۲۰۰۰م
- ۴۷ العناية شرح الهداية: محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو
عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي
البابرتي؛ دار الفكر
- ۴۹ فتح القدير: كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف
بابن الهمام؛ مصر
- ۴۷ تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق : عثمان بن علي بن محجن

- البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي؛ المطبعة الكبرى الأميرية -
بولاق، القاهرة، الطبعة: الأولى، ۱۳۱۳ھ
- ۴۷ منحة الخالق لابن عابدين: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن
عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي؛ دار الكتاب الإسلامي،
- ۴۷ البحر الرائق شرح كنز الدقائق: زين الدين بن إبراهيم بن محمد،
المعروف بابن نجيم المصري؛ دار الكتاب الإسلامي،
- ۴۴ رد المحتار على الدر المختار: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن
عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي؛ دار الفكر - بيروت؛
الطبعة: الثانية، ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲م
- ۴۵ الدر المختار شرح تنوير الأبصار للتمرتاشي: علاء الدين الحصفكي؛
دار الفكر - بيروت؛ الطبعة: الثانية، ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲م
- ۴۴ تقارير الرافعي:
- ۵۰ ملتي الأبحر: إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي الحنفي؛ دار
الكتب العلمية - لبنان/بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۸م
- ۵۰ مجمع الأنهر في شرح ملتي الأبحر: عبد الرحمن بن محمد بن
سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي؛ دار إحياء
التراث العربي
- ۵۰ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح: أحمد
بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي؛ دار الكتب العلمية
بيروت - لبنان، الطبعة: الأولى ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۷م
- ۵۰ حاشية الطحطاوي على الدر المختار:
- ۹ الذخيرة: أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس بن عبد

- الرحمن المالكي الشهير بالقرافي؛ دار الغرب الإسلامي -
بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۹۹۴م
- ۴۵ المدونة الكبرى: مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي
المدني، دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۴م
- ۹ مواهب الجليل في شرح مختصر خليل: شمس الدين أبو عبد الله
محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطرابلسي المغربي، المعروف
بالخطاب الرُّعيني المالكي، دار الفكر، الطبعة: الثالثة، ۱۴۱۲ھ -
۱۹۹۲م
- ۹ حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: محمد بن أحمد بن عرفة
الدسوقي المالكي؛ دار الفكر
- ۹ الحامي:
- ۹ بداية المجتهد ونهاية المقتصد: أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد
بن أحمد بن رشد القرطبي الشهير بابن رشد الحفيد؛ دار الكتب
العلمية
- ۹ الفقه المالك الميسر: زحيلي؛ دار الكلم الطيب
- ۴۵ الأم: إدريس الشافعيك
- ۴۵ المجموع شرح المذهب: أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف
النووي، دار الفكر
- ۴۵ إعانة الطالبين على حل ألفاظ فتح المعين: أبو بكر (المشهور
بالبكري) بن محمد شطا الدمياطي، دار الفكر للطباعة والنشر
والتوزيع، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۷م
- ۹ مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج: شمس الدين،

- محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي؛ دار الكتب العلمية،
الطبعة: الأولى، ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۴م
- ۹ تحفة المحتاج في شرح المنهاج: أحمد بن محمد بن علي بن حجر
الهيتمي؛ المكتبة التجارية الكبرى بمصر لصاحبها مصطفى
محمد، عام النشر: ۱۳۵۷ھ - ۱۹۸۳م
- ۹ الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي وهو شرح مختصر
المزني: أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري
البغدادی، الشهير بالماوردي؛ دار الكتب العلمية، بيروت -
لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۹م
- ۹ المغنی: أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة
الجماعی المقدسی ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة
المقدسي؛ مكتبة القاهرة
- ۹ كشف القناع عن متن الإقناع: منصور بن يونس بن صلاح
الدين ابن حسن بن إدريس البهوتي الحنبلي؛ دار الكتب العلمية
- ۹ العدة شرح العمدة: عبد الرحمن بن إبراهيم بن أحمد، أبو محمد
بهاء الدين المقدسي، دار الحديث، القاهرة، تاريخ النشر:
۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م
- ۹ الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف: علاء الدين أبو الحسن
علي بن سليمان المرادوي الدمشقي الصالحي الحنبلي، دار إحياء
التراث العربي
- ۹ كشف القناع:
- ۱ مسائل الإمام أحمد بن حنبل رواية أبي يعقوب الكوسج:

۹ المبدع في شرح المقنع: إبراهيم بن محمد بن عبد الله بن محمد ابن مفلح، أبو إسحاق، برهان الدين، دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۷م

۹ الفقه الحنبلي الميسر: زحيلي، دار القلم، دمشق

۲ البحر العميق في مناسك المعتمر والحاج الى البيت العتيق

امام ابو البقاء محمد بن احمد بن محمد بن الضياء الكشي، قاضي مکتہ المکرمة (۸۵۴) نے ۲۹۱۱ صفحات پر مشتمل زبردست علمی مستند اور تحقیقی کتاب لکھا ہے، کثیر فضائل، دقیق مسائل، استیعاب تاریخ، اولیاء کے واقعات اور رقت انگیز اشعار کے اعتبار سے بے مثال ہے، کوئی محقق اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا، غیر معمولی طریقے سے جزئیات کا احاطہ کیا گیا ہے، واقعی کتاب ”البحر العمیق“، ”مسمیٰ“ ہے۔

۲ مجامع الناسك: علامہ رحمۃ اللہ کی وہ کتاب شاید جس کا نام منسکِ کبیر، جمع المناسک و نفع الناسک مشہور ہے، ان کا مفصل تعارف آخر کتاب میں مذکور ہے۔

۲ غنية الناسك في بغية المناسك:؛ ادارة القرآن

محمد حسن شاہ مہاجر کی (وفات ۱۳۶۶ھ) اصلاً سوات (پاکستان) کے رہنے والے تھے، رام پور کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے دو سال دومرتبہ کتب سہ کو پڑھا، شیخ کے منظور نظر رہے، دیوبند، دہلی، اور بھوپال کے بعد حرمین شریفین میں ہی طویل قیام رہا، مدرسہ صولتیہ کے مدرس اور مناسک میں مرجعیت کا مقام حاصل تھا۔

۲ المناسك لابن أبي عروبة: أبو النضر سعيد بن أبي عروبة: مهران العدوي - ولاء - البصري، دار البشائر الإسلامية، بيروت - لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰م

۲ الاختيارات الفقهية: تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن عبد الله بن أبي القاسم بن محمد ابن تيمية الحراني الحنبلي الدمشقي، دار المعرفة، بيروت، لبنان، الطبعة: ۱۳۹۷ھ - ۱۹۷۸م

۷ اخبار مكة في قديم الدهر وحديثه: أبو عبد الله محمد بن إسحاق

بن العباس المکی الفاکھی؛ دار خضر - بیروت، الطبعة الثانية،
۱۴۱۲ھ

۷۷ نضرة النعيم في حكم العمرة من التنعيم: محمد بن محمد
المصطفى أبو عبد الله، المدينة المنورة

۵۶ الفتاوى التاتار خانية: شيخ فريد الدين المعروف بابن ملقن؛
زكريا بك ڈپو، ديوبند - الہند

۵۷ الفتاوى الهندية: لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي؛ اتحاد بك
ڈپو، ديوبند - الہند

۵۸ الفتاوى البزازية: شيخ حافظ الدين محمد بن محمد ابن بزاز
کردري؛ على هامش الفتاوى الهندية

۵۸ الفتاوى الخانية (قاضى خان)؛ على هامش الفتاوى الهندية

۵۶ مجموعة فتاوى: ابن تيمية، دار العربية - بيروت

۲ مجموع فتاوى العلامة عبد العزيز بن باز رحمه الله: عبد العزيز بن
عبد الله بن باز؛

۲ مجموع فتاوى ورسائل العثيمين؛

۲ الفقه الإسلامى وأدلته: وهبه زحيلي؛

۲ الفقه على المذاهب الأربعة: عبد الرحمن بن محمد عوض

الجزيري؛ دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان، الطبعة: الثانية،

۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م

۲ الموسوعة الفقهية الكويتية:

۲ صفوة الصفوة: ابن جوزي؛

۲ حجة النبي وعمراته: شيخ الحديث مولانا محمد زكريا كاندهلوي

۲ النوازل فی الحج

جامعہ امام محمد بن سعود کے کلیۃ الشریعہ کے شعبہ فقہ سے ڈاکٹریٹ کے لیے لکھا گیا مقالہ ہے، علی بن ناصر شلعان ۱۴۳۰ھ میں طبع کیا، ۴۰۸ کتابوں سے استفادہ کیا ہے، قدیم و جدید، عرب و عجم، مذاہب اربعہ اور ماہرین مناسک کی تقریباً تمام تحریریں، عربی رسائل و مجلات سامنے رہے، محسوس ہوا کہ مصنف نے مذاہب، دلائل محکمہ اور حصول ماخذ، فہم مسائل میں کافی تعب اٹھایا ہے، فخر اہ اللہ احسن الجزاء۔

۷۸ آپ کے مسائل اور ان کا حل: مولانا یوسف صاحب لدھیانوی؛ نعیمیہ بکڈپو، دیوبند

۷۷ احسن الفتاویٰ: مفتی رشید احمد صاحب؛ ایچ ایم سعید کمپنی

۹ اصلاحی مجالس: مفتی تقی عثمانی

۹ امداد الحجاج: مفتی محمد زید مظاہری

۹ امداد الفتاویٰ: مولانا اشرف علی تھانویؒ،

۹ انوار مناسک: مفتی شبیر احمد قاسمی

اصحاب علم و فتویٰ میں مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی غیر معروف نہیں ہیں، تدریس، تصنیف، اور فتویٰ نویسی میں نہایت کہنہ مشق ہیں، اس موضوع پر ایضاً المناسک، حج وعمرہ کا آسان طریقہ، سفر حج کی غلطیوں کی اصلاح بھی آپ لکھ چکے ہیں، اس کتاب کی ترتیب میں عام خفی کتب فتاویٰ.....، کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۴۲۷ھ میں مرتب اور مطبوع ہوئی ہے، ۷۰۰ رزائد صفحات پر مشتمل ہے۔

۹ اہم فقہی فیصلے: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

۹ اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: مفتی محمد جعفر صاحب ملی رحمانی، جامعہ

اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

۹ ایضاً الطحاوی: مفتی شبیر احمد قاسمی

۹ ایضاً المناسک: مفتی شبیر احمد قاسمی

۷۷ جدید فقہی مسائل: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ

- ۲ حج و عمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح: مولانا اعجاز صاحب اعظمی،
- ۲ حج و عمرہ موجود حالات کے پس منظر: ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی
- ۲ خصائل نبوی: دارالاشاعت
- ۲ رفیق حج و عمرہ: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی،
- ۲ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ حج: مفتی ارشاد الحق قاسمی؛
- ۲ رمی جمار کے اوقات اور منی میں شب ی موجودہ حالات کے پس منظر میں:؛
- ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی
- ۷۰ فتاویٰ دارالعلوم: مفتی عزیز الرحمن صاحب، مکتبہ دارالعلوم
- ۹ فتاویٰ دارالعلوم زکریا: دارالافتاء دارالعلوم زکریا، زمزم پبلیشرز، کراچی،
- پاکستان
- ۷۶ فتاویٰ رحیمیہ: مفتی عبدالرحیم صاحب لاچپوری، مکتبہ الاحسان دیوبند
- ۷۶ فتاویٰ رشیدیہ: مولانا رشید احمد سہارنپوری،
- ۴ فتاویٰ عثمانی: زکریا بکڈپو
- ۷۵ فتاویٰ قاسمیہ: مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی؛ زکریا بک ڈپو
- ۷۱ فتاویٰ محمودیہ: مولانا محمود حسن، ادارہ الفاروقی
- ۹ کتاب الفتاویٰ: مولانا خالد سیف الہہ رحمانی، مرتب: مفتی محمد عبداللہ سلیمان
- مظاہری۔ مکتبہ نعیمیہ، دیوبند
- ۷۹ کتاب المسائل: مفتی سید سلمان منصور پوری
- ۷۹ کتاب النوازل: مفتی سلمان منصور پوری صاحب؛ فرید بکڈپو
- ۲ عظمت بیت اللہ: مولانا اسحاق ندوی
- ۲ عمرہ کے فضائل و احکام: مفتی محمد رضوان راولپنڈی
- ۲ مجالس حکیم الامت: مرتب: مفتی محمد شفیع،

- ۲ مستند مسائل حج وعمرہ: محترم سعادت صاحب حیدر آباد
- ۲ مناسک حج فضائل واحکام: مفتی محمد رضوان راولپنڈی
- مفتی محمد رضوان صاحب (ادراہ غفران، راولپنڈی، پاکستان) ایک محقق عالم ہیں، مہینوں کے احکام، سیاست و حکومت کے مسائل پر مفصل کتابیں موجود و متداول ہیں، مناسک حج پر یہ کتاب بھی اردو زبان میں غیر معمولی اضافہ ہے، نہایت مبسوط، باحوالہ فقہ حنفی کے علاوہ جابجا موسوعہ کویتہ سے استفادہ کیا گیا، عمرہ کے طریقہ پر بھی آپ کا ایک رسالہ موجود ہے، اصلاح منکرات، ضعیف احادیث کی تحقیق بھی ان کی امتیازی شان ہے، مناسک حج کے فضائل واحکام آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔
- ۲ منی کے احکام شرعیہ اور استقلال منی کی تحقیق: مفتی رشید احمد فریدی استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تراج، سورت گجرات
- ۷۷ نظام الفتاوی: مفتی نظام الدین اعظمی، متفرق کتب
- ۹ البداية والنهاية: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي؛ دار إحياء التراث العربي، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م
- ۹ تاريخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف: محمد بن أحمد بن الضياء محمد القرشي العمري المكي الحنفي، بهاء الدين أبو البقاء، المعروف بابن الضياء؛ دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان، الطبعة: الثانية، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۴م
- ۹ زاد المعاد في هدي خير العباد: محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية؛ مؤسسة الرسالة، بيروت - مكتبة المنار الإسلامية، الكويت، الطبعة: السابعة والعشرون، ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۴م

۲ لطائف المعارف فیہا لمواسم العام من الوظائف: زین الدین عبد الرحمن بن أحمد بن رجب بن الحسن، السلا می، البغدادی، ثم الدمشقی، الحنبلی؛ دار ابن حزم للطبعة والنشر، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۴م

۲ تاج العروس من جواهر القاموس: محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، أبو الفیض، الملقب بمرتضی، الزبیدی؛ دار الهدایة

۹ لسان العرب: محمد بن مکرم بن علی، أبو الفضل، جمال الدین ابن منظور الأنصاری الرویفی الإفیقی؛ دار صادر-بیروت، الطبعة: الثالثة ۱۴۱۲ھ

۹ المعجم الوسیط: مجمع اللغة العربیة بالقاهرة، دار الدعوة المنجد: ۹

علامہ رحمۃ اللہ سندھی کی کتابیں

علامہ رحمۃ اللہ سندھی علیہ الرحمہ دسویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، نہایت علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، اپنے وطن احمد آباد گجرات سے حرمین شریفین ہجرت کی، علمی اسفار بھی کیے، جلیل القدر علماء کرام سے استفادہ بھی کیا، جن میں علی متقی ہندی اور ابن حجر بیہقی ہیں، تصنیف و تالیف خاصۃً علم المناسک سے متعلق ان کی لکھی ہوئی کتابوں نے قبول عام حاصل کی ہیں۔

(۱) جمع المناسک و نفع الناسک جس کی منسک کبیر بھی کہا جاتا ہے، اس کتاب کی تصنیف میں ایک سو سے زائد کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۲) لباب المناسک و عباب السالک، یہ کتاب منسک متوسط یا منسک وسیط، یا منسک اوسط سے مشہور ہے، اول الذکر کے دو تہائی حصہ کو ختم کر دیا، دلائل اور مختلف آراء کا ذکر نہیں، صرف مفتی بہ قول پر اکتفاء کیا، اس کتاب کی بہت سی شروحات و مختصرات لکھے گئے۔

(۳) منسک صغیر، منسک متوسط کی تلخیص کی گئی، اس کتاب کی شرح، شرح کی شروح بھی لکھی گئیں، منظومات بھی ترتیب دیئے گئے۔

اس کے علاوہ مصنف کی اور دو کتابیں ہیں، غایۃ التحقیق و کفایۃ التدریق فی مسائل ابتدائی بھاحل الحرمین الشریفین، اور تلخیص تزییۃ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ۔ (مستفاد از: جمع المناسک و نفع الناسک مع تحقیق احمد عبدالقیوم عبد رب النبی عبداللہ)

عطاء بن ابی رباح (وفات: ۱۱۴)

اپنے زمانے کے اصحاب فتویٰ میں سے تھے، اور مناسک حج کے علم سے بالا جماع سب سے زیادہ جاننے والے تھے، مسجد حرام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بعد عطاء بن ابی رباح کا حلقہ ہی سوال و جواب کا ہوا کرتا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے حج کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ابن ابی رباح کے ہوتے ہوئے مجھ سے مسئلہ پوچھ رہے ہو؟ ”یا اہل مکہ تسألون عن المناسک وفیکم عطاء بن ابی رباح“ انہوں نے سے ستر سے زیادہ حج کیے، بنی امیہ کے دور میں حجاج کے درمیان اعلان ہو جاتا کہ عطاء کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دیں، اس لیے ان کی آراء کو بھی تمام علماء کرام میں خاص مقام دے کر نقل کیا، محققین نے مختلف انداز میں اس کو موضوع بحث بنایا۔ (مستفاد از: منسک عطاء، تالیف عادل بن عبدالشکور الزرقی، معاون استاد حدیث کلیۃ المعلمین، ریاض)

مناسک پر ملا علی قاری رحمہ اللہ کی کتابیں

امام نور الدین علی بن سلطان ملا علی قاری رحمہ اللہ (وفات ۱۰۱۴ھ) متکلم، محدث اور صوفی شخصیت ہیں، مناسک پر انہوں نے زبردست کتابیں چھوڑی ہیں، علامہ سندھی رحمہ اللہ کی منسک متوسط (جو لباب المناسک سے مشہور ہے) کی شرح المسک المہسط شرح المنسک المتوسط کے نام سے لکھی ہے، جس کو قبول عام حاصل ہوا، اس پر قاضی حسین بن محمد سعید بن عبدالغنی کی حنفی رحمہ اللہ نے حاشیہ ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری لکھا ہے، جس کی تحقیق محمد طلحہ بلال احمد مینار نے کی اور مکتبہ امدادیہ مکہ المکرمتہ سے چھاپا، ملا علی قاری نے لباب المناسک یعنی منسک متوسط کا اختصار بھی کیا جس کا نام ”لب لباب المناسک وحب عباب المسالک“ ہے، مولانا رحمت اللہ سندھی کی منسک صغیر کی بھی ملا علی قاریؒ نے ”بداية السالک فی نہایۃ المسالک“ کے نام سے شرح لکھی، جواب تک مخطوطہ کی شکل میں ہے۔



ادارہ دارالدعوة والارشاد (حیدرآباد) کی علمی وعصری تحقیقات



زیر طباعت و زیر ترتیب

- سیرت نبوی کے دو باب : میاد النبیؐ کی تاریخ، وفات النبیؐ کی تاریخ
- مسنون طلاق، عصری شبہات اور سماجی مسائل کی روشنی میں
- فسادات : اسباب و سدباب
- ریکل اسٹیٹ، احکام و مسائل
- واقعہ معراج، اسرار و احکام
- سود احکام و مسائل
- منظم اسلامی اسکول